ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

تفسیر

بیان السبحان

کا

پارہ نمبر ۹

قَالَ الْمَلَاُ

فاضلِ اجل مفسرِ قرآن حضرت العلامہ مولانا سید عبدالدائم جلالی

پبلشر

نے برائے اشاعت معارف در موزِ قرآن و تبلیغِ دینِ متین

محمدی پریس دیوبند میں چھپوا کر شائع کیا

toobaafoundation.com

ضروری اعلان

دین حق کی تبلیغ واشاعت کے لئے عظیم الشان پروگرام

اظہار تشکر

ہم خدائے برتر و توانا اور اپنے مخلص معاونین کے صمیم قلب سے ممنون و مشکور ہیں اور ساتھ ہی مسرت کے ساتھ یہ اعلان کر رہے ہیں کہ تفسیر بیان السبحان بحمد اللہ تکمیل کو پہونچی جو کہ ۴۲ جزو پر مشتمل ہے اگر مخلص معاونین حضرات اپنا تعاون جاری نہ فرماتے تو اس پریشان کن دور میں شاید ہمارے ارادے حوصلہ شکن ہو جاتے۔ کاغذ کی گرانی، بحرانی حد تک بڑھ چکی ہے اور اس پر دستیاب نہیں ہوتا۔ لہذا مجبوراً قدرے ہدیہ میں اضافہ کرنا پڑا —— امید ہے کہ ہمارے معاونین حضرات ہماری مجبوریوں کو دیکھتے ہوئے ہمیں درگذر فرمائیں گے۔

چند گذارشات

(۱) مکمل سیٹ تفسیر بیان السبحان کا مجلد -/235 جو کہ ۴۲ جزوں پر پچاس فیصدی کمیشن کاٹ -/115 روپیہ ہے علاوہ محصولڈاک (۲) مکمل سیٹ تفسیر بیان السبحان غیر مجلد -/210 روپیہ جو کہ ۴۲ جزوں میں ہے۔ لیکن یہ قیمت علاوہ محصولڈاک کے ہے چار جلدوں میں مکمل ہوا ہے ایک جزو کا ہدیہ یعنی فی جز -/5 روپیہ ہے لیکن ممبران و تاجران کو اس پر پچاس فیصدی کمیشن کاٹ دیا جائیگا یعنی فی جز کمیشن کاٹ کر 2/50 روپیہ فی پارہ دیا جائے گا۔ لیکن علاوہ محصولڈاک کے یعنی ایک پارہ کی وی، پی جو جاوے گی -/4 میں بھیجی جاوے گی۔ مع محصولڈاک کے دو پاروں کی وی پی -/7 روپیہ اور تین پاروں کی وی -/10 روپیہ اور چار پاروں کی وی پی -/13 روپیہ اور پانچ پاروں کی وی، پی 15/50 روپیہ میں بھیجی جائے گی۔ یہ غیر مجلد کی قیمت ہے اور مع محصولڈاک کے ہے۔ اور اب مجلد کی قیمت یعنی .... پاروں کی وی، پی -/31 مع محصولڈاک کے بھیجی جائے گی۔ مجلد پانچ پاروں کی 17/50 کی ہوگی۔ بیس پاروں تک ایک ایک ہی پارہ ہے اور اکیس سے انتیس پاروں تک ہر پارے کے دو جزو ہیں اور تیسویں پارہ کے چار جزو ہیں۔ اس لئے ۲۶ تا ۳۰ تک ۱۴ جزوں کی جلد بنائی جائے گی۔ آخر کی جلد ہدیہ 37/50 روپئے ہے۔

نوٹ

بحمد اللہ فتاوی عالمگیری کے ۲۵ جزو طبع ہو چکے ہیں۔ ان کا ہدیہ بھی حسب بالا ہوگا۔ جو رعایت ممبران و تاجران کو مندرجہ بالا دی گئی ہے۔ وہ پیش کی جائیں گے۔ فی جزو فتاوی عالمگیری رہ کا -/5 روپیہ کمیشن کاٹ کر ممبران و تاجروں کو پچاس فیصدی کمیشن کاٹ کر 2/50 روپیہ علاوہ محصولڈاک کے دیا جائے گا۔ وی، پی -/4 روپیہ مع محصولڈاک کے جاویگی دو پاروں کی وی، پی -/7 روپیہ تین -/10 روپیہ چار جزو کی -/13 روپیہ اور پانچ جزو کی 15/50 روپیہ غیر مجلد کی قیمت اور مجلد دس پاروں کی -/31 روپیہ مع محصول ڈاک کے بھیجی جاوے گی،

toobaafoundation.com

نواں پارہ

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

شعیبؑ کی قوم کے سرکش لوگوں نے کہا شعیب! ہم تم کو اور تمہارے ساتھی مسلمانوں کو ضرور اپنی آبادی

مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۝ قَدِ افْتَرَيْنَا

سے نکال دیں گے ورنہ تم ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ شعیبؑ نے کہا اگر ہم (تمہارے مذہب سے) بیزار ہوں تب بھی لوٹ آئیں جب اللہ

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۭ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ

نے تمہارے مذہب سے ہم کو نجات دیدی اس کے بعد بھی اگر تمہارے مذہب میں ہم لوٹ جائیں گے تو اللہ پر دروغ بندی کریں گے اب پروردگار کی مشیت کے بغیر

اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۭ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ عَلَى

ہو نہیں سکتا کہ ہم اس میں لوٹ جائیں ہمارا رب ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے اللہ ہی پر

اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۭ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝

ہم بھروسہ رکھتے ہیں اے ہمارے رب ہمارا اور ہماری قوم کا سچائی کے ساتھ فیصلہ کردے تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے

تفسیر حضرت شعیب پر جو لوگ ایمان لائے تھے اُن میں زیادہ حصّہ غریبوں کا تھا، اس لئے ایک روز وہاں کے سرداروں نے حضرت شعیب کے وعظ و پند سے تنگ آکر متفق ہو کر حضرت سے کہا کہ "یا تو آپ اپنے متبعین سمیت پھر ہمارے مذہب و طریقے کو اختیار کریں ورنہ ہمارے شہر سے نکل جائیں"۔ گویا وعظ و نصیحت کے صلہ میں انھوں نے حضرت شعیب کو جلاوطن کرنا چاہا یا تبدیل مذہب پر مجبور کیا۔ یہ کافروں کی انتہائی گمراہی اور کور باطنی تھی کہ بجائے وعظ و نصیحت سے اثر قبول کرنے اور اعمال کو درست کرنے کے اُلٹے ناصح کو تبدیل مذہب یا جلاوطن پر مجبور کرنے لگے۔ حضرت شعیب نے فرمایا "ہم کو اس مذہب سے قطعی نفرت ہو چکی۔ اب کیا باوجود اس قدر نفرت کے ہم پھر تمہارے مذہب کو اختیار کرلیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو یہ خدا پر دیدہ و دانستہ افترا ہوگا۔ باطل کو باطل سمجھتے ہوئے اختیار کرنا اور حق سے واقف ہو جانے کے بعد ترک کرنا خدا پر دروغ بافی ہے، کیوں کہ آدمی کسی عقیدہ کو اسی وقت اختیار کرتا ہے جب خدا کی طرف سے اس کی حقانیت سمجھ لیتا ہے اور جب باطل کو باطل جاننے کے باوجود اختیار کیا۔ تو گویا اُس کو خدا کی طرف سے سمجھا اور یہ صریح افترا و کذب ہے۔ ہاں اگر تقدیر میں یوں ہی لکھا ہو اور بفرضِ محال خدا ہی کی یہ مشیت ہو تو اُس کا کچھ کہنا نہیں، جو خدا کی مرضی ہوگی وہی ہوگا، مگر وہ ہر بات کا علم رکھتا ہے۔ اُسی پر ہمارا بھروسہ ہے، اُمید ہے کہ وہ ہم کو ملّتِ کافرہ میں داخل نہ فرمائے گا"۔ اس کے بعد حضرت شعیب نے اللہ سے دُعا کی کہ "بارِ الٰہا ہم میں اور ہماری قوم میں حقانیت و بطلان کا فیصلہ کردے۔ یہ بھی عذاب کے خواستگار ہیں"۔

toobaafoundation.com

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ شبہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت شعیب کبھی ملتِ کافرہ میں داخل ہی نہ تھے، کبھی آپ سے کفر سرزد ہوا ہی نہ تھا اور نہ اُن کی طرح بدکاریاں آپ سے سرزد ہوئی تھیں کیوں کہ انبیاء بہ عقائد اہلسنت کفر و عصیاں سے ہمیشہ سے معصوم ہوتے ہیں نہ قبل از نبوت وہ کفر و معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں نہ بعد از نبوت۔ پھر کس طرح کافروں نے حضرت شعیب کے متعلق یہ الفاظ کہے کہ "آپ ہمارے مذہب میں لوٹ آئیں ورنہ شہر بدر کردیں گے"۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ کافروں نے مومنوں کی جماعت کے متعلق یہ الفاظ کہے تھے چوں کہ اہلِ ایمان بھی پہلے کافر تھے اور انھیں کے مذہب پر تھے، اس لئے ان کو یہ الفاظ کہنے کی جرأت ہوئی۔ رہا حضرت شعیب سے خطاب تو یہ تغلیباً ہے چوں کہ جماعت اہلِ ایمان میں حضرت شعیب بھی داخل تھے اور اہلِ ایمان عموماً پہلے کافر رہ چکے تھے، اس لئے صرف حضرت شعیب باقی رہتے تھے اُن کو دیگر مومنوں کے حکم میں داخل کرلیا گیا۔

مقصودِ بیان انبیاء کو کفر و معاصی سے فطرتاً نفرت ہوتی ہے۔ قوم شعیب کی عقل پر بڑے جہالت کے پردے پڑے تھے کہ خود نصیحت نہ قبول کی بلکہ ہدایت یافتہ طبقے کو بھی گمراہ کرنا چاہا اور ناصح سے درخواست کی تم بھی ہم میں مل جاؤ۔ حضرت شعیب نے فرمایا تھا کہ خدا نے ہم کو تمہارے مذہب سے نجات دی۔ یہ قول اپنی جماعت کی طرف سے تھا ورنہ شعیب تو اُن کے مذہب میں کبھی داخل ہی نہ تھے۔ کفر بھی اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ وہ جس کو چاہے کافر بنادے وغیرہ۔

وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا

شعیبؑ کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا اگر تم شعیب کے کہنے پر چلوگے تو یقیناً نقصان

لَّخَاسِرُونَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ۝

اٹھانے والے ہوگے بالآخر ان کو زلزلہ نے پکڑلیا اور وہ اپنے گھروں میں زانوؤں کے بل اوندھے گرے رہ گئے

ع ١١ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۛ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا

جن لوگوں نے شعیبؑ کی تکذیب کی تھی معلوم ہوتا کہ وہ اُن گھروں میں (کبھی) رہے ہی نہ تھے جن لوگوں نے شعیبؑ کی تکذیب کی تھی

كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ ۝

وہی نقصان اُٹھانے والے رہے

تفسیر غرض یہ کہ کافروں نے نہ خود حضرت شعیب کی نصیحت مانی نہ دوسروں کو ماننے دی۔ خود بھی گمراہ ہوئے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک زلزلہ آیا اور سب کے سب گھروں کے اندر مرے رہ گئے۔ قرآن میں قوم شعیب کے عذاب کی مختلف صورتیں بتائی گئی ہیں۔ سورۂ شعراء میں یوم الظلّۃ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ یہاں رجفہ کا لفظ ذکر کیا۔ ایک اور جگہ صیحۃ کا لفظ بولا۔ بظاہر اختلاف بیان معلوم ہوتا ہے لیکن واقع میں کوئی اختلاف نہیں۔ کیوں کہ تینوں طرح کا عذاب اُن پر مسلط کیا گیا تھا۔ ایک ابر اٹھا تھا جس میں آگ لپٹ التہاب اور دھواں تھا۔ پھر آسمان سے سخت آواز اور زمین میں سخت زلزلہ آیا۔ جس سے گھٹ کر سب کی جان نکل گئی۔ تفسیر سراج میں ابن عباسؓ کی روایت مذکور ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ نے اُن پر جہنم کا ایک دروازہ کھول دیا تھا۔ جس کی گرمی اور حبس دم سے تنگ آکر وہ

toobaafoundation.com

لوگ تہ خانوں میں گھسے، لیکن وہاں باہر سے بھی زیادہ گرمی تھی تو تنگ آکر جنگل کو نکل گئے۔ وہاں ایک ابر آیا جس میں سے ابتداءً ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آئے۔ سب لوگ اُس کے نیچے جمع ہو گئے یہاں تک کہ بچے اور عورتیں بھی آکر اکٹھی ہو گئیں، جب سب جمع ہو گئے تو ابر میں سے شعلے نکلنے شروع ہوئے اور زمین میں سخت زلزلہ آیا اور زلزلے میں گرج پیدا ہوئی جس سے سب جل کر خاک ہو گئے، مگر یہ روایت اوّل تو پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی دوسرے نص قرآنی کے بھی خلاف ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں مر کر رہ گئے اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگل میں جا کر مرے۔ صحیح تاویل یہ ہے کہ جب اُس قوم کے دن پورے ہو گئے تو بحکم خدا قریب کے پہاڑوں سے ایک دُھواں اُٹھا اور زمین میں جو بخارات گھُٹ گئے اُن سے زلزلہ برپا ہوا اور زمین میں زلزلے کی گرج بھی ہوئی۔ اُوپر سے دھوئیں کا ابر آتش بار، نیچے سے زلزلے کی گرج۔ ان سب ہولناک مصائب نے مل کر اُن کا کام تمام کر دیا اور بستیاں ایسی اُجڑ گئیں کہ گویا اُن میں کوئی رہتا ہی نہ تھا۔ اس آتشیں بادل کو ایک شخص عمرو بن جلہم نے دُور سے دیکھا تھا۔ مندرجہ ذیل شعروں میں عمرو بن جلہم نے اسی واقعہ کا تذکرہ کیا ہے۔

یا قوم ان شعیبا مرسل فذروا ۔۔۔ عنکم شمیرا وعمران بن شداد
انی اری غیمۃ یا قوم قد طلعت ۔۔۔ تدعو بصوب علی حنانۃ الوادی
فانہ لن یری فیہا ضحاء غد ۔۔۔ الا الرقیم یمشی بین انجاد

شمیر اور عمران قوم شعیب کی عبادت گاہوں کے دو پجاری تھے اور رقیم کتّے کا نام تھا۔ یہ پجاری لوگوں کو حضرت شعیب کی نصیحت ماننے سے روکتے تھے۔ اس زمانے کا بادشاہ کلمن نامی تھا۔ ابجد، ھوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت اُنہیں کے بادشاہوں کے نام تھے۔ واللہ اعلم وعلمہٗ اتم۔

فَتَوَلّٰى عَنۡهُمۡ وَقَالَ يٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّىۡ وَنَصَحۡتُ لَكُمۡ‌ۚ

اس کے بعد شعیبؑ نے اُن کی طرف سے رُخ پھیر کر کہا اے قوم میں نے تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے اور تمہاری خیر خواہی کی

فَكَيۡفَ اٰسٰى عَلٰى قَوۡمٍ كٰفِرِيۡنَ ۞

پس اب کس طرح کافر قوم پر افسوس کروں

تفسیر جب سب قوم تباہ ہو گئی تو حضرت شعیب اُدھر سے گزرے اور مُنہ موڑ کر فرمایا۔ افسوس! قوم والو میں نے تم کو پیامِ الٰہی پہنچا دیا، تبلیغ حکم اور خالص نصیحت کرنے میں کوئی بات میں نے اُٹھا نہیں رکھی، مگر تم نے مجھے سچا نہ جانا اور میرا حکم نہ مانا اب میں کیوں تمہارا غم کروں۔ تم خود کافر تھے کفر کی سزا اُٹھائی۔

مقصودِ بیان قوم شعیب سخت گمراہ تھی۔ گمراہ کن کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ مُفید کو مضر اور مضر کو مُفید جاننے لگی تھی۔ نبی کی تکذیب کا انجام تباہی ہے۔ ظالموں کی تباہی پر کچھ رنج و اندوہ نہ کرنا چاہیئے۔ سیاق آیات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والوں کے لیے وعید نکلتی ہے کہ اگر وہ کبھی رسولِ برحق کو نہ مانیں گے تو بالآخر تباہ ہوں گے ضمنی طور پر مسلمانوں کو تسلی بھی ہے کہ تم کفار کی ایذا رسانی پر صبر کرو۔ انجام تمہارا ہی اچھا ہوگا۔ قوم شعیب علیہ السلام کو دیکھو کہ کیسی کیسی تکلیفیں مسلمانوں کو دیتی تھی۔ جلاوطن کرنے کی دھمکی دیتی تھی، خالص مومنوں کو کفر کی دعوت دیتی تھی، لیکن انجام کار تباہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہوئی اور حقانیت مسلمانوں کے ہاتھ رہی۔

toobaafoundation.com

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

ہم نے جس بستی میں جو کوئی نبی بھیجا وہاں کے رہنے والوں کو سختی اور تکلیف میں مبتلا کیا تاکہ وہ

يَضَّرَّعُوْنَ ○ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا

(اب بھی) عاجزی کریں پھر ہم نے بدحالی کو خوش حالی سے بدل دیا یہاں تک کہ وہ بڑھ (چڑھ) گئے اور کہنے لگے

قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○

کہ ہمارے باپ دادا کو بھی تکلیف و آرام پہنچ چکا ہے بالآخر ہم نے اچانک اُن کی بے خبری کی حالت میں اُن کو دھر پکڑا

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ

اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگاری کرتے تو ہم اُن پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے

وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○

کھول دیتے مگر انھوں نے تکذیب کی تو ان کے کرتوت کی پاداش میں ہم نے اُن کو دھر پکڑا

تفسیر کفار مکہ قحط کی بلا میں گرفتار ہوئے تو کہنے لگے کہ "یہ قحط اس وجہ سے نہیں ہے کہ ہم گناہ گار ہیں۔ بلکہ ہمیشہ ہمارے باپ دادا کے وقت اور اُن سے بھی پہلے ایسے اتفاقات ہوتے رہے ہیں۔ یہ تو انقلاب زمانہ ہے، کبھی فراخی خوشی صحت اور کبھی تنگدستی رنج، مرض ہوتا رہتا ہے۔ سو ہم اپنا دین نہ چھوڑیں گے۔" ان کا حال ظاہر کرنے کو یہ آیت نازل ہوئی۔

مذکورہ شانِ نزول کے علاوہ کفار عرب کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ منکرین انبیاء پر عذاب الٰہی شاید انھیں دو چار مواضع میں واقع ہوا ہے۔ دوسری جگہ کہیں ایسی بات نہیں ہوئی۔ جب ہر ممکن پر ہر جگہ عذاب نازل نہیں ہوا تو اب کیا ضرور ہے کہ مکہ اور عرب کے منکروں پر نازل ہو جائے۔ اس خیال کو دفع کرنے کے لئے فرماتا ہے کہ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ ... يَشْعُرُوْنَ تک ان مذکورہ بستیوں پر ہی فقط عذاب نازل نہیں ہوا بلکہ یہ عام ضابطۂ قدرت ہے کہ جہاں کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا گیا وہاں کے باشندوں کو اولاً تکلیف و مصائب میں مبتلا کیا گیا۔ قحط، وبا، بے امنی، حکام کا ظلم، افلاس وغیرہ مصائب اُن پر نازل کیے گئے تاکہ تکلیف کا احساس کر کے وہ خدا کی طرف رجوع کریں اور اپنے گناہوں سے تائب ہوں، لیکن جب مبتلائے مصائب ہونے کے باوجود انھوں نے اپنی سرکشی نہ چھوڑی تو پھر مصیبت کی بجائے راحت، تنگدستی کی بجائے فراخی، قحط کی بجائے ارزانی، بیماری کی بجائے تندرستی اور بے امنی کی بجائے امن عطا کی گئی تاکہ پہلی مصیبت کو یاد کر کے وہ موجودہ راحت کا شکریہ ادا کریں اور منعم کے انعام کا احسان مانیں اور خدا کی طرف رجوع کریں، لیکن اس پر بھی اگر وہ اپنی چیرہ دستیوں سے باز نہیں آئے اور کہنے لگے کہ یہ راحت و تکلیف کچھ انبیاء کی فرمانبرداری اور نافرمانی پر موقوف نہیں بلکہ یہ زمانے کا دستور ہے یوں ہی ہوتا چلا آیا ہے کبھی ارزانی ہوتی ہے، کبھی کال، کبھی مرض، کبھی تندرستی، کبھی راحت کبھی تکلیف۔ ہمارے اسلاف کو بھی یہ واقعات پیش آتے رہے ہیں، جب یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور اصلاح حالت کا امکان بھی نہیں رہتا تو پھر یکایک خدا تعالیٰ سخت گرفت کرتا ہے اور بے خبری کی حالت میں اُن کو غارت کر دیتا ہے۔ یہ ضابطۂ قدرت ہے۔ کچھ نوح،

toobaafoundation.com

لوطؑ، شعیبؑ وغیرہم کی قوموں پر ہی منحصر نہیں ہے۔ لہٰذا کفارِ مکہ کو بھی مطمئن نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ واقعات سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے۔

اس زمانے کے نیم تعلیم یافتہ بے دین بھی ایسا خیال رکھتے ہیں اور کامیابی و ناکامی کو اپنی کوششوں کا نتیجہ قطعی سمجھتے ہوئے قدرتِ الٰہی کا انکار کرتے ہیں اور اپنے قول کے ثبوت میں اُن ممالک کی حالت کو پیش کرتے ہیں جہاں باوجود ہر قسم کی بدکاری و بداخلاقی کے طرح طرح کا عیش و عشرت، رفاہیت و آسائش، دولت و نعمت حکومت و تسلط میسّر ہے۔ نہ وہاں کوئی خدا کو ماننے والا ہے نہ رسول کو۔ نہ حق کو حق اور باطل کو باطل کہنے والا ہے۔ نہ انبیاء کی لائی ہوئی ہدایت پر عمل کرنے والا۔ بلکہ قوانین الٰہی کا عمومی مذاق اُڑانے والے اور احکامِ انبیاءؑ کی توہین کرنے والے عام طور پر پائے جاتے ہیں، مگر یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ (بر قول مولانا عبدالحق حقانی) جب یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ اس جہان کا کوئی بنانے والا بھی ہے۔ جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور پھر وہ معطل اور عاجز بھی نہیں ہو گیا ہے بلکہ تمام عالم کی چیزیں اُسی کی طرف مستند ہیں تو پھر کس طرح کوئی کوتاہ نظر آدمی یہ خیال کر سکتا ہے کہ تصرفاتِ عالم کے حقیقی اسباب یہی اسبابِ ظاہرہ ہیں اور ان اسباب کا کوئی مسبب نہیں ہے بلکہ ایک سلسلہ یوں ہی جاری ہے نہ ان کے اندر کوئی حکمت و مصلحت مضمر ہے نہ دانش و بصیرت۔ اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ اس عالم کا ضرور کوئی صانع اور کارکن ہے، جو بندوں کے افعال ناشائستہ سے ناخوش اور شائستہ سے خوش ہوتا ہے۔ حق و باطل اور اچھائی برائی ضرور عالم میں جُدا جُدا چیزیں ہیں۔ ایسی صورت میں انبیاء کو ہدایت کے لئے بھیجنا کون تعجب کی بات ہے۔ انبیاء کے نافرمانوں پر عذاب کا نازل کرنا یقینی امر ہے۔ نزولِ عذاب عموماً معمولی عادی اسباب کے تحت ہوتا ہے جیسے زلزلہ، سیلاب یا آندھی یا بجلی کی کڑک یا زمین کا دھنس جانا یا زمین پھٹ کر لوگوں کا اس میں غرق ہو جانا یا پہاڑوں سے آتشیں مادّہ کا رواں ہو کر بہنا اور اس سے شہروں یا ملکوں کا غارت ہونا یا قحط شدید ہونا یا کالرا، پلیگ اور دیگر وبائی بخاروں کا پھیل کر بستیوں کو تباہ کر دینا یا کسی سفاک قوم کا مسلط ہو کر کسی شہر کو بمباری اور زہریلے گیسوں سے ہلاک کر دینا۔ کیا اخبار پڑھنے والے نہیں دیکھتے کہ جاپان میں زلزلے سے کتنی تباہ کاریاں ہوتی ہیں۔ یورپ میں طوفان بادوباراں کس قدر آتا ہے۔ مغربی ممالک میں وبائی بخارات کس قدر پھیلتے ہیں۔ اٹلی نے کس طرح حبش کو برباد کر دیا۔ میڈرڈ پر دہیں کے رہنے والوں نے ایک ایک گھنٹے میں بارہ بارہ سَو کی تعداد میں بم برسائے۔ یہ سب عذابِ الٰہی کی مختلف شکلیں نہیں تو اور کیا ہے؟ جن کی آنکھوں پر اور بصیرت پر غطاءِ عظیم ہے وہ صرف ترقی کو دیکھتے ہیں۔ پھیلے ہوئے وبال اور عمومی تباہی کو نہیں دیکھتے نہیں غور کرتے کہ بڑی بڑی مہذب لامہذب سلطنتوں میں انبیاء کی تعلیم پر نہ چلنے کی وجہ سے کس قدر بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ ہزاروں پونڈ ماہوار آمدنی کے باوجود نہ عافیت کی زندگی میسّر ہے نہ سکونِ خاطر۔ اضطراب و بے چینی کی ایک لہر ہے جس نے ہر کہ و مہ کو پریشان و پراگندہ خاطر کر رکھا ہے۔ جا بجا ہسپتال کھلے ہوئے ہیں، لیکن متعدی امراض کی اس قدر کثرت ہے کہ الامان۔ جمہوری بھوت ہر شخص کے سر پر سوار ہے اور ہر آدمی کی زندگی بڑے نام آزاد اور باطن میں محض کرائے کی زندگی ہو کر رہ گئی ہے۔ درحقیقت ہر تباہی خواہ کسی ملک کی ہو نافرمانی اور سرکشی کی پاداش میں ہوتی ہے خواہ ظاہری اسباب کے تحت ہو یا باطنی اسباب کے ذریعہ سے ہو۔ ہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ کسی کی گرفت جلد ہو جاتی ہے اور کسی کی دیر میں ہوتی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی مصلحت و حکمت ہے، کبھی وہ جلد پکڑ لیتا ہے اور کبھی ڈھیل دیتا رہتا ہے اور جب سرکشی حد سے گذر جاتی ہے تو پھر یک دم وہ پکڑ لیتا ہے، کوئی نہ کوئی بلا دفعتاً آجاتی ہے اور افراد و اقوام کی تباہی کا موجب ہوتی ہے اور اچھے اچھے مبصروں کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ یہ بربادی کس طرح اور کیوں ہوئی؟ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝ اسی طرح اشارہ ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝ کائنات کا ہر واقعہ ہر چیز اور ہر فرد دو سبب کا مرہون ہے۔ ایک فاعلی دوسرا مادی۔ فاعلی اسباب تو عالم بالا کی تاثیرات ہیں جو زمین پر پہنچتی ہیں۔ آفتاب کی گرمی ماہتاب کی رطوبت و خشکی علیٰ ہذا ہر ستارہ کی ایک خاص تاثیر ہے اور مادی اسباب زمین کے یہی عناصر ہیں، جب اسبابِ فاعلی کی تاثیریں اُن پر پڑتی ہیں اور یہ حسبِ استعداد اُن کو قبول کرتے ہیں تو عناصر کی ترکیب سے نباتات، جمادات، حیوانات

toobaafoundation.com

سے آیا اور اُن کے گناہوں کی سزا کس طرح اُن کو ملی۔ اللہ کی تدبیر بہت ہی دقیق ہے۔ تمام ظاہری اسباب یوں ہی رکھے رہ جاتے ہیں اور موافق امور سے ناموافقت پیدا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا خدا کے داؤں سے کسی نڈر اور غافل نہ ہونا چاہیئے۔ جس نے بے باکی اختیار کی وہی تباہ ہوا۔ جس طرح گزشتہ قومیں بادۂ غفلت سے سرمست تھیں اور یکایک راتوں رات اُن پر عذاب آگیا یا اچھے خاصے دن میں شاہدِ عشرت سے ہمکنار تھے اور عقوبت الٰہی نے اُن کو آگھیرا۔

مقصودِ بیان گزشتہ اقوام کی بدبستی اور اس کی سزا کا بیان اُمتِ محمدیہ کے کافروں کو تنبیہہ اور تخویف کہ تم بھی اگر یوں ہی بادۂ نخوت و سرکشی سے سرشار ہو گے تو تم کو بھی یوں ہی تباہ کر دیا جائے گا۔

اس بات کی طرف اشارہ کہ اللہ کے عذاب کے راستے انسانی نظر سے بہت مخفی ہیں، اس لیئے کسی کو مطمئن و بے باک نہ ہونا چاہیئے بلکہ انتقامِ خداوندی سے ڈرتے ہوئے ہر وقت توبہ کرنا چاہیئے وغیرہ۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ

کیا جو لوگ کسی زمین کے مالک وہاں کے رہنے والوں کے بعد ہوتے ہیں اُن کو اس سے بھی ہدایت نہیں ہوتی کہ اگر ہم

اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ○

چاہیں تو ان کو بھی اُن کے گناہوں پر پکڑ لیں (اصل یہ ہے کہ) ہم اُن کے دلوں پر مُہر لگا دیتے ہیں اس لئے وہ سنتے ہی نہیں

تفسیر یہاں تک اہلِ کفر منکرین کے قصص اور ان پر عذاب نازل ہونے کی کیفیات کا بیان تھا اور پھر یہ بھی ظاہر کر دیا تھا کہ فقط مذکورہ اقوام پر ہی منحصر نہیں بلکہ یہ ضابطۂ قدرت ہے کہ جہاں کہیں انبیاء آئے وہاں کے لوگوں کی آزمائش ہوئی، دُکھ سُکھ کی مختلف حالتیں پیدا ہوئیں اور اخیر میں منکرین کو برباد کر دیا گیا۔ اب یہاں کل واقعاتِ مذکورہ کا اصل مقصد اور نتیجہ ظاہر فرماتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تباہ شدہ بستیوں میں ہلاک ہو جانے والی کافر قوموں کے بعد جو لوگ رہتے سہتے ہیں اُن کو تو اپنے گزشتہ اسلاف کے حالات سُن کر اور اپنی بستیاں دیکھ کر ضرور عبرت پکڑنی چاہیئے اور پچھلے واقعات یاد کر کے نصیحت حاصل کرنی چاہیئے کہ یہ وہی بستیاں ہیں جن کے باشندے کفر و معاصی کی سزائیں بیخ و بن سے نابود ہو چکے۔ اب ہم کو خدا نے اُن کا جانشین بنایا ہے اُن کی زمینیں اور مکانات ہمارے قبضے میں دے دیئے ہیں۔ اگر ہم کفور کریں گے تو انھیں کی طرح برباد ہو جائیں گے۔ اس کے بعد فرماتا ہے:۔ ان کافروں کے دلوں پر ان کی سنگ دلی کے سبب اللہ نے مہر کر دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سُنی ان سُنی برابر کر دیتے ہیں گو بظاہر سُنتے ہیں مگر سننے کا کوئی اثر ان پر نہیں ہوتا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کچھ سُنا ہی نہیں۔

مقصودِ بیان سرکشوں کو ترہیب و تنبیہہ۔ گزشتہ واقعات سے عبرت حاصل کرنے کی ترغیب اس امر کی طرف ضمنی صراحت کہ ہم نے سرکشوں کو تباہ کر کے موجود بستیوں کو موجودہ انسانوں سے آباد کیا اور اُن کی زمینیں ان کے قبضہ میں دے دیں۔ اس بات کی طرف معنی خیز اشارہ کہ ہماری نظر میں معنی خیز اشارہ کہ ہماری نظر میں گزشتہ اور موجودہ سب برابر ہیں۔ نہ اُن سے ذاتی عداوت نہ ان سے ذاتی خصوصیت۔ انھوں نے جیسا کیا ویسا بھرا یہ جیسا کریں گے ویسا پائیں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ گزشتہ اقوام کا جو فعل ناپسند تھا وہی فعل ان کا قابلِ استحسان ہو جائے۔

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ

یہ بستیاں ہیں جن کی خبریں (اے محمد) ہم تم سے بیان کر رہے ہیں اُن کے پاس اُن کے پیغمبر معجزات لے کر پہنچے

فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ

مگر جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے پھر اس پر وہ ایمان لانے والے نہ تھے اسی طرح کافروں کے دلوں پر اللہ مہر لگا دیتا

الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ۝

ہے ہم نے ان میں سے اکثر کا نباہ نہیں پایا بلکہ اکثر کو نافرمان ہی پایا

تفسیر جب کفارِ مکہ اور منکرینِ عرب کا کفر و انکار بڑھتا گیا اور حضور اقدسؐ کی خاطرِ عاطر کو ملال پہنچا تو تسلی کے لئے یہ آیت اُتری کہ ہمیشہ ہر نبی کے ساتھ کافر ایسا ہی کرتے رہے ہیں کچھ تمہاری خصوصیت نہیں ہے۔ موسیٰ کا قصہ دیکھو کہ فرعون نے کیا جواب دیا اور کیسا برتاؤ کیا۔
حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ عاد و ثمود اور قومِ لوط و شعیبؑ کی بستیاں اور اجڑے ہوئے کھنڈر تمہارے سامنے ہیں۔ سفرِ تجارت میں آتے جاتے تمہارے سامنے پڑتے ہیں۔ انھیں کے یہ واقعات ہیں ان کے پاس ہمارے رسول معجزات اور قوانینِ ہدایت لے کر گئے، مگر انھوں نے نہ مانا رسولوں نے خوب سمجھایا، معجزات دکھائے مگر انھوں نے جس بات کا انکار کر دیا تھا اُس کا انکار ہی کرتے رہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ نے اُن کے دلوں پر گمراہی کی مہر کر دی تھی یعنی اُن کی جہالت ناقابلِ اصلاح ہو چکی تھی۔ زنگ اس قدر چڑھ گیا تھا کہ اصل جوہر کھو گیا تھا۔ ازلی عہد کو انھوں نے چھوڑ دیا تھا۔ فطری معاہدے کو بھول چکے تھے۔ اُن میں سے اکثر بدکار تھے۔ ہدایت سے خارج تھے۔

مقصودِ بیان رسولِ پاکؐ کو تسلی اور کفار کے انکار سے دل شکن نہ ہونے کی ضمنی ہدایت۔ اس امر کی طرف ایماء کہ جس کی رُوح فرسودہ ہو گئی۔ معمولی پردہ و غطاء سے آگے بڑھ کر عقل پر کامل جہالت و گمراہی چھا گئی ہو اور نورِ بصیرت ضلالت کے زنگ سے فرسودہ ہو گیا ہو اور دل پر مہر لگ گئی ہو اُس کا راہِ راست پر آنا اور انبیاء و رُسل کی تعلیم سے فیضیاب ہونا ناممکن ہے۔ سب سے پہلے انسان کو نورِ فطرت سے دل کو روشن کرنا اور عہدِ سرشتی کا پابند ہونا چاہیئے۔ جو عہدِ ازل کے پابند ہیں اُن کو تعلیمِ الٰہی مفید ہوتی ہے اور جن کا نورِ جبلت مُردہ ہو چکا وہ دائرۂ ہدایت سے ہمیشہ خارج ہوتے ہیں۔ وغیرہ۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ

پھر اُن کے بعد ہم نے موسیٰ کو (اپنی قدرت کی) نشانیاں دے کر فرعون کے اور اس کی قوم کے پاس بھیجا مگر انھوں نے نشانہائے قدرت کی

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

حق تلفی کی پس دیکھ لو مفسدوں کا انجام کیا ہوا

تفسیر یہ چھٹا قصہ حضرت موسیٰ اور فرعون کا ہے۔ آیت کا مطلب بالکل واضح ہے۔ رسول اللہؐ کی تسکینِ خاطر کے لئے اور کافروں کو عبرت دلانے کے لئے پورا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ دیکھو موسیٰ کو جب حکمِ تبلیغ ہوا اور معجزات دے کر فرعون اور اس کی

toobaafoundation.com

قوم کے سرداروں کے پاس بھیجا گیا تو انھوں نے بجائے ماننے کے صحیح معجزات کو جادو کہہ دیا تکذیب کی اور انتہائی بے ادبی کی پھر نتیجہ کیا ہوا؟ وہی جو مفسدوں کا ہوتا ہے۔ تباہی، بربادی، خسران مآلی اور خرابی۔ لہٰذا آپ کو بھی ان کی ہٹ اور انکار سے شکستہ دل نہ ہونا چاہیئے۔ نتیجہ کے منتظر رہیئے۔ کامیابی بالآخر اہلِ ایمان ہی کو ہوگی۔ اس جگہ باری تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ تفصیل سے ذکر کیا ہے اور چونکہ اس قصہ میں مصر، حکامِ مصر اور بنی اسرائیل کا تذکرہ آیا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر آیات سے پہلے فرعون، موسیٰ، مصر بنی اسرائیل وغیرہ کی تاریخ اجمال کے ساتھ لکھ دی جائے تاکہ واقعات منظم طور پر سمجھ میں آسکیں۔ تاریخی تحقیق کے بعد ہم بنی اسرائیل اور فرعون کے قصہ پر بھی کسی قدر روشنی ڈالتے جائیں گے۔

(۱) حضرت شعیبؑ کا دورِ نبوت ختم ہوا تو خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو نبی بنا کر بھیجا۔ لفظ موسیٰؑ کی وجہ تسمیہ میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قبطی زبان میں مُو کے معنی پانی اور سا کے معنی درخت تھے۔ چونکہ حضرت موسیٰؑ پانی اور درختوں کے درمیان ڈال دیئے گئے یا پائے گئے تھے اس واسطے موسیٰ نام ہوا۔ آپ حضرت ہارون کے حقیقی بھائی تھے۔ یہ دونوں صاحبزادے عمران اسرائیلی کے تھے۔ حضرت موسیٰ کی عمر ۱۲۰ برس کی ہوئی۔ آپ کے اور حضرت یوسف کے درمیان چار سو برس کا فصل تھا اور حضرت موسیٰ سے حضرت ابراہیم سات سو برس پہلے گذرے ہیں۔ حضرت موسیٰ کی والدہ اور فرعون کی بیوی آسیہ حقیقی بہنیں تھیں۔ فرعون کے کوئی اولاد نہ تھی اور جب حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تو اُس سال بنی اسرائیل کے نرینہ بچوں کا بازارِ قتل بہ حکم فرعون گرم تھا۔ بنی اسرائیل کا کوئی نوزائیدہ نرینہ بچہ زندہ نہ چھوڑا جاتا تھا۔ جس طرح آئندہ تفصیل سے آئے گا، اس لئے فرعون کے خوف سے حضرت موسیٰ کی والدہ نے آپ کو ایک صندوق میں رکھ کر نیل میں ڈال دیا تھا۔ نیل کی ایک شاخ شاہی محل میں ہو کر نکلتی تھی۔ صندوق بہتا ہوا شاہی قصر کے اندر آگیا۔ فرعون کی بیوی نے جو درحقیقت موسیٰ کی خالہ تھیں، صندوق پانی سے نکلوایا اس میں ایک بچہ ملا۔ شدہ شدہ فرعون کو خبر ملی۔ اُس کی تو کوئی نرینہ اولاد نہ تھی، اس لئے اپنی بیوی کی رائے کے اتفاق سے موسیٰ کو بیٹا اور ولی عہدِ سلطنت بنا لیا گیا اور موسیٰ کو دودھ پلانے کے لئے حضرت موسیٰ کی والدہ کو مقرر کیا گیا۔ ممکن ہے حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے آسیہ کے مشورے سے یہ تدبیر کی ہو۔

(۲) فرعون کو بعض لوگ عربی لفظ کہتے ہیں اور تفرعن سے مشتق قرار دیتے ہیں۔ اس تقدیر پر فرعون بمعنی متکبر ہوگا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ لفظ اصل میں فِرْدُہ تھا۔ قدیم مصری زبان میں فردہ کے معنی تھے شاہنشاہِ اعظم۔ اہلِ عرب نے اس کو معرب کر کے فرعون بنا لیا۔ مجاہد کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون فارسی تھا۔

بہرحال فرعون کسی مخصوص بادشاہ کا نام نہیں تھا بلکہ شاہانِ مصر کا لقب تھا۔ ہر بادشاہ کو فرعون کہتے تھے۔ (ابن جریر)

فراعنہ مصر درحقیقت مصر بن حام بن نوح کی نسل سے تھے۔ حکامِ مصر کے پانچ دور گزرے۔ پانچویں دور میں آکر حکومتِ مصر مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ اول دورِ فراعنہ کی حکومت کا زمانہ بہت طویل ہے۔ اکثر مورخین نے ۱۶۲۲ برس ان کا عہدِ حکومت بتایا ہے۔ ان کا آخری بادشاہ سمنی توس تھا جس کو کمبیس (کے خسرو) شاہِ ایران نے حضرت عیسیٰؑ سے ۵۲۰ برس پہلے قتل کر کے اُس کے تمام خاندان کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا اور حکومتِ مصر پر ایرانیوں کا تسلط ہو گیا۔ انہی فراعنہ میں حضرت موسیٰ کے زمانہ کا فرعون بھی تھا جس کا نام برقول مورخینِ اسلام ولید بن مصعب بن ریان یا ابوالعباس بن ولید بن مصعب تھا اور یونانی تاریخوں میں اُمنوفیس دوم کہا گیا ہے۔ یہ حضرت عیسیٰؑ سے ۱۴۹۲ برس پہلے تھا اور بحر احمر یعنی قلزم میں اپنی فوج سمیت غرق ہوا۔ اس کے بعد مصر میں خاندانِ فراعنہ میں دوسرا بادشاہ ہوا اور قبطیوں کی ہی سلطنت قائم رہی۔ حضرت موسیٰؑ جب بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے تو پھر لوٹ کر نہ آئے اور نہ بنی اسرائیل کی سلطنت مصر میں ہوئی۔ دوسرا دور ایرانیوں کی حکومت سے لے کر سکندر اعظم تک ۱۹۴ برس قائم رہا۔ تیسرا دور بطلیموسیوں کا ہے جن کی ابتدا سکندر اعظم سے ہوئی اور انتہا ۳۰ سال قبل المسیح پر ہوئی۔ چوتھا دور رومیوں کا ہے جو ۳۰ سال قبل مسیح سے لے کر ۶۴۰ء تک رہا۔ اس کے بعد یعنی ۲۰ھ میں حکومتِ مصر اہلِ اسلام کے ہاتھ آئی اور ۱۸۱۹ء تک ترکوں کا تسلط مصر پر رہا۔ پھر برطانیہ کا تسلط ہو گیا اور حکومت انتدابیہ قائم ہو گئی۔ لیکن اس سال اللہ پاک کی مدد اور مصریوں کی قربانیوں کی وجہ سے مصر کی حکومت

toobaafoundation.com

پھر آزاد ہوگئی اور شاہ فاروق مستقل بادشاہ تسلیم کرلئے گئے۔ انتداب ختم ہوگیا اور خارجی و داخلی آزادی مصریوں کو نصیب ہوگئی۔

(۳) فرعون کے زمانے کا شہر مصر یہ نہیں ہے جس کو آج کل قاہرہ (مصر) کہا جاتا ہے بلکہ دریائے نیل کے پورب اور پچھم میں ایک شہر تھا۔ جس کو ہامون نو یا نوامون نے اپنے دیوتا کے نام پر آباد کیا تھا۔ چونکہ اس ملک میں مصر بن حام بن نوح کی نسل آباد تھی اس لئے اس ملک کو ہی مصر کہہ دیا۔ اس شہر کے سات پھاٹک اور دو ہزار مستحکم قلعے تھے۔ اس کے غربی حصہ میں برج اور بادشاہی محلوں کے نشان اور بڑے پتھروں کے لمبے ستون جن کا طول ۲۰ گز اور قطر ۳ گز ہے اور ایک صحن میں بادشاہ کی ایک سنگ مرمر کی مورتی جس کی بلندی ۲۲ گز اور وزن ۲۴۸۳۹ من ہے ٹوٹے پھوٹے پڑے نظر آتے ہیں۔ ستائیس میل کے دور میں اس کے خرابات مسافروں کو دکھائی دیتے ہیں۔ اس شہر کا مشرقی حصہ بھی بہت بڑا ہے جس میں سینکڑوں بت خانے دکھائی دیتے ہیں۔ فرعون کے محل کے نشان اور ٹوٹے پھوٹے برج اب تک موجود ہیں۔ اسی ایک حصہ کا نام عمیس تھا جہاں سے بنی اسرائیل نے کوچ کیا تھا اور ممفیس بھی اسی کو یا اس کے کسی حصہ کو کہتے تھے اس کو اہل اسلام منف کہتے ہیں۔ یہ شہر اول بخت نصر کے ہاتھوں برباد ہوا پھر کمبیش یا کرش یا کیخسرو نے تباہ کیا۔ پھر جب ۱۸ھ میں عمرو بن عاص نے ہرقل کے قبضہ سے چھینا تو اس کی بربادی اور بڑھ گئی۔ اس کے بعد عمرو بن عاص نے نیل کے شرقی جانب ایک جدید شہر کی بنیاد ڈالی اور اس کا نام فسطاط رکھا۔ خلفائے بنی عباس کے عہد میں یہی فسطاط مصر کا تخت گاہ تھا۔ چنانچہ جب کافور اخشیدی جو مصر کا حکمراں تھا مرگیا تو قیروان (اندلس) سے ابو تمیم معز باللہ اسماعیلیوں کے خلیفہ چہارم نے اپنے سپہ سالار قائد جوہر کو مصر پر روانہ کیا۔ اس نے آکر یہ ملک خلفائے عباسیہ کے قبضہ سے نکال لیا اور فسطاط کو غارت کردیا۔ پھر چند روز کے بعد معز باللہ اسکندریہ کے راستہ سے ۳۶۲ھ میں آکر مصر میں داخل ہوا تو فسطاط کے پاس اس نے شہر قاہرہ کی بنیاد ڈالی۔ پھر جب سلاطین اسماعیلیہ کی حکومت زائل ہوئی اور سلطان صلاح الدین کا قبضہ ہوا تو اس نے فسطاط اور قاہرہ کے ارد گرد آٹھ میل کے دور میں پختہ شہر پناہ بنوادی۔ یہی قاہرہ اب مصر کا دارالسلطنت ہے البتہ شہر پناہ برباد ہوگئی ہے۔

(۴) بنی اسرائیل ملک مصر کے قدیمی باشندے نہ تھے۔ اسرائیل حضرت یعقوبؑ کا لقب تھا۔ حضرت یعقوبؑ کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔ جب حضرت یوسفؑ کے عہد میں حضرت یعقوبؑ مع تمام خاندان اور اہل و عیال کے کنعان سے ملک مصر میں آرہے تو یہاں آپ کی نسل میں بہت برکت ہوئی اور تھوڑے ہی زمانہ میں اسرائیلیوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی اور اس عہد کے مغرور و سفاک بادشاہ کو یہ خوف پیدا ہوا کہ مبادا یہ پردیسی لوگ ہمارے ملک پر قابض ہوجائیں۔ اس لئے ان کو تباہ و ذلیل کرنے کی اس نے ہر ممکن تدبیر کی۔ سخت سے سخت کاموں پر ان کو مامور کرتا اور ذرا سے قصور پر سخت سزائیں دیتا تھا۔ اس کے علاوہ نجومیوں نے بھی اس سے کہہ دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بڑا اقبال مند لڑکا پیدا ہوگا جس سے تیری سلطنت جاتی رہے گی تو اس کو اور بھی اپنی سلطنت کی بقا کی فکر دن رات رہتی تھی۔ اسی بنا پر اس نے ایک عام حکم دے دیا تھا کہ جس اسرائیلی کے ہاں لڑکا پیدا ہو قتل کردیا جائے اور لڑکی ہو تو چھوڑ دی جائے۔ اس سے مقصود بنی اسرائیل کی تذلیل بھی تھی کہ جب لڑکیاں بکثرت ہوں گی اور اسرائیلی لڑکا کوئی موجود نہ ہوگا تو لامحالہ وہ لڑکیاں قبطیوں کے تصرف میں آئیں گی۔ چنانچہ دائیاں اس خدمت پر مامور تھیں۔ بالآخر خدا نے عمران کے گھر میں حضرت موسیٰؑ کو پیدا کیا۔ ان کی والدہ نے ان کو دائیوں سے چھپانے کے لئے ایک تنور میں ڈال دیا۔ تنور خالی تھا اس لئے ایک روز تو حفاظت ہوگئی۔ دوسرے روز مناسب جانا کہ کسی صندوق میں محفوظ طور پر بند کرکے توکل بخدا دریائے نیل میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ وہ صندوق بہتا بہتا دریا سے نکل کر اس شاخ میں آگیا جو فرعون کے محلوں میں سے ہوکر گزرتا تھا۔ فرعون کی بیٹی نے دیکھا تو اٹھا لیا اور اپنی ماں کے پاس لائی۔ ماں نے فرعون سے اجازت لے کر حضرت موسیٰؑ کو فرزندی میں لے لیا اور پرورش کرنا شروع کردیا اور دودھ پلانے پر حضرت موسیٰؑ کی والدہ کو مقرر کیا گیا کیونکہ موسیٰؑ نے کسی اور دائی کا دودھ ہی نہ پیا۔ رفتہ رفتہ موسیٰ جوان ہوگئے اور فرعون کے بیٹے کہلاتے تھے۔ ان کو اتفاقات وہی تھے جو شاہزادوں کو ہوتے ہیں۔ وہی عیش و عشرت اور ناز و تنعم ملا۔ بنی اسرائیل پر جو ظلم ہوتے تھے ان کا بہت سا حصہ حضرت موسیٰ کی سفارش سے موقوف ہوگیا۔ مگر قبطیوں کو اب بھی موسیٰؑ کے نسب میں کوئی شبہ نہ ہوا اور حضرت موسیٰ جو بنی اسرائیل کی رعایت کرتے تھے اس کی وجہ قبطی یہ سمجھے تھے کہ چونکہ موسیٰؑ نے اسرائیلی عورت کا دودھ پیا ہے یہ دودھ کا اثر ہے۔ بہرحال موسیٰ پر کسی کو کوئی شبہ نہ تھا۔ بہرحال موسیٰؑ

toobaafoundation.com

پر کسی کو کوئی شبہ نہ تھا لیکن حضرت موسیٰؑ کی عدل پروری سے ظالم قبطی تنگ آ گئے تھے اور موسیٰ کو مشتبہ نظر سے نہیں بلکہ کینہ کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ لیکن ایک بار آپ منف میں گئے اور وہاں ایک قبطی کو اسرائیلی سے لڑتے دیکھا تو اس کے ایک مکا مارا اور وہ مر گیا۔ اس وقت قبطیوں کو معلوم ہوا کہ موسیٰؑ اسرائیل میں اور وہی شخص ہیں جو قبطی سلطنت کی تخریب کا باعث ہوں گے۔ فرعون کو اس سے پہلے ہی کچھ آثار و علامات سے شبہ ہو گیا تھا اور وہ موقع کی تلاش میں تھا۔ حضرت موسیٰؑ سے فعل قتل سرزد ہو گیا لیکن آپ نے قصداً قتل نہ کیا تھا تاہم پھر بھی پشیمان ہوئے اور افسوس کیا اور فرعون کے ڈر سے جان بچا کر مدین چلے گئے اور حضرت شعیب کی صاحبزادی صفورا سے نکاح کیا۔ بارہ سال وہیں رہے۔ بارہ سال کے بعد لوٹے تو کوہ طور کے حوالی میں نبوت سے سرفراز کئے گئے اور مصر جانے اور فرعون کو سمجھانے کا حکم ہوا۔ حسب الحکم موسیٰؑ مصر آئے اور بمشکل بارگاہِ فرعونی تک رسائی ہوئی۔ اس کے آگے کا قصہ خود آیات میں آتا ہے۔

وَقَالَ مُوسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ حَقِيْقٌ عَلٰٓى

موسیٰ نے کہا اے فرعون میں رب العالمین کا فرستادہ ہوں (میرے لئے) یہی شایاں ہے کہ اللہ پر

اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ

سوائے سچ کے اور کچھ نہ کہوں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلا معجزہ لے کر آیا ہوں لہٰذا تم

مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۝ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ

میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دو فرعون نے کہا اگر تم کوئی معجزہ لائے ہو اور سچے ہو تو

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

اس کو پیش کرو

تفسیر حضرت موسیٰ اور فرعون کے درمیان ایک طویل گفتگو ہوئی جس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ حضرت موسیٰؑ بڑی مشکل سے فرعون کے دربار میں پہنچے۔ ہارون بھی ساتھ تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا اے فرعون خوب سمجھ لے میں اس کا فرستادہ ہوں جو تمام عالم کا موجد و مربی ہے۔ حضرت موسیٰ نے فرعون کا نام لے کر خطاب نہیں کیا بلکہ شاہی لقب سے خطاب کیا۔ کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ فرعون بڑا مغرور و متکبر بادشاہ ہے۔ اگر نام لے کر گفتگو کی گئی تو فوراً مشتعل ہو جائے گا اور نصیحت سے فائدہ حاصل ہونے کی کوئی امید نہ رہے گی پھر ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خدا تعالیٰ نے ہی نرم الفاظ میں گفتگو کرنے کی ہدایت کر دی تھی اور فرمایا تھا فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى اس کے بعد فرعون کی خدائی پر ایک کاری ضرب اس طرح لگائی کہ اللہ کو رب العالمین موجد کل اور مربی خلائق کہا اور اپنے کو اس کا فرستادہ ظاہر کیا۔ اس ضرب کا جو نتیجہ نکلنا تھا وہ نکلا یعنی فرعون نے اپنے دعویٰ خدائی سے ہٹنا گوارہ نہ کیا اور دونوں باتوں کا انکار کر دیا نہ خدا تعالیٰ کے رب العالمین ہونے کا اقرار کیا، نہ موسیٰ کی رسالت کی تصدیق کی تو حضرت موسیٰ نے فرمایا خدا پر بہتان بندی اور دروغ تراشی میرا شیوہ نہیں۔ میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔ اگر مزید ثبوت کی ضرورت ہو تو میرے پاس ثبوت بھی موجود ہے جو اللہ نے مجھے دیا ہے اور جس سے میرے دعویٰ کی وضاحت ہوتی ہے۔ لہٰذا میری معیت میں بنی اسرائیل کو یہاں سے چلے جانے کی اجازت دیدے تاکہ میں ان کو ان کے اصلی وطنی ملک شام کو لے جاؤں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ فرعون کو بنی اسرائیل کی طرف سے جو خطرہ ہے وہ جاتا رہے اور یہ بات واضح ہو جائے

toobaafoundation.com

کہ میں بنی اسرائیل کو صرف پنجۂ ظلم سے رہا کرانے آیا ہوں تیرے ملک اور حکومت کو چھیننا نہیں چاہتا۔
فرعون نے ثبوت اور معجزہ کا لفظ سُنا تو اس کے کان بھی کھڑے ہوئے۔ دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس جرأت کے ساتھ جو یہ شخص کلام کر رہا ہے اور ثبوت پیش کرنے کا مدعی ہے۔ دیکھنا تو چاہیئے وہ کیا ثبوت ہے۔ چنانچہ کہنے لگا اچھا اگر تو سچ کہہ رہا ہے تو لا ثبوت پیش کر تیرے پاس کونسا ایسا ثبوت ہے جو مجھ سے ممکن ہے اور کوئی دوسرا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۚ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ

موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ فوراً ایک نمایاں اژدہا بن گئی اور موسیٰ نے اپنا ہاتھ (بغل سے) نکالا تو وہ

بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۧ ع ۱۳ / ۹ / ۴

دیکھنے والوں کے لئے نورانی ہوگیا

تفسیر حضرت موسیٰ نے دو معجزے دکھائے۔ اوّل تو اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی۔ زمین پر گرتے کے ساتھ ہی وہ لہراتے ہوئے سانپ کی طرح بن گئی۔ اور حاضرین کی طرف سے بڑھی۔ فرعونیوں نے جو یہ کیفیت دیکھی تو ڈر کے مارے بھاگنے لگے۔ حضرت موسیٰؑ نے اس کو پھر پکڑ لیا۔ تو وہ بدستور لاٹھی ہوگئی۔

دوسرا معجزہ یہ تھا کہ آپ نے اپنی بغل میں اپنا ہاتھ داخل کیا اور باہر نکالا تو ہتھیلی پر چھالے کی طرح ایک چیز برآمد ہوئی جس کی چمک بجلی کی چمک سے تیز تھی۔ کوئی اس کو دیکھ نہ سکتا تھا۔ جب حاضرین نے بند کرنے کی درخواست کی تو آپ نے مُٹھی بند کرلی اور روشنی موقوف ہوگئی۔ یہ دونوں معجزے آپ کو وادی قدس میں عطا کئے گئے تھے۔

ثُعْبَان بڑے سانپ یعنی اژدھے کو کہتے ہیں اور مبین سے مراد یہ ہے کہ اُس کے سانپ ہونے میں کوئی شک کسی کو نہ تھا اور ایک آیت میں اس کو جَآنٌّ کہا گیا ہے اور جان چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں لیکن اس سے اختلافِ مفہوم نہیں پیدا ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ جسم میں تو وہ یقیناً اژدھا تھا مگر اژدھا زمین پر پڑا رہتا ہے حرکت نہیں کرسکتا۔ عصائے موسیٰ ایسا اژدھا نہ تھا کہ حرکت نہ کرسکے بلکہ پھرتی اور حرکت کی تیزی میں چھوٹے سانپ کی طرح تھا۔ عصائے موسیٰؑ کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ قتادہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عصا حضرت آدمؑ کا تھا۔ جو کسی فرشتہ نے آدمی کی شکل میں ہو کر حضرت موسیٰؑ کو اُس وقت دے دیا تھا جب آپ مدین جا رہے تھے۔ یہ عصا رات کو شمع کی طرح روشن ہوجاتا تھا اور دن میں معمولی لاٹھیوں کا کام دیتا تھا۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ عصائے موسیٰؑ کا سر دو شاخہ تھا۔ بعض کج فہم کہتے ہیں کہ ثعبان سے واقعی اژدہا مراد نہیں اور نہ ید بیضا کوئی محسوس مرئی چیز تھی بلکہ اژدھے سے مُراد دلیل و حجت ہے۔ چونکہ حضرت موسیٰؑ کے دلائل و براہین قوی و قاہر تھے۔ مخالفوں کے اقوال اور اُن کی کل دلیلیں براہینِ موسیٰ کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہ رکھتی تھیں اور کافروں کے تمام براہین برہانِ موسیٰ سے مغلوب تھے اس لئے حجتِ موسیٰ کو اژدہا کہا گیا جس طرح اژدہا اپنے سامنے کی ہر چیز کو نگل جاتا ہے اسی طرح حضرت موسیٰؑ کی دلیل ہر پیش آنے والی دلیل پر غالب تھی اور چونکہ آپ کی دلیل روشن تھی اس کی حقانیت و صداقت آفتاب کی طرح روشن تھی جس کے مقابلہ کی کسی میں تاب نہ تھی اس لئے اُس کو بیضا کہا گیا۔ لیکن یہ کوتاہ بینی اور دور اندیشی ہے۔ تاویل ضرور دل نشین معلوم ہوتی ہے۔ مگر نصوصِ قرآنیہ اور احادیثِ نبوی اس کے خلاف موجود ہیں جن کی تضعیف یا تغلیط یا تاویل نہیں کی جاسکتی۔ اخبارِ متواترہ اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ لاٹھی واقعی سانپ بن گئی تھی اور یدِ بیضا کا واقعی معجزہ تھا۔ صرف تشبیہ یا تمثیل مقصود نہیں ہے۔ جب انبیاء سے صدورِ معجزات کو صحیح تسلیم کرلیا جائے اور معجزہ کہتے ہی ہیں ایسے فعل کو جو عام طاقتِ انسانی سے خارج ہو تو پھر نوعیتِ معجزہ کو

toobaafoundation.com

شبہ کی نظر سے دیکھنا اور اس میں چون وچرا کرنا عقل کے خلاف ہے۔

مقصودِ بیان انبیاء سے صدور معجزات حق ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی تبلیغ اگرچہ بالذات بنی اسرائیل کے لئے تھی مگر بالتبع فرعون اور قومِ فرعون کے لئے بھی تھی۔ معجزات کا انکار کرنا کفر ہے۔ شرک، کفر اور ظلم سے جب روئے زمین پر تباہی پھیلنے لگتی ہے تو فساد پھیلانے والوں کو تباہ کر دیا جاتا ہے۔ کسی بڑے آدمی کو اگر نصیحت کی جائے تو اس کی ہستی و شان کا لحاظ کرتے ہوئے تہذیب سے کی جائے۔ جس طرح حضرت موسیٰ نے فرعون سے کی۔ جھوٹ بولنا انبیاء کا شیوہ نہیں۔ کوئی نبی جھوٹ نہیں بولتا۔ انبیاء کو تبلیغِ رسالت سے مقصود دنیوی حکومت اور سلطنت نہیں ہوتی بلکہ توحیدِ الٰہی کو، عدل کو قائم کرنا اور مظلوم کو ظالم کے پنجہ سے رہا کرانا مقصود ہوتا ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ کا مقصود صرف یہ تھا کہ اللہ کی وحدانیت و الوہیت تسلیم کرا دیں، شرک کو مٹا دیں اور بنی اسرائیل کو ظالموں کے پنجہ سے چھڑا کر شام کو لے جائیں۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۙ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ

فرعون کی قوم کے سردار بولے یہ بڑا جاننے والا جادوگر ہے تم کو تمہارے ملک سے نکال

مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي

دینا چاہتا ہے اب اس کے حق میں تم کیا رائے دیتے ہو؟ (حاضرین فرعون سے) بولے اس کو اور اس کے بھائی کو مہلت دیجئے اور

الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۙ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ۝

شہروں میں سپاہی بھیج دیجئے تاکہ تمام جاننے والے جادوگروں کو تمہارے پاس لے آویں

تفسیر ہر زمانہ میں جس فن کا زیادہ زور ہوا اللہ نے اسی قسم کا معجزہ دے کر اپنے پیغمبروں کو بھیجا۔ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں جادو کا بہت زور تھا۔ اطرافِ ملک میں بڑے بڑے جادوگر موجود تھے۔ جادو سیکھنا کمال سمجھا جاتا تھا۔ جادوگروں کی عزت کی جاتی تھی۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو ایسے معجزات عطا فرمائے جو ظاہر نظروں سے دیکھنے کے بعد جادو سے بہت کچھ مشابہ نظر آتے تھے۔ اگرچہ معجزات کی حقیقت سحر سے بالکل جدا تھی۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ کو جو معجزات عطا کئے گئے وہ کمالِ طبی سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ ہمارے آقاؐ کے زمانہ میں فصاحت بلاغت اور شعر و شاعری کا بڑا زور تھا۔ قبائل کی حکومت شاعروں کے قبضہ میں تھی اس لئے حضورؐ کو قرآن دیا گیا جس کی بلاغت و ملاحت کے مقابلے میں کل عرب و عجم کی قوتِ بیان گونگی ہو گئی۔

غرض جب فرعون اور اس کے درباریوں کو ہوش آیا اور خوف و ہراس دور ہوا تو لگے باہم مشورہ کرنے۔ فرعون بولا یہ تو بڑا جادوگر ہے تمہاری حکومت چھین کر تم کو ملک بدر کرنا چاہتا ہے۔ اسٹاف شاہی نے اس کی تصدیق کی اور کہا بیشک یہی بات ہے۔ اب مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ اور ہارون کو کچھ دنوں ٹال دیجئے اور تمام حلقے میں کچھ نقیب، چوبدار، ہرکارے روانہ کر دیجئے تاکہ گھر گھر کا ماہر شیار جادوگروں کو وہ اکٹھا کر کے لائیں اور اس طرح موسیٰؑ سے مقابلہ ہو سکے۔

چنانچہ چند آدمیوں کو انتخاب کر کے شہر قرما کو روانہ کیا تاکہ وہاں جا کر جادو سیکھیں۔ ان لوگوں نے جا کر سحر کی تعلیم حاصل کی اور ایک میعاد مقرر کی گئی۔ اس میعاد میں وہ لوگ ماہر جادوگر ہو گئے اور پھر اپنے ملک کے تمام جادوگروں کو بلوایا۔ جب سب جمع ہو گئے تو حضرت موسیٰ سے مقابلہ کا دن مقرر کیا گیا اور میدانِ اسکندریہ میں مقابلہ کرنا ٹھہرا۔ سب لوگ میدان اسکندریہ میں جمع ہو گئے۔ حضرت موسیٰؑ اور فرعون بھی پہنچ گئے۔ جادوگروں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ قرآن یا حدیث میں بظاہر اس کی کوئی صراحت نہیں کی گئی۔

toobaafoundation.com

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ کل جادوگر ستر تھے۔ مقاتل نے بہتر ۷۲ کہا ہے۔ کلبی کا قول ہے کہ تمام جادوگروں کے استاد دو جادوگر تھے جو نینوا کے رہنے والے تھے۔ مقاتل کہتے ہیں کہ سب کا سردار شمعون تھا۔ ابن جریج نے اس کا نام یوحنا ظاہر کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جادوگر آگئے۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ○ قَالَ

جادوگر فرعون کے پاس آگئے اور بولے کیا اگر ہم غالب آگئے تو ہمارا کچھ صلہ ہوگا؟ فرعون

نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ○ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ

نے کہا ہاں ضرور تم میرے مقرب ہو جاؤ گے جادوگر بولے موسیٰ یا تم ڈالو یا ہم ڈالتے

نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ○ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ

ہیں موسیٰ نے کہا تم ہی ڈالو جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی نظر بند کردی

وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ○ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ

اور ان کو ڈرایا اور بڑا جادو کیا اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی

عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ○ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا

ڈال دو (موسیٰ نے لاٹھی ڈال دی) تو وہ فوراً اس سوانگ کو نگلنے لگی جو وہ لوگ بنا رہے تھے پس حق ثابت ہو گیا اور جو کچھ وہ کرتے تھے

يَعْمَلُوْنَ ○ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ○

مٹ گیا اور اس جگہ جادوگر مغلوب ہو کر ذلت کے ساتھ لوٹے

تفسیر اور فرعون سے کہنے لگے جناب عالی ہم مقابلہ تو کرتے ہیں لیکن اگر ہم جیت گئے تو کچھ صلہ بھی ملے گا یا ہم یوں ہی آپ کی طرف سے لڑیں۔ فرعون کو اپنی مجبوری کا احساس تھا۔ بولا بے شک تم کو مقرب خاص بنا لیا جائے گا۔ شاہی قرب تمہاری خدمت کا صلہ ہے چونکہ فرداً فرداً ہر ایک کے لئے نوعیتِ انعام کی تفریق مشکل تھی اس لئے مجمل کہہ دیا کہ تم کو قرب شاہی حاصل ہو جائے گا جس کی وجہ سے وقتاً فوقتاً تم کو کاربر آری اور فائدہ اندوزی کے مواقع میسر آتے رہیں گے۔ جب ادھر سے اطمینان ہو گیا تو جادوگروں نے روئے سخن حضرت موسیٰ کی طرف کیا۔ بیباکی و دلیری کو ظاہر کرنے کے لئے اور غلبہ کا یقین کرتے ہوئے بولے۔ موسیٰ دو شقوں میں سے ایک شق اختیار کر لو، یا تو تم اپنا جادو (پہلے کرو) یا ہم پہلے پیش کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ نے انتہائی جواں مردی سے اُن کے سحر کو حقیر و کمزور ظاہر کرنے کے لئے فرمایا تم ہی پیش کرو چنانچہ انھوں نے اپنا جادو پیش کیا اور عظیم الشان کیا۔ لوگوں کی نظر بندی کر دی جس سے لوگ خوف زدہ ہو گئے۔ عظیم الشان کیا تھا کونسا تخیلی کرشمہ ایسا تھا جس کے ادراک سے لوگوں کی نظریں ماؤف ہو گئیں۔ اس کا بیان ایک اور آیت میں ہے جس کی نوعیت و کیفیت اسی طرح بیان کی گئی ہے کہ انھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینک دیں اور وہ لوگوں کی نظر میں سانپ محسوس ہونے لگیں اور وہ سانپ اِدھر اُدھر دوڑنے لگے

toobaafoundation.com

ہم اس کی تفصیل کے لئے ابن عباس رضؓ کی روایت نقل کرتے ہیں۔ ابوسعید نے بروایت عکرمہ از ابن عباس بیان کیا کہ ساحروں نے موٹی موٹی رسیاں اور لمبی لمبی لکڑیاں زمین پر پھینک دیں۔ وہ رسیاں اور لکڑیاں اُن کے سحر کے زور سے اژدھوں کی طرح رینگنے لگیں۔ محمد بن اسحاقؒ کی روایت میں ہے کہ تمام جادوگر جب صف بستہ کھڑے ہو گئے تو موسیٰؑ مع اپنے بھائی ہارونؑ کے مجمع میں آکر ایک طرف کو اپنی لاٹھی ٹیک کر کھڑے ہو گئے فرعون اور اس کے وزرار امرار کی مجلس ایک بلند مقام پر الگ تھی۔ ساحروں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا۔ پہلے تم پھینکو گے یا ہم پھینکیں۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا تم ہی پھینکو۔ ساحروں نے سب سے پہلے حضرت موسیٰؑ اور فرعون اور حاضرین کی نظر بندی کر دی۔ پھر ہر ساحر نے اپنے اپنے ہاتھوں کی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینک دیں اور بڑے بڑے اژدہے نظر آنے لگے۔ تمام جنگل بھر گیا اور تلے اوپر سانپ رینگتے معلوم ہونے لگے۔

سحر عظیم کا یہی مطلب ہے۔ یعنی لوگوں کی نظر میں وہ جادو بڑا معلوم ہوتا تھا۔ اگرچہ واقع میں اس کی کچھ ہستی نہ تھی (سراج) یعنی لوگوں کا خیال ہے کہ رسیوں اور لاٹھیوں کے اندر جادوگروں نے پارہ بھر دیا تھا۔ جب آفتاب کی حرارت ان کو لگی تو پارہ میں اضطراب پیدا ہوا اور رسیاں باہم لپٹنے لگیں اور سانپ کی طرح حرکت کرنے لگیں۔ مگر یہ قول بعید از عقل ہے۔ لاکھوں انسان جن کے بڑے بڑے صحیح دماغ اور فہیم آدمی موجود تھے، اتنے بے وقوف نہ تھے کہ رسی اور سانپ میں فرق نہ کر سکیں۔ فقط اضطرابی حرکت سے کسی رسی کو سانپ سمجھ لینا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ خیال درحقیقت معتزلہ کا ہے جو واقعیتِ سحر کے منکر ہیں۔ غرض جادوگر جب اپنا جادو کر چکے اور لوگ مرعوب ہو گئے اور موسیٰؑ کو بھی کسی قدر جھجک حسب اقتضائے بشری ضرور ہوئی تو اللہ نے وحی بھیجی اور بحکمِ وحی حضرت موسیٰؑ نے اپنی لاٹھی زمین پر پھینکی۔ لاٹھی سانپ بن گئی اور جو بے حقیقت جادو ساحروں نے کیا تھا اس کو نگلنے لگی۔ ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں حضرت موسیٰ کی لاٹھی کا اژدہا سب کو نگلنے لگا۔ اُس وقت ساحر سمجھے کہ یہ جادو نہیں آسمانی امر ہے پس حق نمایاں ہو گیا۔ جادوگروں کا جادو ٹوٹ گیا۔ معجزہ اور سحر کا امتیاز ہو گیا اور بالآخر جادوگروں کو ذلیل شکست ہوئی اور وہ اپنا منہ لے کر واپس لوٹے۔

مقصودِ بیان بڑے لوگ چھوٹوں کو بھی گمراہ کر دیتے ہیں۔ قوم فرعون کے سرداروں نے حضرت موسیٰؑ کو جادوگر کہہ کے عام لوگوں کو بھی گمراہ کر دیا۔ جب کوئی امر فوق النظر انسان کے سامنے آتا ہے تو وہ اس کو جادو پر محمول کرتا ہے۔ کور بصیرت انسان انبیاء کے پیامِ اصلاح کا مقصود، طمعِ دنیوی کو قرار دیتے ہیں۔ فرعون خود مقابلہ نہ کر سکتا تھا ایک ذلیل بندہ تھا۔ ورنہ جادوگروں کی مدد کا محتاج نہ ہوتا۔ جادوگر اعیان و حقائق کی تبدیلی نہیں کر سکتے صرف نظر بندی کر دیتے ہیں اور کیفیات کو واقعی بدل دیتے ہیں اور معجزہ سے واقعی طور پر ایک چیز کی حقیقت بدل جاتی ہے۔ شروع میں جادوگروں کو اپنے جادو پر بڑا اعتماد تھا۔ مگر موسیٰ ان سے زیادہ جری تھے۔ اسی لئے آپ نے جادوگروں کو سب سے پہلے جادو کرنے کی اجازت دی۔ جادو واقعی چیز ہے۔ مگر معجزہ سے مقابلہ کرنے کے وقت شکست کھاتا ہے۔

وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝ۚۖ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ رَبِّ مُوْسٰى وَ

اور سب جادوگر سجدہ میں گر پڑے کہنے لگے ہم رب العالمین پر جو موسیٰ و ہارون کا رب ہے ایمان

هٰرُوْنَ ۝ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ

لے آئے فرعون بولا تم میری اجازت سے پہلے ہی اُس پر ایمان لائے بیشک یہ ایک بڑا مکر

مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝

تم نے شہر میں بنایا تھا تاکہ اہل شہر کو وہاں سے نکال دو پس عنقریب (اس کا خمیازہ) تم کو معلوم ہو جائے گا

toobaafoundation.com

لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ۝

میں تمہارے ہاتھ پیر جانب خلاف سے کاٹ کر تم سب کو سولی پر لٹکاؤں گا

قَالُوا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنقَلِبُونَ ۝ وَمَا تَنقِمُ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِآيَاتِ رَبِّنَا لَمَّا

جادوگروں نے کہا ہم تو اپنے پروردگار کے پاس ہی جانے والے ہیں اور تو ہم سے صرف اس وجہ سے عداوت رکھتا ہے کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر جبکہ وہ

جَاءَتْنَا ۚ رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ ۝ ع

ہمارے پاس آگئیں ایمان لے آئے اے ہمارے رب ہم پر صبر کی بارش کر اور ہم کو حالتِ اسلام میں موت نصیب کر

تفسیر غرض جب جادوگروں نے حضرت موسیٰ کا معجزہ دیکھ لیا اور اُن کو یقین ہوگیا کہ یہ سحر نہیں بلکہ کسی غیبی قوتِ قدسیہ کا کرشمہ ہے تو حق سے ایسے مغلوب ہوئے کہ بے اختیار ہو کر سجدہ میں گر پڑے۔ گویا اضطراری شکل میں کسی نے سجدہ میں گرا دیا۔ اخفش نے یہی تفسیر بیان کی ہے اوزاعی کہتے ہیں کہ جادوگروں کی آنکھوں سے پردے ہٹا دیئے گئے تھے اور انھوں نے اپنی آنکھوں سے جنت کو دیکھ لیا تھا۔ قاسم بن بزہ کا قول ہے کہ جنت اور دوزخ اور عذاب و ثواب دونوں کو انھوں نے دیکھ لیا تھا۔ بہرحال جادوگر بولے کہ اب ہم خدا پر ایمان لے آئے جو کل عالم کا موجد و مربی ہے یعنی جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ مفسر سراج کہتا ہے کہ جب جادوگروں نے کہا کہ ہم رب العالمین کو حق جانتے ہیں تو فرعون نے کہا کیا اس سے مراد میری ذات ہے۔ جادوگروں نے کہا نہیں بلکہ جو موسیٰ کا پروردگار ہے۔ فرعون بولا۔ میں نے ہی تو موسیٰ کو پالا ہے۔ جادوگروں نے جب فرعون کی یہ کج فہمی دیکھی تو بولے ہمارا ایمان اُس پر ہے جو رب العالمین ہے۔ یہی موسیٰ اور ہارون دونوں کا رب ہے۔ اس پر فرعون لاجواب ہوگیا اور جہالت سے کہنے لگا میری اجازت کے بغیر تم لوگ ایمان لے آئے۔ درحقیقت تم نے مل کر اور مشورہ کر کے مکر گانٹھا ہے تاکہ یہاں کے باشندوں کو نکال کر خود قابض ہو جاؤ۔ فرعون نے یہ بات صرف دھوکا دینے کو کہی تھی کہ کہیں اس کے متبعین پھر نہ جائیں۔ ورنہ وہ خوب جانتا تھا کہ ان جادوگروں سے حضرت موسیٰ کی ملاقات بھی نہیں ہوئی ہے۔ لیکن سدی نے ابن مسعودؓ و ابن عباسؓ کا جو قول نقل کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مقابلہ سے پہلے حضرت موسیٰؑ کی ملاقات سب سے بڑے جادوگر سے ہوئی تھی۔ بہرحال کچھ بھی ہو باہم مشورہ کا شبہ کرنا فرعون کی کوتاہ فہمی تھی۔ جب کوئی تدبیر نہ بن پڑی اور دلیل سے عاجز آگیا تو لگا استبداد و ظلم سے ڈرانے۔ کہنے لگا اب عنقریب تم لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ میں تم کو کیسی سخت سزا دیتا ہوں۔ میں تم سب کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر صلیب پر لٹکواؤں گا۔ (ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں جس نے کاٹا اور سب سے پہلے سولی دینے کی سزا جس نے دی وہ فرعون ہے۔ ہماری شریعت میں یہ سزا صرف راہزنوں کی مقرر ہے) ساحروں نے جواب دیا۔ کچھ بھی ہو ہم تو اپنے رب ہی کی طرف رجوع کر چکے تیرا جو جی چاہے کر۔ فی الحقیقت تیرے اس جذبۂ انتقام کی اور کوئی وجہ نہیں۔ نہ جرم المشورہ کا شبہ صحیح ہے۔ بس بات اتنی ہے کہ ہم اپنے رب کے نشانہائے قدرت کو ماننے لگے۔ تیرے دل میں اس وجہ سے بیر پڑ گیا۔ خدا سے ہم دعا کرتے ہیں کہ وہی ہم کو صبر عطا کرے اور حالتِ موت پر ایمان نصیب کرے۔

مقصود بیان ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے۔ بڑے سے بڑے جبار معاند کافر کے دل کو آن کی آن میں اللہ حق کی طرف پھیر دیتا ہے۔ جن لوگوں کی قسمت میں ازلی ہدایت و سعادت ہے۔ اُن کی ابتدائی زندگی کو نتیجہ کا پیش خیمہ سمجھ لینا غلطی ہے بلکہ اعتبار انجام کا ہے وہ لوگ بالآخر حق کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کتنا ہی بڑا آدمی ہو اگر باطل پرست ہے تو دلیل سے لاجواب ہو کر باطل پر اُتر آتا ہے اور آخر میں بجائے ہاں و استدلال کے طاقت سے مرعوب کرنا چاہتا ہے۔ جن کے دلوں میں حقانیت و صداقت واضح ہو چکتی ہے اُن کو کوئی لالچ یا قوت حق سے نہیں پھیر سکتی۔

toobaafoundation.com

جب تک اللہ کسی کام کا ارادہ بندے کے دل کے اندر نہ پیدا کرے بندہ اس کام کو کر نہیں سکتا۔ اسی لئے ساحروں نے اللہ سے توفیق صبر کی دعا کی۔ ایمان و اسلام ایک ہی چیز ہیں اسی وجہ سے جادوگروں نے ایمان لانے کے بعد دعا کی کہ پروردگار ہم کو حالت اسلام پر موت نصیب کر۔ معاند کفار کے سامنے اظہار حق کرنا ضروری ہے اگرچہ یقین ہو کہ یہ لوگ کسی طرح نہیں مانیں گے کیونکہ اس سے فرض تبلیغ ادا ہو جاتا ہے اور بعض دوسرے لوگوں کو فائدہ پہنچ جانے کی اُمید ہوتی ہے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ

فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کیا تم موسیٰؑ کو اور اس کی قوم کو چھوڑ دیتے ہو کہ وہ ملک میں فساد مچائیں

وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۭ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَاۗءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَاۗءَهُمْ ۚ

اور تمہیں اور تمہارے معبودوں کو علیحدہ کر دیں فرعون نے کہا عنقریب ہم اُن کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور اُن کی لڑکیوں کو چھوڑ دیں گے

وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۝

اور بیشک ان پر ہمارا قابو ہے

تفسیر آیت کی تفسیر سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ فرعون جب خود الوہیت کا مدعی تھا تو اس کے معبود اور کون سے تھے؟ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اقرب الی الحق یہ بات ہے کہ فرعون دہریہ تھا۔ صانع قدیم کے وجود سے منکر تھا اور اس عالم سفلی کا مدبر ستاروں کو قرار دیتا تھا اور انھیں کی شکل کے بُت بنوائے تھے جن کی پرستش کراتا تھا اور زمین پر اپنے کو مخدوم و مطاع سمجھتا تھا (وقد ذکرہ الخطیب فی الراح) سدی کا قول ہے کہ فرعون باوجودیکہ الوہیت کا مدعی تھا لیکن قوم کے واسطے اس نے کچھ بُت بنوا دیئے تھے جن کی وہ لوگ عبادت کیا کرتے تھے بلکہ گائے کی خود بھی پرستش کرتا تھا اور دوسرے لوگوں سے بھی کراتا تھا۔ تفسیر سراج میں بھی فرعون کی گاؤ پرستی کی صراحت کی ہے۔ زجاج کہتے ہیں کہ فرعون کے معبود بایں معنی نہ تھے کہ وہ خود ان کی عبادت کرتا تھا بلکہ بات یہ تھی کہ اُس نے قوم کے لئے کچھ معبود مقرر کر دیئے تھے۔ گویا وہ بُت فرعون کے بنائے ہوئے معبود تھے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب فرعون نے مقابلہ میں شکست کھائی اور اپنی شکست کی تاویل بھی کر دی تو اس کی قوم کے سرداروں نے آخر چارۂ کار دریافت کیا اور کہنے لگے اب موسیٰؑ اور اس کی قوم کو کیا آپ یونہی چھوڑ رکھیں گے کہ ملک مصر میں تباہی پھیلاتے پھریں۔ آپ کو اور آپ کے بنائے ہوئے معبودوں کو چھوڑ دیں اور ہمارے دین و مذہب کو برباد کر ڈالیں۔ فرعون بھلا کیا جواب دیتا۔ موسیٰ پر اُس کا دسترس ممکن نہ تھا۔ مجبور ہو کر بولا ہم ان لوگوں کو تکلیفیں دیں گے ہمارے پاس طاقت ہے یہ کمزور ہیں۔ ہم یوں ہی ان کو ذلیل کرتے رہیں گے۔ نرینہ بچوں کو قتل کریں گے اور عورتوں کو چھوڑتے رہیں گے۔ چناں چہ بنی اسرائیل پر اس کے بعد بھی یہ عذاب جاری رہا۔ ان غریبوں نے ظالم کے پنجہ سے رہائی نہ پائی۔

مقصود بیان ہر کوتاہ اندیش آدمی کو اپنی دنیوی طاقت پر غرہ ہوتا ہے۔ حقیقت غیبی کی طرف سے وہ آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ فرعون اپنے کو خلاق عالم نہ کہتا تھا۔ بلکہ زمین پر سب سے بڑا معبود اپنے کو سمجھتا تھا۔ اپنے سوا اُس نے اور بھی معبود بنوا رکھے تھے مگر خلاق عالم کا وہ قائل نہ تھا۔

سرداران قوم کو اپنی جاہ کا زیادہ ڈر ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ پر فرعون کو کوئی دسترس نہ تھا۔ اسی وجہ سے سرداروں کے جواب میں اس نے

toobaafoundation.com

موسیٰؑ کا کوئی تذکرہ نہ کیا۔ وغیرہ

قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا ۖ إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا

موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو زمین اللہ ہی کی ہے اپنے بندوں

مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝ قَالُوا أُوذِينَا مِن قَبْلِ

میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور انجام بخیر پرہیزگاروں کا ہے بنی اسرائیل نے کہا آپ کے آنے سے پہلے

أَن تَأْتِيَنَا وَمِن بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۚ قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ

ہم کو دکھ دیا گیا اور آپ کے آنے کے بعد بھی (دیا جا رہا ہے) موسیٰؑ نے کہا امید ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو تباہ کر دے گا

وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ۝ ع　ركوع ۵

اور تم کو ملک میں اُن کی بجائے کر دے گا پھر دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو

تفسیر حضرت موسیٰؑ نے جب دیکھا کہ بنی اسرائیل قتل و بند کی سخت مصیبت میں ہیں تو صبر کرنے اور اللہ سے مدد طلب کرنے کی ہدایت فرمائی اور فرمایا حکومت و تسلط خدا کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہتا ہے خدا بادشاہت اور حکومت دیتا ہے۔ لیکن انجام کار انہی کو غلبہ حاصل ہوتا ہے جو اللہ سے ڈرتے اور ممنوعات سے بچتے رہتے ہیں۔ یعنی موجودہ مصائب دیکھ کر تم کو تنگ دل اور مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ آخر کار حکومت و غلبہ تم کو ہی حاصل ہوگا۔ بشرطیکہ تم متقی رہو۔ کافروں کا یہ عارضی تسلط ہے۔ بنی اسرائیل نے عرض کیا۔ حضرت آپ کی تشریف آوری سے قبل ہم کو طرح طرح ایذائیں دی جاتی تھیں اور آپ کے ظہور کے بعد بھی اُن مصائب کا سلسلہ منقطع نہ ہوا ہم اب کیا کریں؟۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا اللہ سے اُمید رکھو یعنی میری ذات کو دفعِ مصائب کا کارساز نہ سمجھو یہ نہ خیال کرو کہ تمہاری تکلیف میرے آنے کی وجہ سے دور ہو جائے گی بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھو۔ امید ہے کہ وہ عنقریب تمہارے دشمنوں کو تباہ کر کے اُن کا جانشین تم کو بنا دے گا لیکن اگر وہ تم کو حکومت عطا کر دے تو اس پر مغرور نہ ہونا کیونکہ کیونکہ وہ ایک آزمائش ہوگی۔ اللہ کو تمہارے اعمال کی جانچ مقصود ہوگی۔

حاصل یہ کہ پہلے حضرت موسیٰؑ نے درپردہ کنایہ میں فتح و کامیابی کا اُمیدوار کیا اور جب بنی اسرائیل کو اس سے تسلی نہ ہوئی تو پھر نصرت و غلبہ کی صراحت کر دی لیکن ادب کو ملحوظ رکھا اور پھر سطوتِ الٰہی سے قوم کو دھمکا بھی دیا۔

مقصودِ بیان اس امر کی صراحت کہ اگرچہ عارضی غلبہ باطل کو ہو جاتا ہے لیکن انجام کار اہلِ تقویٰ ہی غالب آتے ہیں۔ حکومت و تسلط سب خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ کی رحمت سے کسی کو مایوس نہ ہونا چاہیئے بلکہ مصائب میں صبر رکھنا اور اللہ سے دعائے نصرت کرنا چاہیئے۔ اللہ بندوں کی آزمائش کرتا ہے۔ کبھی تکلیف دے کر، کبھی آرام پہنچا کر اور اس راحت و تکلیف سے مقصود اصلاح اعمال ہے۔ چونکہ یہ سورت مکی ہے اور مکہ میں مسلمان مظلوم اور کافر قوی تھے، اس لئے درپردہ مسلمانوں کو ان آیات میں فتح کی بشارت بھی دے دی گئی اور حضورِ اقدسؐ کو تسکین دے دی گئی۔ وغیرہ

toobaafoundation.com

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ

ہم نے خشک سالیوں سے اور کمی پیداوار سے فرعون والوں کی گرفت کی تاکہ وہ متنبہ

يَذَّكَّرُوْنَ ۝ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ

ہوں مگر جب اُن کو بھلائی پہنچی تو کہنے لگے یہ ہمارا حق ہے اور اگر کوئی مصیبت

سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۭ اَلَآ اِنَّمَا طٰۗىِٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

آئی تو موسیٰ اور اُن کے ساتھیوں کی نحوست بتانے لگے آگاہ رہو اُن کی نحوست اللہ کے ہاں (لکھی جاتی تھی)

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

مگر اُن میں اکثر ناواقف تھے

تفسیر یعنی جب فرعون کی قوم والے باطل پرستی اور اہل ایمان بندوں کو ایذا دینے سے کسی طرح باز نہ آئے تو خدا تعالیٰ نے اُن کی تنبیہ و آزمائش کے لئے اُن کو تکالیف میں مبتلا کیا۔ ان کی کھیتیاں خشک ہوگئیں۔ زراعت اور سبزی تباہ ہوگئی۔ درختوں کے پھلوں میں کمی ہوگئی بروایت ابن عباسؓ دریائے نیل خشک ہوگیا۔ عام خشک سالی ہوگئی اور اس سے مقصود یہ تھا کہ وہ نصیحت پذیر ہوکر ایمان لے آئیں۔ کیونکہ ایسی حالت میں انسان کا دل نرم پڑ جاتا ہے اور وہ اللہ کی طرف رجوع کرکے خیر و برکت کا طالب ہو جاتا ہے۔ لیکن ان مصائب و تکالیف سے بھی اُن کے کفر و معصیت میں کوئی کمی نہیں ہوئی بلکہ عناد، جہالت اور سخت دلی زیادہ ہوگئی۔ شدت سے سرکشی کرنے لگے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے جب کبھی کوئی بھلائی کی چیز اُن کو ملتی۔ وسعتِ رزق، کثرتِ مال، زیادتی اولاد وغیرہ ہوتی تو کہتے ہم اس کے مستحق ہیں۔ ہمارے استحقاق کی وجہ سے یہ نعمت حاصل ہوئی ہے۔ ہم اسی لائق ہیں۔ یہ ہماری قابلیت کا پھل ہے اور اگر کبھی کوئی برائی اور دکھ آجاتا تو کہتے یہ موسیٰ کی نحوست ہے۔ اُسی کے کرتوت کا وبال ہم پر اوپر پڑا ہے۔ حالانکہ جو کچھ دکھ اُن کو پہنچا تھا وہ اللہ کی طرف سے آتا تھا اور ان کی بداعمالیوں کا خمیازہ ہوتا تھا۔ مگر ان میں اکثر لوگ اس بات سے ناواقف تھے۔

تمام علمائے سنت کا اتفاق ہے کہ تاثیر حقیقی سوائے اللہ کے کسی کا کام نہیں۔ بداعتقاد عوام جو کسی چیز کو منحوس جانتے ہیں یہ اُن کی جہالت ہے۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں اس کی صراحت کی ہے کہ کل کائنات اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور بولے تم ہم پر جادو کرنے کے لئے کوئی نشانی بھی لاؤ ہم تمہارا یقین کرنے والے نہیں ہیں

تفسیر یعنی فرعون کی قوم والے مصائب و آفات کو دیکھ کر بولے۔ موسیٰ تم اپنی حقانیت و صداقت کی کوئی بھی نشانی پیش کرو اور کسی طرح کا جادو کرو ہرگز ہم تم کو سچا نہ کہیں گے اور تصدیق نہ کریں گے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰؑ سے مذکورہ الفاظ کہے اور آیاتِ الٰہی کو جادو بتایا تو چونکہ غصہ ناک آدمی تھے اس لئے بددعا فرمائی اور خدا تعالیٰ نے آپ کی بددعا قبول فرما کر مندرجہ ذیل

toobaafoundation.com

متواتر عذاب نازل کئے۔

مقصودِ بیان بندوں کی ہدایت و آزمائش کے لئے خدا تعالیٰ دُکھ سُکھ اور تکلیف و راحت میں مبتلا کرتا ہے۔ جو لوگ کور بصیرت اور کج دانش ہیں، وہ ترقی جاہ و مال کو اپنی کوشش و قابلیت کا نتیجہ جانتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی کارسازی کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور مصیبت و دکھ کو اپنی حق تلفی خیال کرتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ دنیا کی ہر تکلیف بد اعمالی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ فرعون کی قوم والے آیات بینات کو سحر سمجھتے تھے اس لئے حضرت موسیٰ پر ایمان نہ لاتے تھے۔ حضرت موسیٰ سے واقعی مادی معجزات کا ظہور ہوا تھا۔ آیات میں کافروں اور فاسقوں کو تنبیہ ہے کہ تمہاری یہ دنیوی عیش و راحت آزمائش الٰہی ہے۔ اس پر پھولنا نہ چاہیئے بلکہ خدا کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ وغیرہ

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ آيَاتٍ

غرض ہم نے اُن پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون (عذاب کی) یہ الگ الگ

مُّفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ○ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ

نشانیاں بھیجیں مگر اُنھوں نے سرکشی کی اور وہ تھے ہی مجرم لوگ جب اُن پر عذاب آتا تھا تو

الرِّجْزُ قَالُوا يَا مُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِندَكَ لَئِن كَشَفْتَ

کہتے تھے موسیٰ ہمارے لئے اپنے رب سے اُس چیز کے وسیلہ سے جو اس نے تمہیں وحی کی ہے دعا کرو اگر اس عذاب کو

عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ○ فَلَمَّا

تم ہم سے دفع کردوگے تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ بھیج دیں گے لیکن ایک

كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُم بَالِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ ○ فَانتَقَمْنَا

وقت خاص تک جس کو وہ پہنچنے والے تھے ہم اُن سے عذاب دُور کر دیتے تھے تو وہ یکدم عہد توڑنے لگتے تھے بالآخر ہم نے

مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ○

ان سے انتقام لیا اور ان کو دریا میں غرق کر دیا کیونکہ انھوں نے ہماری نشانیوں کی تکذیب کی تھی اور اُن کی طرف سے غافل تھے

تفسیر حضرت موسیٰ کا فرعون سے چالیس برس تک اس بات پر مقابلہ رہا کہ بنی اسرائیل کو ملک مصر سے باہر جانے دے مگر فرعون نہ مانا۔ آخر کار پریشان ہو کر آپ نے بددعا کی۔ آپ کی بددعا سے قبطیوں پر مختلف بلائیں آئیں۔ دریائے نیل بڑھ گیا۔ بہتیرے گھر، باغ، کھیت تلف ہو گئے۔ ٹڈی دل سبزی کھا گئی۔ بدن اور کپڑوں میں جوئیں پڑ گئیں۔ خرمنوں کو گھن نے کھا لیا۔ ہر چیز میں مینڈک پھیل گئے۔ پانی اور کھانا خون بن گیا۔ ان مصائب میں سے ہر مصیبت ایک ایک ہفتہ رہی اور حضرت موسیٰ نزولِ بلا سے پہلے ہر مرتبہ فرعون سے کہہ آتے تھے کہ اللہ تم پر بلا بھیجے گا۔ چنانچہ وہی بلا آ جاتی۔ قبطی مجبور و مضطر ہو کر حضرت موسیٰ کی خوشامد کرنے لگتے کہ اگر یہ بلا ہم سے دور ہو جائے تو ہم بلاشبہ ایمان لے آئیں گے۔ اور بے روک ٹوک تمہارے ساتھ تمہاری قوم کو کر دیں گے۔ حضرت موسیٰ اُن کے اصرار پر یہ خیال کر لیتے کہ شاید اب کی مرتبہ یہ لوگ وعدہ پورا کریں گے

toobaafoundation.com

اور دعا کرتے وہ بلا دفع ہو جاتی مگر وہ شیطان پھر انکار کر جاتے۔ آخر کار وبا پڑی اور آدھی رات کو ہر شخص کا پہلا بیٹا مر گیا۔ وہ لوگ اپنے مُردوں کے غم میں لگے۔ حضرت موسیٰؑ اتنا وقت غنیمت سمجھ کر بنی اسرائیل کو لے کر شہر سے نکل گئے۔ صبح کو فرعون مع فوج پیچھے چل دیا اور موسیٰ اپنے ہمراہیوں سمیت صحیح وسالم نیل سے گزر چکے تھے۔ فرعون نے اپنی فوج سمیت جب نیل میں گھوڑے ڈالے تو خدا تعالیٰ نے سب کو غرق کر دیا۔

تحقیق ابن عباس کی اکثر روایات میں ہے کہ طوفان پانی کا تھا۔ بے انتہا بارش ہوئی تھی جس سے تمام چیزیں ڈوب گئی تھیں اور کھیتیاں اور پھل تباہ ہو گئے تھے۔ ضحاک کا قول بھی یہی ہے۔ صاحب بیضاوی کہتے ہیں کہ ان پر آٹھ روز تک گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا رہا اور پانی کی اتنی کثرت ہوئی کہ گھروں کے اندر بھر گیا لیکن بنی اسرائیل کے گھر اگرچہ قبطیوں کے گھروں کے متصل تھے مگر ان میں پانی نہ گھسا۔ ابن عباسؓ کی دوسری روایت میں ہے کہ طوفان سے مراد موت کی کثرت ہے۔ یہی عطاء کا قول ہے۔ ابن جریر نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضؓ نے مرفوعاً بیان فرمایا کہ طوفان سے مراد موت ہے۔ وقد رواہ ابن مردویہ۔ لیکن شیخ ابن کثیر نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ موت اور پانی دونوں کی کثرت تھی۔

غرض حضرت موسیٰؑ کی دعا سے طوفان کی بلا دفع ہوئی۔ کھیتیاں خوب سرسبز اور شاداب ہوئیں۔ خوب غلّہ پیدا ہوا۔ درخت بارآور ہوئے قبطیوں نے پھر بھی وعدہ پورا نہ کیا اور کھیتیوں کی سرسبزی پر اعتماد کر بیٹھے تو ٹڈی دل پیدا ہوا جس نے تمام کھیتیاں اور پھل کھا لئے۔ حضرت موسیٰؑ سے پھر دعا کی درخواست کی اور آپ کی دعا سے بلا دفع ہوئی۔

قبطیوں نے بقیہ غلّہ اور پھل کاٹ کر جمع کر لئے اور بولے اب ہم فارغ ہیں۔ اب ہمارا کوئی کیا کر سکتا ہے تو قمل کا عذاب آیا۔ قمل کے معنی ابن کثیر کے نزدیک گھن کے ہیں۔ ابن عباسؓ کی ایک روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

مجاہد و عکرمہ کا قول ہے چھوٹی ٹڈیاں یا ٹڈیوں کے چھوٹے بچے مراد ہیں۔ حسن بصری اور سعید بن جبیر کا قول ہے کہ قمل چھوٹے چھوٹے کیڑے ہوتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید نے قمل کی تفسیر پسّو سے کی ہے۔ عام مفسرین نے قمل کے معنی جوں بیان کئے ہیں۔

بہرحال قمل کا عذاب نازل ہوا اور اس کے بعد ضفادع یعنی کچھوے یا مینڈک اس کثرت سے پیدا ہوئے کہ تمام قبطیوں کے کھانے پینے کی چیزوں میں بھر گئے۔ بات کرنی دشوار ہو گئی۔ پھر آخر میں خون کا عذاب نازل ہوا۔ قبطیوں کے لئے ہر چیز خون ہو گئی۔ کنوئیں، نہریں، تالاب، غرض ہر قسم کا پانی اگر قبطی کے ہاتھ میں پہنچتا تو خون ہو جاتا اور اسرائیلی کے لئے پانی بدستور رہتا۔ بالآخر جب قبطیوں کی وعدہ خلافی اور عہد شکنی حد سے گزر گئی تو خدا نے سب کو غرق کر دیا۔

مقصودِ بیان نافرمانی کا نتیجہ آخرت کے عذاب کے علاوہ دنیوی تباہی کی شکل میں بھی برآمد ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی رسی بہت ڈھیلی ہے۔ ایک حد تک خدا تعالیٰ آزمائش کر کے اور مختلف جسمانی و مالی تکالیف پہنچا کے ہدایت کرنی چاہتا ہے لیکن جب بندہ انتہا سے زیادہ سرکشی کرنے لگتا ہے اور راہ راست پر آنے کی کوئی امید نہیں رہتی تو پھر خدا پکڑتا ہے اور ایسا سخت پکڑتا ہے کہ پھر رہائی ناممکن ہوتی ہے۔ انبیاء سے کھلے کھلے مادی معجزات کا صدور حق ہے۔ انقلاب حقائق محال نہیں۔ انبیاء مستجاب الدعوات ہوتے ہیں۔ عہد شکنی موجب ہلاکت ہے۔ وغیرہ۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا

اور ان لوگوں کو جن کو کمزور سمجھا جاتا تھا اس زمین کے شرقی غربی حصّوں کا مالک بنایا جس

الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ

میں ہم نے برکت نازل کی تھی اور بنی اسرائیل پر اُن کے صبر رکھنے کی وجہ سے تمہارے رب کا اچھا وعدہ

toobaafoundation.com

الربع بِمَا صَبَرُوا ۖ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ○

پورا ہو گیا اور فرعون اور اس کی قوم والے جو کچھ بناتے اور جن عمارتوں کو اونچا کیا کرتے تھے سب کو ہم نے برباد کر دیا

تفسیر الارض سے مراد سرزمین شام ہے اور مشارق و مغارب سے مراد اس کے تمام اطراف۔ برکت دینے سے یہ مطلب ہے کہ وہاں کا پانی خوشگوار اور بکثرت تھا۔ درخت میوہ دار اور سرسبز تھے۔ ملک شاداب اور سیر حاصل تھا۔ زمین نرم اور فضا موافق تھی۔ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ چونکہ بنی اسرائیل نے مصائب پر صبر، اوامر خداوندی پر استقامت رکھی تھی اس لئے خدا تعالیٰ نے اسی قوم کو جس کو ذلیل و ضعیف سمجھا جاتا تھا ملک شام کی حکومت عطا کی اور فرعون کی بستیوں کو تباہ، آبادیوں کو ویران، اونچے اونچے مکانوں کو برباد، شاداب درختوں اور بیلوں کو فنا کر دیا۔ اور بنی اسرائیل سے جو وعدہ کیا گیا تھا۔ اس کو پورا کر دیا گیا۔ بنی اسرائیل سے کیا وعدہ کیا تھا اس کا بیان بقول مجاہد و ابن جریر آیت وَنُرِيدُ أَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ میں کہا گیا ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہ آیت مراد ہے۔ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ۔ بہر حال وعدہ حریت و حکومت کیا گیا تھا اور وہ مصر سے نکالنے کے بعد پورا کیا گیا

مقصودِ بیان جو قوم مصائب پر صبر، تکالیف کا تحمل اور احکام الٰہی پر استقامت رکھتی ہے وہ خواہ کتنی ہی کمزور و ذلیل سمجھی جاتی ہو مگر خدا تعالیٰ اس کو قوی کرتا اور دنیا ہی میں اجر عطا فرماتا ہے۔ جو لوگ مغرور، ظالم اور سرکش ہوتے ہیں وہ خواہ کتنے ہی قوی ہوں لیکن خدا تعالیٰ ان کو تباہ کر دیتا ہے۔ اُن کی بستیاں اُجڑ جاتی ہیں۔ آیت میں مخفی ایما مسلمانوں کو بھی ہو سکتا ہے کہ اگر تم اہل مکہ کی ایذا رسانی پر صبر کرو گے اور احکامِ الٰہی پر استقامت رکھو گے اور ایمان و اسلام پر مستقل رہو گے تو خدا تعالیٰ بالآخر تمہارے دشمنوں کو شکست دے گا اور ہلاک و برباد کر دے گا اور تم کو فتح دے گا اور کامیابی نصیب فرمائے گا۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَاءِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَىٰ قَوْمٍ يَّعْكُفُونَ عَلَىٰ أَصْنَامٍ لَّهُمْ

اور ہم بنی اسرائیل کو دریا کے پار لے گئے تو وہ ایسی قوم پر پہنچے جو اپنے بُتوں کے پوجنے میں لگے ہوئے تھے

قَالُوا يٰمُوسَى اجْعَلْ لَّنَا إِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۚ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ○

بنی اسرائیل نے موسیٰ سے کہا موسیٰ ہمارے لئے بھی ایسے ہی معبود مقرر کر دو جیسے اُن کے معبود ہیں موسیٰ نے کہا تم واقعی جہالت شعار ہو

إِنَّ هٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ قَالَ أَغَيْ

یہ لوگ جس کام میں ہیں وہ تباہ کر دیا جائے گا اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ مٹ جائے گا (پھر) موسیٰ نے کہا کیا اللہ

اللّٰهِ أَبْغِيكُمْ إِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِينَ ○ وَإِذْ أَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ

سوا تمہارا کوئی اور معبود بنا دوں حالانکہ اُس نے سارے جہان پر تم کو فضیلت دی (یاد کرو کہ) جب فرعون والوں سے ہم نے

toobaafoundation.com

آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ

تم کو نجات دی جو کہ بُری تکلیف کا مزہ تم کو چکھاتے تھے تمہارے بیٹوں کو مار ڈالتے تھے اور بیٹیوں کو جیتا

١٢ ع ١٤ ٦ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ۝

چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی

تفسیر جب حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر عمسیس سے نکلے اور مشرقی جانب بحرِ قلزم کو پار کر کے عرب کے ریگستانی اور کوہستانی حصے میں پہنچے اور قادسیہ وغیرہ کی طرف سے گذر ہوا تو وہاں کے لخمی یا کنعانی قبائل کو انھوں نے بُت پرستی کرتے دیکھا۔ چونکہ مصر میں زیرِ حکومت فرعون سینکڑوں برس سے بُت پرستی کے خوگر ہو گئے تھے۔ اس لئے لوگوں کو صنم پرستی کرتے دیکھ کر ان کے منھ میں پانی بھر آیا اور بولے موسیٰ جیسے ان لوگوں کے دیوتا اور معبود ہیں ہمارے لئے بھی ایسے ہی دیوتا اور معبود بنا دو۔ حضرت موسیٰ؈ نے فرمایا تم لوگ بھی عجیب جاہلِ مطلق ہو۔ اللہ کے جلال و عظمت سے ناواقف ہو۔ نادانو! اتنا نہیں سمجھتے کہ معبود بھی کوئی بنانے کی چیز ہے کہ میں بنا دوں۔ ان لوگوں نے جو معبود بنا رکھے ہیں اور جو کچھ یہ پوجا پاٹ کرتے ہیں سب ہیچ ہے۔ اس کا انجام ہلاکت و تباہی ہے۔ ان کے اعمال رائیگاں جانے والے ہیں تو پھر میں معبودِ حقیقی کو چھوڑ کر کسی اور کو تمہارا معبود بنا دوں یہ کیسے ممکن ہے۔ ذرا اس بات پر تو غور کرو کہ تم کو اللہ نے اس زمانہ کے تمام انسانوں پر برتری عطا کی۔ تم کو راہِ حق دکھائی، فرعون کے پنجہ سے رہا کیا، وہ جو طرح طرح کی ایذائیں تم کو دیا کرتے تھے ان سے تم کو بچا کر یہ نعمت عطا کی اور یہ تمام رنج و راحت اور دکھ سکھ تمہاری آزمائش کے لئے صادر کیا اور تم ایسے جاہل ہو کہ اس کی عبادت سے منھ موڑ کر بتوں کی پرستش کے خواستگار ہو یہ کس قدر نادانی ہے

مقصودِ بیان اس بات پر تنبیہ کہ بنی اسرائیل کو خدا تعالیٰ نے بلا استحقاق قسم قسم کی نعمتوں سے سرفراز کیا تھا۔ مگر اُنھوں نے شکریہ کی بجائے نہایت بیہودہ بات زبان سے نکالی۔

اس امر کی صراحت کہ بنی اسرائیل باعتبارِ مذہب اپنے زمانہ کے تمام دیگر انسانوں سے افضل و اعلیٰ تھے۔ اس بات پر ضمنی اشارہ کہ فرعون کی قوم والے ہی فقط بُت پرستی میں مبتلا نہ تھے بلکہ اس زمانہ میں دوسری قومیں بھی اس کی شیدا تھیں۔ لیکن حضرت موسیٰ؈ کی بعثت صرف بنی اسرائیل کی ہدایت اور نجات کے لئے تھی۔ کل دنیا کے لئے نہ تھی۔ نہ آپ کی دعوت و تبلیغ عمومی تھی۔ بنی اسرائیل بہت جاہل قوم تھی۔ محسوس پرستی ان کی سرشت میں جم چکی تھی۔ ذرا فطرسی تحریک پر اصلی سرشت نمودار ہو جاتی تھی۔

آیات میں در پردہ مسلمانوں کو تلقین ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے تم کو نعمتِ ایمان سے سرفراز کیا، فضیلتِ اسلام عطا کی مستقل حکومتیں اور عزت و حریت مرحمت فرمائی تو اب غیر اللہ کی پرستش کا خیال دل میں لانا خدا کی نافرمانی کرنی، اپنے نبی کے قول پر نہ چلنا، زندہ اور مُردہ کو معبود بنانا انتہائی جہالت و کفرانِ نعمت ہے۔ تم پر جو دکھ سکھ کے مختلف حوادث آتے ہیں یہ سب امتحانِ الٰہی ہے۔ وغیرہ

وَوَاعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتْمَمْنَاهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ

اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا وعدہ کیا اور (مزید) دس راتیں ملا کر اس کی تکمیل کر دی پس اُن کے رب کی مقرر کردہ میعاد

أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ

چالیس شب پوری ہو گئی موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا میری قوم میں میری نیابت کرو اور اصلاح کرو

toobaafoundation.com

وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ○

اور مفسدوں کے راستہ پر نہ چلو

تفسیر جمعہ کے روز بتاریخ دس محرم حضرت موسیٰؑ دریا سے پار ہوئے اور قادسیہ کے میدان میں پہنچ کر وہاں سے وادی طور سے پاس پہنچے۔ یہاں پہنچ کر خدا تعالیٰ سے احکام شریعت ملنے کی درخواست کی جو بنی اسرائیل کے لئے دستور العمل ہوں۔ اللہ پاک کا حکم ہوا کہ پہاڑ پر آ کر تیس رات خلوت کرو، خدا کی طرف دھیان لگا دس رات کو عبادت میں مشغول رہو اور دن کو روزہ رکھو اور دن کو روزہ رکھو۔ اگر یہ شرط پوری کرو گے تو احکام شریعت ملیں گے اور عزت خطاب سے سرفراز کئے جاؤ گے۔ مجاہد مسروق ابن جریج وغیرہم کا قول ہے کہ یہ واقعہ شروع ذیقعد کا تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارون کو اپنا جانشین بنا کر وصیت کی کہ میرے پیچھے قوم کا انتظام درست رکھنا اور اصلاح کرتے رہنا اور بدنظمی و فساد کی رائے دینے والوں کا کہنا ہرگز نہ ماننا۔ اس کے بعد خود پہاڑ پر جا کر عبادت میں مشغول ہو گئے۔ دن کو روزہ رکھتے اور شب و روز مجاہدہ میں لگے رہتے۔ جب تیس دن پورے ہو گئے تو آپ نے منہ کی بدبو رفع کرنے کو مسواک کر لی جس کے سبب منہ کی بدبو یعنی غلوئے معدہ کی خاص علامت اور روزہ کا اثر جاتا رہا۔ اس کوتاہی کی تلافی کے لئے مزید دس روز کی عبادت کا حکم ہوا اور اس طرح پورا چلہ ہو گیا۔

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ ۙ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ ۚ

جب موسیٰ ہمارے مقرر کردہ وقت پر آئے اور اُن کے رب نے ان سے کلام کیا تو کہا پروردگار! مجھے (جلوۂ خاص) دکھا میں تیری طرف دیکھوں

قَالَ لَن تَرَانِي وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ

اللہ نے فرمایا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے لیکن پہاڑ کی طرف دیکھو اگر پہاڑ اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے

تَرَانِي ۚ فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا ۚ فَلَمَّا

پس جب اُن کے رب نے پہاڑ پر تجلّی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر جب

أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ○

ہوش آیا تو عرض کیا تو پاک ہے میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں

تفسیر مقررہ چلہ پورا ہو گیا اور خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا تو اُس وقت غائبانہ خطاب کی حدود سے آگے بڑھ کر حضرت موسیٰ کو دیدارِ الٰہی کا شوق ہوا اور اپنی مادی آنکھوں سے جلوۂ الٰہی کو دیکھنے کے خواستگار ہوئے۔ چونکہ یہ آنکھیں مادی اور جسمانی ہیں۔ بے پردہ ان آنکھوں سے جلوۂ الٰہی کا نظر آنا قانونِ قدرت کے خلاف ہے۔ لطیف شعاعیں بغیر جسمانی آڑ کے نہیں دیکھ سکتیں اس لئے حکم ہوا کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے ہاں پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو جو تاثر و انفعال میں تم سے کم درجہ رکھتا ہے اور جسمانیت میں تم سے زیادہ قوی ہے۔ میں پہاڑ پر اپنا پرتو ڈالتا ہوں۔ اگر اس نے میرے پرتو کا تحمل کر لیا اور اپنی جگہ قائم رہا تو ممکن ہے تم بھی مجھے دیکھ سکو اور جب وہ تحمل جلوہ نہ کر سکا تو پھر تم تو قرب و تاثر میں اس سے کہیں زائد ہو تم کس طرح تحمل کر سکتے ہو۔ چنانچہ جب جلوۂ الٰہی پہاڑ پر پڑا تو وہ ٹکڑے ٹکڑے

toobaafoundation.com

ہوگیا اور موسیٰ اس منظر کو دیکھ کر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ کچھ دیر کے بعد ہوش آیا تو اپنے گزشتہ سوال سے توبہ کی اور عرض کیا پروردگار تو اس نظر سے نہیں دکھائی دے سکتا میں تجھے اس بات سے پاک جانتا ہوں اور اپنی گزشتہ نادانی سے توبہ کرتا ہوں اور بنی اسرائیل میں سب سے پہلے میں اس بات پر ایمان رکھتا ہوں۔ ابن عباس و مجاہد نے اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ کی یہی تفسیر کی ہے۔ ابوالعالیہ کا قول ہے مراد یہ ہے کہ میں سب سے پہلے اس بات پر ایمان لایا ہوں کہ قیامت تک تجھ کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ ابن کثیر نے اسی مطلب کو پسند کیا ہے۔ ہمارے نزدیک زیادہ واضح مطلب یہ ہے کہ معائنہ کے بعد اس صورت سے ایمان لانا سب سے پہلے میرا ہی واقع ہوا ہے اگرچہ دیگر انبیاء بھی بالعموم رویت کی نفی پر ایمان رکھتے ہوں مگر صورتِ مذکورہ سے معائنہ کرنے کے بعد ایمان لانا چونکہ حضرت موسیٰؑ کے مخصوص تھا اس لئے آپ نے انا اول المومنین کہا۔

یہاں دو مسئلے تحقیق طلب ہیں (۱) خدا تعالیٰ نے موسیٰ سے جو کلام کیا تھا اس کی کیا حقیقت و کیفیت تھی؟ (۲) کیا دیدارِ الٰہی ان آنکھوں سے ممکن ہے یا محال ہے؟

زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے بلا واسطہ کلام کیا جیسے فرشتوں سے کلام کرتا ہے جس کی صورت یہ ہوئی کہ بولتا ہوا کلام ایک درخت میں پیدا کر دیا جس سے موسیٰؑ نے سن لیا۔ جس طرح لکھا ہوا کلام لوحِ محفوظ میں پیدا کر دیا۔ عام معتزلہ کا بھی یہی قول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کلامِ الٰہی کا کوئی علاوہ ذاتِ الٰہی کے ہو تو کلام کا سننا ممکن ہے۔ خطیب و رازی نے معتزلہ کے اس قول کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ تاویل خلافِ نص ہے۔ کتاب و سنت اور اجماعِ سلف سب کے مخالف ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ کوئی درخت یا مادی غیر مادی جسم اَنَا اللّٰہ کہہ کے لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ کا دعویٰ کر سکے۔

بعض حنابلہ اور حشویہ کا قول ہے کہ کلامِ الٰہی قدیم ہے اور حروف و اصوات منقطعہ سے مرکب ہے۔ رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا کہ یہ قول بھی ناقابلِ التفات ہے۔ رازی کا مطلب یہ ہے کہ اگر حروف و اصوات کے یہی معنی ہیں جو عام لوگ عرف میں سمجھتے ہیں تو یہ قول ناقابلِ التفات ہے۔ کیونکہ کلامِ قدیم کس طرح اصوات منقطعہ اور حروف حادثہ اپنے اندر رکھ سکتا ہے ورنہ حادث و قدیم میں کیا فرق ہوگا۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ اس کی کیفیت سے آگاہی نہیں تو حروف و اصوات کی تفصیل بے فائدہ ہے اور اگر حروف و اصوات کو قدیم کہا جائے بمنقطعہ حادثہ نہ کہا جائے اور ذاتِ باری کے ساتھ قائم سمجھا جائے تو یہ قول بھی سراسر لغو ہے۔ کیونکہ متبادر حروف و اصوات کا قیام ذاتِ الٰہی سے ناممکن ہے اور حروف و اصوات کے کوئی معنی مجہول الکیفیت گھڑ لئے جائیں تو اتنی تفصیل ہی بیکار ہے۔

مفسر مدارک نے بیان کیا ہے کہ شیخ ابو منصور ماتریدی نے تاویلات میں ظاہر کیا ہے کہ موسیٰؑ نے ایک آواز سنی جو کلامِ الٰہی پر دلالت کرتی تھی اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ اس تقدیر پر موسیٰؑ نے کلامِ الٰہی بلا واسطہ نہ سنا حالانکہ تکلیم بلا واسطہ کلام کرنے کو کہتے ہیں۔ آخر میں امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا ہے کہ اکثر علمائے متکلمین اور سنت کا قول ہے کہ کلامِ الٰہی ایک صفت ہے جو موجودہ حروف و اصوات کے مغایر ہے۔ موسیٰؑ نے یہ صفتِ حقیقیہ ازلیہ سنی اور اس کو ادراک کیا۔ بایں طور کہ اللہ نے اپنے کلام پر سے حجاب اٹھا دیا۔ اس کا مآل یہ ہے کہ کلامِ الٰہی ایک صفتِ قدیم ہے۔ ذاتِ الٰہی سے قائم ہے۔ اسی صفتِ حقیقیہ کا سماع ہوا۔ لیکن کس طرح ہوا؟ اس کی کیا کیفیت تھی؟ اس کا کچھ علم نہیں۔ ہاں اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ کلامِ الٰہی کا سماع بغیر صوت اور بلا واسطہ حروف ہوا تھا جس کو خصوصیت کے ساتھ حضرت موسیٰ ہی سن سکتے تھے۔ یہی قول حق ہے۔ اشاعرہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ گویا کلامِ الٰہی کا سماع روحانی تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے باشراق نوری اس کو سنا تھا۔ یہ اشراق حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ہی مخصوص تھا۔ کسی دوسرے کو یہ نعمت آپ سے پہلے نہیں ملی۔

(۲) کیا دیدارِ الٰہی ممکن ہے؟ اس کے متعلق علمائے اسلام میں بڑا اختلاف ہے۔ سوائے اہلِ سنت کے تمام فرقے دیدارِ الٰہی کو ممتنع قرار دیتے ہیں۔ ہم پہلے جواز کے دلائل بیان کرتے ہیں پھر اصحابِ امتناع کے اعتراضات بیان کر کے ان کی تردید کریں گے۔

(۱) اگر دیدارِ الٰہی محال ہوتا تو حضرت موسیٰؑ اس کی طلب نہ کرتے کیونکہ وہ نبی تھے اور نبی محال چیز کی خواستگاری نہیں کرتا۔ اگر دیدارِ الٰہی کو مطلقاً

toobaafoundation.com

محال مان لیا جائے تو بدیہی معرفت سے حضرت موسیٰؑ کا جاہل ہونا لازم آتا ہے۔ کیا حضرت موسیٰؑ کو باوجود جلیل القدر نبی ہونے کے اتنی معرفت بھی نہ تھی کہ وہ ایسا بے جا اور محال سوال کر بیٹھتے۔

(۲) اگر دیدارِ الٰہی ممکن نہ ہوتا تو خدا تعالیٰ استقرارِ جبل پر اس کو موقوف نہ کرتا اور استقرارِ جبل تو ممکن تھا اگرچہ واقع نہ ہوا۔ لہٰذا حضرت موسیٰؑ کو دیدارِ الٰہی حاصل ہونا بھی ممکن تھا۔ اگرچہ واقع نہ ہوا۔ کیونکہ جو حکم کسی ممکن شرط پر معلق کیا جاتا ہے وہ بھی ممکن ہوتا ہے۔ اللہ کی ذات وصفات کے متعلق محال چیز کا اعتقاد کرنا کفر ہے۔ اگر دیدارِ الٰہی ناممکن ہوتا تو حضرت موسیٰؑ کیوں اس کا اعتقاد کرتے اور کیوں ناممکن سوال کرتے (ہکذا قال النسفی والبغوی) رہی یہ بات کہ ممکن تھا تو حاصل کیوں نہ ہوا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرت موسیٰؑ کا صرف اجتہادی مغالطہ تھا۔ رویت باری کے امکان سے آپ نے سمجھ لیا کہ شاید دنیا میں بھی دیدار حاصل ہو جائے اور سوال کر بیٹھے حالانکہ دنیا میں دیدار نہ ہو سکتا تھا لہٰذا جواب مل گیا لن ترانی۔ لالکائی نے سنۃ میں ابن عمر و ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ حضور اقدسؐ نے فرمایا ہے کہ تم اپنے رب کو نہ دیکھو گے یہاں تک کہ مر جاؤ۔ اس کے علاوہ بہت سی احادیث سے بطریقِ تواتر ثابت ہے۔ نیز مختلف آیات کلام پاک (مثلاً وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ) سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن اہلِ ایمان کو دیدارِ الٰہی نصیب ہوگا اور جو چیز محال ہوتی ہے وہ ہمیشہ محال ہوتی ہے۔ کبھی وقوع پذیر کیا ممکن بھی نہیں ہو سکتی۔ معتزلہ وغیرہ چونکہ استحالۂ رویت کے قائل ہیں اس لئے انھوں نے چند اعتراضات کئے ہیں:۔

نمبر ۱۔ آیت لَنْ تَرٰىنِيْ نفی پر دلالت کر رہی ہے۔ اگر دیدارِ الٰہی ممکن ہوتا تو اس قدر تاکید کے ساتھ نفی نہ کی جاتی۔ یہ اعتراض زمخشری کا ہے۔ بیضاوی نے جواب دیا کہ نفی آئندہ جواب سے استحالۂ رویت ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ تو کبھی نہ دیکھے گا۔ نسفی نے کہا استحالہ کیسا یہ تو خود ثبوتِ رویت کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لن ارٰی یعنی "میں نہیں دیکھا جاتا ہوں" نہیں فرمایا بلکہ فرمایا تم مجھے نہیں دیکھو گے۔ اگر دیدار محال ہوتا تو فرماتا میں مرئی نہیں ہوں پھر اللہ نے موسیٰ کو مایوس بھی نہ کیا بلکہ معلق کر دیا اور اس سوال پر کچھ عتاب بھی کیا۔ اگر تکمیلِ سوال محال ہوتی تو عتاب فرماتا۔

معالم میں بیان کیا ہے کہ لن ترانی کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں چشمِ فانی سے کوئی مجھے نہ دیکھے گا۔

نمبر ۲۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ لن ترانی میں لن نفی تابیدی کے لئے ہے یعنی تو کبھی مجھے نہیں دیکھے گا۔ اگر رویت ممکن ہوتی تو نفی ابدی نہ کی جاتی۔ امام واحدی کہتے ہیں کہ لن کے معنی نفی ابدی قرار دینا سخت جھوٹ ہے۔ اہلِ لغت میں سے کسی نے ایسا نہیں لکھا۔ نہ اس کے متعلق کوئی نقل صحیح ہے بلکہ کتاب الٰہی شاہد ہے کہ لن نفی ابدی کے لئے نہیں ہے۔

امام بغوی نے فرمایا کہ یہودیوں کے حق میں خدا تعالیٰ نے فرمایا لَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا یعنی موت کی تمنا نہ کریں گے۔ لیکن یہودیوں کے اُخروی حال کے متعلق فرمایا کہ قیامت کے دن عذاب سے تنگ آکر کہیں گے يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ اس سے ثابت ہوا کہ بغیر کسی خاص قرینہ کے لن کا استعمال نفی تابیدی کے لئے نہیں ہوتا۔

کشاف میں زمخشری نے بیان کیا ہے کہ موسیٰ جانتے تھے کہ دیدارِ باری محال ہے مگر چونکہ اُن کی قوم نے کہا تھا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً ہم کو خدا کا دیدار کھلم کھلا کرا دو۔ اس لئے حضرت موسیٰ نے درخواستِ دیدار اپنے لئے کی تاکہ منفی جواب سے قوم والے چپ ہو جائیں اور اپنی درخواست سے باز آجائیں۔

بیضاوی نے اس تاویل کی تردید میں کہا کہ زمخشری کا یہ قول غلط ہے۔ کیونکہ اگر رویت محال تھی تو واجب تھا کہ حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو سرزنش کرتے اور ان سے کہتے تم بڑے جاہل ہو ایسی ناممکن درخواست کرتے ہو جس طرح کہ بنی اسرائیل نے بُت پرستی کی خواہش کی اور حضرت موسیٰؑ سے بُت مانگا تو آپ نے ان کو جاہل کہا۔ نسفی کہتے ہیں کہ جو چیز جنابِ باری کی شان میں محال ہے اُس کی تاکید و تائید بھی کفر ہے۔ حالانکہ حضرت موسیٰؑ نے اپنے سوال سے اس کی تائید کی۔ معلوم ہوا کہ رویت محال نہ تھی۔

معتزلہ میں سے کبھی اور اصم کو جب کوئی تاویل نہ سوجھی تو رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ کو انھوں نے توڑنا مروڑنا شروع کیا۔ کہنے لگے اس سوال

toobaafoundation.com

کا مطلب یہ ہے کہ رب ارنی آیۃ منک اعلمک بھا بالضرورۃ کانی انظر الیک یعنی اے رب تو مجھے اپنی طرف سے ایسی علامت دکھا دے جس سے میں محسوس طور پر جان جاؤں اور ایسا جان جاؤں کہ گویا تیری طرف دیکھ رہا ہوں لیکن یہ تاویل خلاف ظاہر ہے۔ خواہ مخواہ کی خود ساختہ تحریف و ترمیم ہے۔ پھر حضرت موسیٰؑ اولوالعزم انبیاء میں سے تھے۔ کیا اُن کو وجودِ باری کا یقین نہ تھا۔ پھر ایسی عبارت میں درخواست علم کرنا جو محال آمیز ہے اور حرمت کا شبہ پیدا کرتی ہے کس طرح جائز ہو سکتی ہے۔

نمبر ۳۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی خدا تعالیٰ کو دیکھے گا تو ضرور کسی جہت اور سمت میں دیکھے گا اور اس کی کوئی جہت بھی ماننی پڑے گی اور جسم بھی تجویز کرنا ہوگا۔ حالانکہ خدا تعالیٰ جسمانیت جہت اور مکان سے پاک ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نقل کے مقابلہ میں اختراعِ وہمی کام نہیں دے سکتا۔ جب آیات و احادیث سے صراحۃً رویتِ الٰہی کا ثبوت ہے تو پھر ان رکیک اعتراضات سے کیا بنتا ہے۔ اس کے علاوہ عقلاً بھی دیدارِ الٰہی محال نہیں۔ کیونکہ دنیا میں انسان کی نگاہِ خاص محسوسات کے دیکھنے سے تجاوز نہیں کرتی مگر جنت جو عالمِ قدس ہے وہاں یہ حال نہ ہوگا۔ وہاں کی ہر نعمت یہاں کی نعمتوں کے خواص و کیفیات سے پاک ہے۔ وہاں پہنچ کر مادی اجسام روح سے بھی زیادہ لطیف ہو جائیں گے۔ لہٰذا وہاں آنکھیں بھی ویسی ہی ملیں گی جس طرح روح کی آنکھیں اپنی نوری رویت میں جہت و سمت کی محتاج نہیں ہیں۔ اسی طرح جنت والوں کی آنکھیں اپنی لطافت کی وجہ سے نہ جسمانیت کی مقتضی ہیں۔ نہ جہت و سمت اور مکان کی۔

یہاں تک تو رویت کے متعلق اختلاف علماء اور اس کی تحقیق تھی۔ اب رہی پہاڑ پر پروردگار کی جلوہ ریزی کی کیفیت تو اس کے متعلق مختلف احادیث وارد ہیں۔ امام احمد نے بروایت انسؓ روایت کی کہ حضور اقدسؐ نے اپنی چھنگلی کا اوپر کا ذرا سا کنارا بتلاتے ہوئے فرمایا کہ اس قدر نور سے تجلی فرمائی (وقد رواہ الترمذی وقال حسن صحیح والحاکم وقال علی شرط مسلم۔ ورواہ الطبرانی ایضاً۔ وقد روی الحاکم لہ شاھداً عن ابن عباس۔ علامہ نسفی نے شیخ ماتریدی کا قول نقل کیا ہے کہ جبل پر تجلی کرنے کے وہی معنی ہیں جو شیخ اشعری نے بیان کئے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے پہاڑ میں رویت و علم کی قوت پیدا کر دی تھی۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے رب کی جلوہ ریزی کو دیکھا اور تاب نہ لا کر مدکوک ہو گیا۔ تفسیر معالم میں سہل بن سعد ساعدی کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار پردوں میں سے درم کی برابر نور ظاہر فرمایا تھا جس کی وجہ سے پہاڑ کو مدکوک یعنی خاک کی برابر کر دیا۔

مقصودِ بیان

قربِ الٰہی اور مناجاتِ خصوصی کے لئے تربیت روح تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کی ضرورت ہے اور کثافتِ مادی کا دور کرنا لازم ہے۔ لہٰذا خیالات کی یکسوئی اور علمائے روحانی کے لئے کچھ مدت گوشہ نشین ہو کر مراقبہ ریاضت اور عبادت نہایت ضروری ہے۔ چلہ کشی کا جواز یہیں سے ثابت ہوتا ہے۔ ایک نبی کا فریضہ دوسرا نبی عارضی طور پر ادا کر سکتا ہے جس طرح موسیٰؑ کے جانشین ہارون نے کی۔ لیکن اس سے نبوت کی شرکت لازم نہیں آتی بلکہ اصلاحِ خلق، انتظامِ امت اور فتنہ و فساد کو دور کرنے کے لئے یہ خلافت ہوتی ہے۔ نبی اگرچہ معصوم ہوتا ہے اُس کے گمراہ ہونے کا اندیشہ بھی نہیں ہوتا لیکن بھول چوک سے کوئی بری نہیں اور شیطان انسان دوستی و اصلاح کے پیرائے میں انبیاء سے دشمنی کر سکتے ہیں۔ اسی لئے موسیٰؑ نے ہارون سے فرمایا کہ مفسدوں کا کہنا نہ ماننا، ان کا مشورہ نہ قبول کرنا۔ مراد و مطلب خواہ دنیوی ہو یا دینی اور کتنا ہی عظیم الشان ہو مگر اس کے حصول کا ایک خاص وقت اور خاص طریقہ ہے۔ خلافِ وقت اور خلافِ طریقہ حصولِ مدعا ناممکن ہے۔ حضرت موسیٰ کو مشرف بہ کلام کرنے اور شریعت دینے کے لئے وقت کا مقرر کرنا اسی رمز کو بتا رہا ہے۔ کلامِ الٰہی بلا واسطۂ حروف و آواز اپنی اصلی کیفیت کے ساتھ سنا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے سننے کے لئے قوتِ مادیہ کو کمزور کر کے جسمانی کانوں کو بہرا بنا کے روحانی کانوں کو کھولنا لازم ہے۔ دیدارِ الٰہی ممکن ہے۔ مگر دنیا میں یہ مادی آنکھیں جلوۂ الٰہی کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتی ہیں۔ انبیاء کو بعض اوقات ذاتِ الٰہی سے اس قدر قرب ہو جاتا ہے کہ تمام وسائط اٹھ جاتے ہیں اور درمیان میں فرشتوں کی پیامبری کی بھی ضرورت نہیں رہتی قربِ الٰہی میں پہنچ کر عظیم القدر انبیاء بھی اپنی ہستی اور مقتدائی ہستی کو بھول جاتے ہیں۔

مخاطبت کی لذت سے سرشار ہو کر انسان مشاہدہ کی درخواست کرنے لگتا ہے جس طرح حضرت موسیٰؑ نے کیا۔ مقامِ عشق میں پہنچ کر آدمی

toobaafoundation.com

رسوم ادب سے نکل کر میدانِ جرأت میں قدم رکھنے لگتا ہے۔

قربِ الٰہی اور مناجاتِ ربانی کے حصول کے لئے عبادات اور خیالات کی یکسوئی لازم ہے۔ وغیرہ

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ

اللہ نے فرمایا موسیٰؑ میں نے اپنی پیغمبری اور ہمکلامی سے لوگوں پر تم کو امتیاز عطا کیا پس جو کچھ میں نے تم کو

مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ

دیا اُس کو لے لو اور شکرگزار رہو اور ہم نے تختیوں پر موسیٰ کو ہر قسم کی

شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ

نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی (اور حکم دیا کہ) اس کو مضبوطی سے لو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ

يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۗ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

اس کے اچھے احکام پر عمل کریں عنقریب تم کو بدکاروں کا گھر دکھا دوں گا

تفسیر اوپر کی آیات میں حضرت موسیٰؑ کی درخواست مشاہدہ کا جواب نفی معلّق کی صورت میں دے دیا گیا۔ اب ارشاد ہوتا ہے کہ تم اپنے مرتبہ کی حد سے آگے قدم نہ رکھو۔ مناجات و خطاب سے گزر کر معائنہ و مشاہدہ کی طلب نہ کرو۔ بس اسی کو غنیمت سمجھو کہ اس زمانہ کے تمام انسانوں پر ہم نے تم کو برتری عطا کی اپنے احکام پہنچانے کے لئے تمہارا انتخاب کیا اور تم سے کلام کیا۔ تم پر لازم ہے کہ اس کا شکر ادا کرو۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے تختیوں پر لکھ کر موسیٰؑ کو تمام ضروری احکام اور ہر قسم کے ضروری احکام اور ہر قسم کے دینی و دنیوی مصالح تفصیل وار عطا کئے اور حکم دے دیا کہ ان پر خود بھی مضبوطی سے قائم رہو اور اپنی قوم کو بھی حکم دو کہ ان الواح میں جو واقعی بہترین و مفید احکام و نصائح درج ہیں اُن پر عمل کریں اور اب میں تم کو نافرمانوں کی بستی دکھاؤں گا۔

تفصیل مبحث بظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰؑ کو تمام لوگوں پر برتری حاصل تھی کیونکہ لفظ ناس میں کوئی تخصیص نہیں۔ ابن کثیر نے اس کا جواب دیا کہ الناس میں الف لام عہدی ہے جس سے اشارہ اسی زمانہ کے آدمیوں کی طرف ہے۔ یعنی موسیٰؑ کو اس زمانہ کے آدمیوں پر دو طرح کی فضیلت حاصل ہوئی تھی۔ خدا تعالٰی نے انواعِ رسالت یعنی صحیح عقائد، عبادات، معاملات وغیرہ کے تمام احکام دیگر تبلیغ پر مامور فرمایا۔ دوسرے نعمتِ کلام سے سرفراز کیا۔

الواح کی تعداد کتنی تھی؟ ان پر کیا لکھا ہوا تھا؟ اور وہ کس چیز کے بنے ہوئے تھے؟ یہ تمام امور مختلف فیہ ہیں۔ اہلِ کتاب کے نزدیک وہ دو تختے تھے۔ موجودہ توریت کے سفر خروج باب ۳۲ درس ۱۵ میں لکھا ہے کہ موسیٰؑ پھر کر پہاڑ سے اُتر گیا اور شہادت کے دونوں تختے اس کے ہاتھ میں تھے۔ دونوں طرف یا اِدھر اُدھر لکھے ہوئے تھے اور وہ تختے خدا کے ساختہ تھے اور جو کچھ لکھا ہوا تھا وہ خدا کا لکھا ہوا اور اُن پر کندہ کیا ہوا تھا۔ پھر اسی باب میں کچھ آگے لکھا ہے کہ جب موسیٰ نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی پرستش کرتے دیکھا اور اُن کے شور و غل کی آواز سُنی تو اُن لوحوں کو پھینک دیا اور پہاڑ کے نیچے آکر توڑ ڈالا۔ پھر باب ۳۴ میں لکھا ہے کہ خداوند تعالٰی نے موسیٰؑ سے کہا کہ اپنے لئے پہلی لوحوں کے مطابق دو لوحیں پتھر کی تراش اور میں ان لوحوں پر وہ باتیں جو پہلی لوحوں پر تھیں جنھیں تو نے توڑ ڈالا لکھوں گا۔ صبح کو تیار ہو جا اور سویرے کوہ سینا پر چڑھ اور میرے آگے

toobaafoundation.com

وہاں پہاڑ کی چوٹی پر حاضر ہو۔ اس تمام تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ علمائے اہل کتاب کے نزدیک حضرت موسیٰؑ کو پتھر کے دو تختے عطا ہوئے تھے جن پر احکام لکھے تھے لیکن وہ کتنے اور امر و احکام تھے اس کے متعلق علمائے اہل کتاب کا خیال ہے کہ ان الواح کی تعداد سات یا نو تھی اور وہ یاقوت سرخ یا زمرد وغیرہ کے بنے ہوئے تھے۔ جب موسیٰؑ نے ان کو توڑ ڈالا تو پھر بحکم الٰہی پتھر کے تختے بنائے۔

علمائے اسلام کا خیال ہے کہ الواح سے مراد تورات ہے۔ جو لیس روزے کے چلے کے بعد حضرت موسیٰ کو کوہ سینا پر تورات ملی تھی اور ان تختوں پر تمام ضروری مسائل درج تھے۔ بنی اسرائیل کے لئے جن احکام کی تفصیل کی ضرورت تھی اور جو نصیحت اُن کے لئے مفید تھی وہ سب ان میں موجود تھی۔ قرآن پاک کی آیت اسی پر دلالت کرتی ہے۔ نیز سفر استثناء کے باب ۲۷ آیت ۸ میں مذکور ہے تو یہاں سنگہا تمامی کلمات ایں توریت با بخط روشن بنویس۔ اور کتاب یوشع کے آٹھویں باب میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ کے حکم کے موافق ایک مذبح بنایا اور اس کے پتھروں پہ توریت کو کھود دیا۔

قوت کے ساتھ لینے کے معنی بقول ابن عباس رضؓ یہ ہیں کہ جو کچھ اس میں حلال کیا گیا ہے اس کو حلال سمجھو اور جو کچھ حرام کیا گیا ہے اُس کو حرام جانو اور اُس پر مضبوطی کے ساتھ عمل کرو۔

يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا کے لفظ سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید تورات میں کچھ احکام غیر احسن اور قبیح بھی تھے۔ اس کا جواب زمخشری نے کشاف میں دیا ہے جس کو بیضاوی اور امام رازی نے بھی پسند کیا ہے کہ جو احکام تکلیفیہ بنی اسرائیل کو دیئے گئے تھے ان میں بعض حسن تھے اور بعض احسن۔ اس آیت میں حکم دیا گیا کہ ہر شخص اُسی بات پر خود بھی عمل کرے اور دوسروں کو بھی آمادہ کرے جو بھلائی میں زیادہ اور ثواب میں بیش ہو مگر اس فقیر کے نزدیک یہ جواب کچھ زیادہ مناسب نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں لازم آتا ہے کہ تورات میں جو احکام حسن کا درجہ رکھتے ہیں وہ مامور بہ کے خلاف اور ممنوع قرار پائیں اور درجۂ جواز سے بھی ساقط ہو جائیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ورنہ حسن احکام کے نزول کا فائدہ کچھ نہ ہوگا بلکہ صحیح مطلب تحقیق لغوی کے مطابق بالکل صاف ہے۔ أَحْسَنِهَا میں اضافت ہے اور اضافت جس طرح بتقدیر لام و من ہوتی ہے اسی طرح بتقدیر فی بھی ہوتی ہے۔ یہاں اضافت بتقدیر فی ہے۔ احسن ضرور افعل التفضیل ہے لیکن تفضیل البعض یا تفضیل الکل مراد نہیں ہے بلکہ تفضیل نفسی مراد ہے یعنی واقع میں بغیر لحاظ امر آخر کے ان احکام میں بہت زیادہ حسن ہے۔ اب مطلب ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل اُن احکام پر عمل کریں جو واقعی طور پر بہترین ہیں اور تورات میں درج ہیں۔ واللہ اعلم۔

دَارَ الْفٰسِقِيْنَ سے مراد عطیہ عوفی کے نزدیک ملک مصر ہے مگر یہ غلط ہے۔ کیونکہ بنی اسرائیل لوٹ کر مصر نہیں گئے۔ حسن و عطا کے نزدیک اس سے مراد جہنم ہے۔ سدی کے نزدیک دیار جبابرہ و عمالقہ مراد ہیں۔ قتادہ نے خاص کر ملک شام مراد لیا ہے۔ یہ واقعات اور قرینہ کے مطابق ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ کوئی مخصوص مکان مراد نہیں بلکہ درحقیقت یہ تہدید و وعید ہے۔ جس طرح زید اپنے مخاطب سے کہتا ہے کہ میں تجھے دو روز میں دکھا دوں گا کہ مخالفت کر کے کیسی خانہ بربادی ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی دھمکی کے کلمات ہیں۔ مجاہد و حسن بصری اس معنی کے قائل ہیں۔ ہمارے نزدیک بھی یہی تفسیر زیادہ موزوں ہے۔

مقصود بیان خواہش مشاہدہ سے باز رہ کر حد مناجات پر قناعت کرنے کی تلقین۔ رسالت و مکالمہ کے عظیم القدر ہونے کی صراحت۔ اس امر کی صراحت کہ نبی اپنے زمانہ کے لوگوں سے برتر ہوتا ہے۔ اس امر کی طرف ایما کہ رسالت و نبوت عطیۂ الٰہی ہے، کسبی نہیں ہے اس لئے اس کا شکریہ واجب ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو تختوں پر لکھی ہوئی تورات ایک دم ملی تھی، رفتہ رفتہ احکام نازل نہ ہوتے تھے۔ تورات میں اس زمانہ کی ضرورت کے مطابق تمام ضروری احکام درج تھے۔ حضرت موسیٰ بھی توریت پہ کاربند رہنے پر مامور تھے۔ نبی پر دو فرض ہوتے ہیں۔ اول خود نہایت پختگی کے ساتھ تعمیل حکم الٰہی کرنا اور پھر دوسروں کو تبلیغ کرنا۔ احکام الٰہی سب کے سب بہترین ہوتے ہیں۔ وغیرہ

toobaafoundation.com

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ

اور اپنی آیتوں سے عنقریب ان لوگوں کو پھیر دوں گا جو ناحق ملک میں سرکشی کرتے ہیں اگر یہ لوگ تمام

يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ

نشانیاں دیکھ لیں تب بھی اُن پر ایمان نہ لائیں اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھ لیں تب بھی اس کو راہِ عمل

سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

نہ بنائیں اور اگر کجی کا راستہ دیکھیں تو اُس کو راہِ عمل بنائیں اس کا سبب یہ ہے کہ انھوں نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ

ہماری آیتوں کو جھوٹ سمجھا اور اُن سے غافل رہے جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو اور آخرت کے پیش آنے کو جھوٹ

الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ع

سمجھا اُن کے اعمال اکارت گئے جیسا وہ کرتے تھے ویسی ہی اُن کو سزا دی جائے گی

تفسیر اوپر کی آیات میں حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا گیا تھا کہ توریت پر مضبوطی سے قائم رہو اور بنی اسرائیل کو بھی اس پر عمل کرنے کا حکم دو۔ ان آیات کا حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ گمراہی اور ہدایت ہمارے اختیار میں ہے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔ بصیرت عطا کرتے ہیں۔ وہ آیاتِ قدرت میں غور و تامل کرتا ہے۔ ان سے صانعِ قادر پر استدلال کرتا ہے۔ نبی کے احکام کی تعمیل کرتا ہے اور جس کو چاہتے ہیں گمراہ چھوڑ دیتے ہیں۔ آثارِ قدرت پر غور نہیں کرتا۔ احکامِ منزلہ کو نہیں مانتا، انبیاء کی تعلیم پر نہیں چلتا۔ اس کی طبیعت کج ہوتی ہے۔ قدرت کی ہر نشانی اس کے لئے بے سود ہوتی ہے۔ اس کو کسی طرح یقین نہیں آتا۔ راہِ راست پر نہیں چلتا۔ ہاں گمراہی کو اختیار کرتا ہے۔ خدا بھی ایسے شخص کی نظر پھیر دیتا ہے۔ آیاتِ منزلہ اور آثارِ قدرت میں غور کرنے کا اس کو موقع ہی نہیں رہتا۔ مگر اس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے اُس پر کوئی ظلم نہیں ہوتا بلکہ یہ اس کے کئے کی سزا ہوتی ہے وہ خود تکذیبِ آیات کرتا ہے اور آثارِ قدرت کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ خدا بھی اس کی نظر پھیر دیتا ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ انبیاء کی تعلیم پر نہ چلنے والے آیاتِ الٰہیہ کی تکذیب کرنے والے اور قیامت کا انکار کرنے والے اس بات پر مغرور نہ ہوں کہ انھوں نے کچھ نیکیاں کی ہوں گی تو ان کی جزا ان کو ملے گی۔ ایسی بے ضابطہ اور خلافِ قاعدہ بھلائیاں بھی قابلِ اعتبار نہیں۔ شرک و انکار کے ساتھ تمام اعمالِ خیر رائیگاں جاتے ہیں اور ان کا رائیگاں جانا خود ان ہی کے کرتوت کی پاداش میں ہے۔ خلاصہ یہ کہ کافر منکر کی کوئی نیکی قبول نہیں کرتا۔

مختصر تشریح آیات سے مراد عام آیات ہیں۔ خواہ وہ آیات ہوں جو خدا تعالیٰ نے اپنے نبی پر نازل فرمائی ہیں یا وہ نشانہائے قدرت ہوں جو عالم میں بصیرت اندوز نظر رکھنے والے کے لئے خدا تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں۔

تکبرِ ناحق کے دو معنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان لوگوں کو تکبر کا استحقاق نہیں ہوتا ان کے اندر کوئی بڑائی نہیں ہوتی۔ پھر بھی ناحق طور پر وہ اپنے کو بڑا جانتے اور آیاتِ الٰہی سے انکار و سرکشی کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کے اندر دو خرابیاں ہیں ایک تو تکبر کرتے ہیں جو بہر حال ناجائز ہے خواہ حق پر ہو یا باطل پر ہو۔ دوسرے یہ کہ اُن کے پاس حقانیت بھی نہیں۔ ایسی کوئی چیز نہیں جس پر وہ تکبر کر سکیں۔ باطل پر تکبر کرتے ہیں۔

toobaafoundation.com

مقصود بیان آیاتِ الٰہی پر غور کرنا اور اُن سے بصیرت و عبرت حاصل کرنا واجب ہے۔ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ ظالم نہیں بلکہ ہر شخص جس طرح اپنی قوت کو متوجہ کرتا ہے خدا بھی ویسا ہی کر دیتا ہے۔ بعض اشخاص کو دنیا میں بھی ان کے اعمال کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ جو شخص گمراہی و سرکشی میں گھستا چلا جائے اور خدا تعالیٰ اس کی مدد نہ کرے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ اس کے میلانِ طبعی اور گزشتہ کرتوت کی سزا ہے۔

کافر و مشرک کی کوئی نیکی قبول نہیں۔ فقط توحید و اقرارِ رسالت اور عملِ خیر نجات کے لئے کافی نہیں جب تک قیامت اور اس کی سزا جزا پر ایمان نہ ہو۔ وغیرہ

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ

اور موسیٰؑ کی قوم نے موسیٰ (کے جانے کے) بعد اپنے زیوروں کا ایک بچھڑا یعنی ایک مجسمہ بنا لیا جس کی گائے جیسی آواز تھی کیا انھوں

يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ○

لے یہ بھی نہ دیکھا کہ نہ وہ اُن سے بات کرتا ہے نہ اُن کی رہنمائی کرتا ہے اس کو انھوں نے معبود بنا لیا اور وہ ظالم تھے

وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا

اور جب وہ پچھتائے اور دیکھا کہ واقعی وہ گمراہ ہو گئے تو کہنے لگے اگر ہم پر ہمارا رب رحم نہ کرے گا

رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○

اور ہم کو نہ بخشے گا تو ہم ضرور زیاں کار ہو جائیں گے

تفسیر جب حضرت موسیٰؑ تورات لینے گئے اور ایک مہینہ کی میعاد مقرر کر کے اپنے بھائی ہارون کو اپنا جانشین بنا کے طور پر چلے گئے اور وہاں دس روز کی تاخیر ہو گئی تو بنی اسرائیل آخری دہائی میں بدگمانی کرنے لگے۔ راستہ میں ویسے ہی بت پرست قوموں کی طرف سے گزر ہوا تھا جن کو دیکھ کر ان کا بھی بت پرستی کے لئے دل للچایا تھا مگر حضرت موسیٰ کے ڈانٹنے سے چپ ہو رہے تھے۔ اس کے علاوہ مصر میں قبطیوں کو گئو پوجا کرتے دیکھا تھا اور طبعاً اس کے خوگر ہو گئے تھے۔ اب حضرت موسیٰؑ کی طویل غیبت کی وجہ سے اُن کی جہالت کو آزادی ملی۔ بنی اسرائیل میں ایک شخص سامری سُنار تھا اور بڑا عیار تھا۔ بنی اسرائیل کے پاس قبطیوں سے مانگ کر لائے ہوئے سونے کے زیور تو موجود ہی تھے۔ اُس نے فوراً لوگوں سے زیور لے کر ایک بچھڑا ڈھالا اور اس کے پیٹ کے اندر وہ خاک ڈال دی جو حضرت جبرئیلؑ کے قدم کے نیچے سے اس نے حاصل کی تھی۔ حضرت جبرئیل ایک روز سوار کی صورت میں حضرت موسیٰؑ کے پاس آئے تھے۔ سامری کو کسی ڈھب سے اطلاع ہو گئی۔ جب جبرئیل واپس جانے لگے تو اس نے دیکھا کہ جہاں گھوڑے کا قدم پڑتا ہے وہ جگہ سبز ہو جاتی ہے۔ اُس نے سمجھ لیا کہ یہ خاک حیات بخش ہے۔ بس فوراً تھوڑی سی خاک لے کر رکھ لی اور وہی خاک بچھڑے کے پیٹ میں ڈال دی۔ بچھڑا اچھا خاصہ زندہ گئو سالہ معلوم ہونے لگا اور بے ڈھب آوازیں مارنے لگا۔ بنی اسرائیل نے یہ عجیب واقعہ دیکھا تو چونکہ محسوس پرستی کے خوگر تھے فوراً بلا تامل اس بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ یہ نہ سوچا کہ جو بچھڑا نہ تو باتیں کر سکتا ہے، نہ ہماری کسی طرح رہنمائی کرنے کی اس میں طاقت ہے پھر اس کی پرستش کیوں کریں۔ مگر چونکہ صحیح تصور اور صحیح عمل کی ان میں طبعی اور ذاتی خو بو نہ تھی، عقل و نظر سے بالکل بے بہرہ تھے۔ اتنا بھی نہیں سمجھتے تھے کہ شانِ الوہیت کسی عاجز مخلوق میں کیونکر پیدا ہو سکتی ہے اس لئے بلا گنتی لگے سجدے کرنے۔ لیکن حضرت موسیٰؑ کی واپسی کے بعد جب

toobaafoundation.com

حقیقتِ واقعہ کا ان کو علم ہوا اور اپنی گمراہی ثابت ہوگئی تو بہت پشیمان ہوئے اور بڑی توبہ استغفار کی۔

تفصیل اجزاء

جَسَدًا کے بعد لَهٗ خُوَارٌ کہنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ فقط بچھڑے کی مورت ہی نہ رہی تھی بلکہ اچھا خاصا جیتا جاگتا گوسالہ بن گیا تھا اور وہ بچھڑا بعض کے نزدیک صرف ایک مرتبہ بولا تھا۔ لیکن بعض مفسرین کا قول ہے کہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد متعدد آوازیں نکالتا تھا لیکن بنی اسرائیل اس کے سامنے سجدے میں گر پڑتے تھے اور جب وہ چپ ہو جاتا تھا تو سجدہ سے سر اٹھاتے تھے وہب کا قول ہے کہ اس کی فقط آواز نکلتی کوئی حرکت نہ کرتا تھا لیکن سدی اس کے متحرک ہونے کے بھی قائل ہیں۔

بچھڑا سونے کا تھا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ کسی ترکیب سے سامری نے اس کو کھوکھلا بنایا تھا کہ اس کے اندر ہوا بھر جاتی تھی اور کسی قدر دباؤ کے ساتھ منہ سے نکلتی تھی جس کی وجہ سے سامری کے بہکانے سے بے وقوف لوگوں نے یقین کر لیا کہ یہ صرف ہمارا ہی خدا نہیں بلکہ موسیٰ کا بھی معبود ہے لیکن اکثر مفسرین کا قول وہی ہے کہ اس بچھڑے کی آواز حضرت جبرئیل کے قدم کے نیچے کی خاک کی وجہ سے تھی جس کا خود قرآن میں ذکر موجود ہے۔ پہلا گروہ کہتا ہے کہ قرآن نے صرف سامری کا عذر نقل کیا ہے۔ یہ کیا ضروری ہے کہ وہ صحیح بھی ہو۔ غالب تر یہ بات ہے کہ سامری نے اپنی کارستانی چھپانے کے لئے حضرت موسیٰؑ سے یہ جھوٹا عذر کر دیا ہو۔

گوسالہ پرستی کتنے لوگوں نے کی تھی؟ تو اس کے متعلق حسن بصری کا خیال ہے بلکہ روایت ہے۔ حضرت ہارون کی سب قوم نے پوجا کی تھی۔ کیونکہ آیت میں عموم ہے۔ اس کے علاوہ حضرت موسیٰؑ نے توبہ و استغفار کرتے وقت صرف اپنی ذات اور اپنے بھائی کی ذات کو مخصوص فرمایا مگر علماء کا قول ہے کہ کچھ لوگوں نے گوسالہ پرستی کی تھی۔ کیونکہ قوم بنی اسرائیل میں کچھ لوگ اہلِ ارشاد و ہدایت بھی تھے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ الآیۃ۔ اور ایسے ہدایت یافتہ ہادیان سے گوسالہ پرستی کا ارتکاب بعید ہے۔

مقصود بیان

بنی اسرائیل کی طبعی اور عادی محسوس پرستی کے شوق کا اظہار، ان کی سرکشی اور سخت دلی کی صراحت، نیز ان کی بیوقوفی اور جہالت کی نص۔ ان لوگوں کو تنبیہ جو شانِ الوہیت کسی مخلوق میں تصور کرتے اور عقل و نظر سے یا محض اندھے بن جاتے ہیں۔ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ معبود کا خود مختار ہادی و قادر ہونا ضروری ہے۔ اس امر کی تصریح کہ بنی اسرائیل کو اپنی گمراہی کا بعد کو علم ہو گیا تھا اور ان کو اپنے کئے کا پچھتاوا بھی ہوا تھا۔ وغیرہ

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ

موسیٰؑ جب اپنی قوم کے پاس غم و غصہ میں بھرے ہوئے لوٹ کر آئے تو بولے میرے بعد تم لوگوں نے بہت بری

مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ

نیابت کی کیا تم اپنے پروردگار کے حکم پر جلدی کر بیٹھے موسیٰ نے تختیاں پھینک دیں اور اپنے بھائی کے سر کے بال

يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۡ ۖ

پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے ہارون نے کہا میرے ماں جائے قوم نے مجھے ناتواں سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالیں

فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَالَ

اب آپ دشمنوں کو مجھ پر نہ ہنسائیں اور ظالم قوم کے ساتھ مجھے شامل نہ کریں موسیٰؑ نے

toobaafoundation.com

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ ع ۱۸ ۸

کہا پروردگار! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہم کو اپنی رحمت میں لے لے تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر اُدھر طور پر حضرت موسیٰؑ کو بذریعہ وحی قوم کی حالت کی اطلاع ملی تو آپ غضبناک ہو کر وہاں سے لوٹے اور آ کر قوم کا حال دگرگوں پایا تو بولے میرے کوہ طور پر جانے کے بعد تم پہ کیا بُری حرکت کر بیٹھے؟ کیا میری نیابت و جانشینی کا یہی اقتضا تھا؟ میں تو صرف چالیس دن کے لئے تورات لینے گیا ہوا تھا۔ اس مدت کے اختتام کا بھی انتظار نہ کیا۔ ایسی عجلت کی کہ حکم پروردگار کا انتظار کئے بغیر جھٹ پٹ گوسالہ بنا کر پوجنا شروع کر دیا۔ اتنا بھی توقف نہ کیا کہ میں خدا کے احکام لینے گیا ہوں آتو جاؤں اور خدا کے حکم تم تک پہنچ تو جائیں۔ یہ کہہ کر غصہ اور رنج کے مارے توریت کی وہ تختیاں جو طور سے لائے تھے جلدی سے ایک طرف کو رکھ کر اپنے بھائی ہارون کے سر کے بال پکڑ کر علی الاعلان کھینچنے لگے کہ تم نے بچھڑ بناتے وقت کیوں نہ روکا۔ حضرت ہارون نے انتہائی لجاجت سے عذر پیش کیا اور بنی اسرائیل کی سرکشی ظاہر کی جس کے بعد حضرت موسیٰؑ کا غصہ فرو ہوا اور آپ نے اپنے اور اپنے بھائی کی طرف سے بارگاہِ الٰہی میں دعا و استغفار و اظہارِ برأت کیا۔

تحقیق مبحث یہ فعل حضرت ہارون کی شرکت سے نہ ہوا تھا بلکہ محض سامری نے ایسا کیا تھا۔ قرآن کی صراحت سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا توریت کی وہ صراحت غلط ہے جس میں حضرت ہارون کو اس حرکت کا مرتکب قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ نبی کی شان اس قسم کی لغزت سے بہت بلند ہے۔

(۲) اَلْقَى الْاَلْوَاحَ کا مطلب بعض مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے توریت کی تختیاں پھینک دی تھیں اور وہ ٹوٹ بھی گئی تھیں یہاں تک کہ اُن کے چھ سات ٹکڑے ہو گئے اور صرف مواعظ کا حصہ باقی رہ گیا۔ باقی غیبی اطلاعات کا جتنا حصہ تھا وہ سب مٹ گیا۔ بعض لوگ ابن عباسؓ سے اس قسم کی ایک روایت کرتے ہیں لیکن اس کی تردید خود قرآن کی اس صراحت سے ہوتی ہے کہ جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو انھوں نے تختیوں کو لے لیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ الواح بجا لہا باقی تھیں۔ پھر کلام الٰہی کی تختیوں کو بدتہذیبی سے پھینک دینا شانِ نبوت کے خلاف ہے۔ اس لئے امام رازی نے تفسیر کبیر کہا کہ قرآن مجید میں تختیوں کو پھینک دینے اور اُن کے ٹوٹ جانے کا کہیں تذکرہ نہیں۔ البتہ لفظ القاء مذکور ہے لیکن القاء کے معنی پھینک دینے کے لینا لازم نہیں بلکہ غضب کی حالت میں ایک طرف کو رکھ دینے کے معنی بھی ہو سکتے ہیں۔

(۳) یہاں پر حضرت ہارون کے سر کے بالوں کو پکڑ کر کھینچنا مذکور ہے لیکن دوسری آیت میں داڑھی کو پکڑ کر کھینچنا بیان کیا گیا ہے اور بظاہر دونوں میں اختلاف معلوم ہوتا ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ دائیں ہاتھ سے سر کے بالوں کو اور بائیں ہاتھ سے داڑھی کو پکڑ کر کھینچا ہو۔ اس تصریح کے بعد کوئی اختلاف بیان نہیں رہتا۔

مقصود بیان کوئی نبی معصیت الٰہی پر رضامند نہیں ہو سکتا۔ آیت بتا رہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی کے مقابلہ میں بھائی برادر اور بڑے چھوٹے کی محبت کوئی چیز نہیں۔ سب سے ترکِ تعلقات اور سب کو انتہائی سرزنش کرنا لازم ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ کی سخت گرفت کی اور کچھ پروا نہ کی کہ یہ میرا بھائی ہے۔ آیات بتا رہی ہیں کہ موسیٰؑ کے مقابلہ میں ہارون کا اثر قوم میں کم تھا۔ حضرت ہارون نے بقدر امکان گوسالہ پرستی سے روکا لیکن جب قوم والے مار ڈالنے پر آمادہ ہو گئے تو آپ نے یکسوئی اختیار کی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شرک کو تا حدِ امکان روکنا چاہیئے۔ جب جان کا اندیشہ یقینی ہو جائے اس وقت اگر یکسوئی اختیار کر لی جائے تو قابلِ مواخذہ نہیں۔ شماتتِ اعداء بری بلا ہے۔ انبیاء بھی اس سے بچنے کی استدعا کرتے تھے۔ ظلم کا ابتدائی درجہ اگرچہ معمولی گناہ ہے مگر انتہائی درجہ شرک و کفر ہے اسی لئے کافروں کو بھی ظالم کہا گیا۔ بنی اسرائیل بڑی سرکش قوم تھی۔

toobaafoundation.com

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي

بیشک جن لوگوں نے گوسالہ کو معبود بنایا تھا اُن پر اُن کے رب کا غضب اور دنیوی زندگانی میں ذلت

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ۝ وَالَّذِينَ عَمِلُوا

پہنچے گی اور افترا پردازوں کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں اور جن لوگوں نے بُرے

السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا وَآمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا

کام کئے پھر اُن کے بعد توبہ کرلی اور ایمان لے آئے تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد ضرور اُن کو

لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے

تفسیر اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ بعض علماء اس آیت کے ظاہری الفاظ کو حقیقت پر محمول کرتے ہیں اور بعض مجازی معنی لیتے ہیں۔ اول گروہ کے نزدیک یہ مطلب ہوگا کہ حضرت موسیٰؑ سے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے واقعی گوسالہ پرستی کی ان کی سزا مقرر ہو چکی ہے۔ دو قسم کی سزا اُن کو برداشت کرنی ہوگی۔ ایک تو اللہ کی طرف سے ان پر غضب ٹوٹے گا یعنی ان کو قتل کر دیا جائے گا۔ دوسرے ذلت اٹھانی ہوگی اور یہ ذلت صرف انہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ قانونِ قدرت بھی ہے کہ خلافِ قدرت عمل کرنے والوں اور خدا پر بہتان باندھنے والوں کو یونہی ذلت نصیب ہوتی ہے۔ ہاں جو لوگ گناہوں سے تائب ہو کر صدقِ دل سے ایمان لے آئیں گے تو خدا ان کو معاف کر دے گا۔

دوسرے گروہ کا قول ہے کہ ان آیات سے وہ لوگ مراد ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے اور اپنے اسلاف پر فخر کیا کرتے تھے اور اسلاف کے اس قبیح فعل کو بنظرِ استحسان دیکھا کرتے تھے۔ چونکہ وہ لوگ اپنے آباؤ اجداد کو موردِ طعن اور مرتکبِ جرم قرار دینے پر راضی نہ تھے اس لئے ان کو گوسالہ پرست کہا گیا۔ اس تقدیر پر مطلب یہ ہوگا کہ اس زمانہ میں جو یہودی شرک و نافرمانی پر اڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف ہیں ان کو عنقریب آخرت میں غضبِ الٰہی پہنچے گا۔ سخت سزا میں ماخوذ ہوں گے اور دنیا میں بھی ان کو ذلت نصیب ہوگی۔ قتل ہوں گے۔ جلاوطن کئے جائیں گے، جزیہ دیں گے۔ حکومت جاتی رہے گی۔

ابن عباسؓ سے بھی یہی تفسیر مذکور ہے۔ لیکن اس پر شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ سورت مکی ہے مدینہ کو اُس وقت تک ہجرت نہ ہوئی تھی۔ پھر یہودیوں کا رسول اللہؐ سے سرکشی کرنا اور مخالفت پر اڑے رہنا کیا معنی رکھتا ہے؟

اس کا جواب اس طور پر دیا گیا ہے کہ ان آیات میں غیب کی خبر اور آنے والے واقعات کی اطلاع دی گئی ہے۔ ہمارے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ اگر ابن عباسؓ کی موخر الذکر تفسیر کی روایت پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تب تو کسی دوسری موخر الذکر تفسیر کا جواز ہی ساقط ہو جاتا ہے۔ صحابی سے بہتر کلام پاک کی تفسیر کون کر سکتا ہے اور اگر روایت ثابت نہ ہو تو صاف معنی یہ ہیں کہ کلام کو حقیقت پر محمول کیا جائے۔ چونکہ آیات میں گوسالہ پرستوں پر دو قسم کے عذاب کا نزول بیان کیا ہے۔ ایک تو غضبِ الٰہی میں مبتلا ہونا، دوسرے دنیوی ذلت میں ماخوذ ہونا۔ تو واضح مطلب اس صورت میں یہ ہوگا کہ جن لوگوں نے گوسالہ پرستی کی، بچھڑے کو واقعی طور پر پوجا اُن کو آخرت میں عذابِ الٰہی پکڑے گا اور دنیا میں طرح طرح کی ذلتیں اُن کو نصیب ہوں گی۔ کبھی کیخسرواں کی نسل کو عام طور پر یروشلم میں قتل کرے گا۔ کبھی بخت نصر کے ہاتھوں ان کی تباہی ہوگی۔ وہ خود جنگلوں میں مارے مارے پھریں گے

toobaafoundation.com

اور ذلت و مسکنت سے اُن کو دوچار ہونا پڑے گا۔ ہاں ان میں سے جن لوگوں نے توبہ کرلی جو اُن کے لئے مقرر ہو چکا ہے تو وہ آخرت کے عذاب سے بچ جائیں گے اور ان کی نسل کو ذلت نہ اُٹھانی پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ اُن کو معاف کر دے گا۔

تحقیق مبحث

(۱) كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ۝ کا مطلب یہ ہے کہ قانونِ قدرت صرف گوسالہ پرستوں کے لئے مخصوص نہیں ہے، بلکہ کوئی مفتری ہو، غیر اللہ کی پرستش کرتا ہو، ظالم ناحق شناس ہو، اُس کو ایسی ہی سزا دی جاتی ہے۔ اس میں عرب کے مشرکوں کو بھی تہدید ہے، جو سانڈ چھوڑا کرتے، تیروں سے فال لیا کرتے، مُردار کو کھایا کرتے، ننگے بدن طوافِ کعبہ کرتے اور بُت پرستی میں بھی انہماک رکھتے تھے۔
اس وعید میں اسلام کے بدعتی بھی شامل ہیں جو اسلام کے عقائد و عبادات اور اعمال و رسوم میں اپنی طرف سے اختراع کرتے اور ان کو احکامِ اسلامی جانتے ہیں۔ مالک بن انس رحمہ فرماتے ہیں کہ ہر بدعتی کے سر پر ذلت سوار ہوگی۔ اگرچہ اس کو شعور نہ ہو۔ کیونکہ دین میں بدعت پیدا کرنے والا افتراء پرداز ہے۔ ابو قلابہ فرماتے ہیں کہ واللہ یہ حکم قیامت تک ہر مبتدع و مفتری کے لئے ہے۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ ہر بدعت والا ذلیل ہوتا ہے۔
(۲) تَابُوْا کے بعد لفظ اٰمَنُوْٓا ذکر کیا۔ اس سے مُراد یہ ہے کہ یہ حکم صرف اہلِ ایمان ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ کافر ہو یا مُسلم جو بھی توبہ کرنے کے بعد ایمان لائے گا خدا تعالیٰ اُس کو معاف فرما دے گا۔ حدیثِ صحیح میں وارد ہے کہ اسلام لانے سے تمام گزشتہ گناہ مِٹ جاتے ہیں اور آدمی ایسا صاف ہو جاتا ہے گویا آج ہی پیدا ہوا ہے۔ لہٰذا مومن اگر گناہ سے توبہ کرے تو آئندہ اس کا ایمان یہ ہے کہ تقویٰ اور صلاح پر قائم رہے اور احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی نہ کرے اور کافر کے توبہ کے بعد ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ کی پرستش چھوڑ دے، عقائدِ اسلامیہ کا یقین رکھے اور اعمالِ اسلامیہ پر کاربند ہو جائے۔

مقصود بیان

اس امر کی صراحت کہ یہودیوں میں سے مخصوص طبقہ دنیوی ذلت میں گرفتار ہوگا۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ تمام اہلِ ہوٰی اور مفتری دنیا میں تباہ اور ذلیل اور آخرت میں رسوا و خستہ ہوں گے۔ ہر قسم کے گناہ و شرک کے بعد درِ توبہ کھلے رہنے کا اعلان۔ احکامِ الٰہی کی نافرمانی و خلاف ورزی سے ترہیب اور اسلام و تقویٰ کی ترغیب وغیرہ۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى

جب موسیٰؑ | کا غصہ | فرو ہوا | تو انھوں | نے تختیاں | اُٹھالیں | اُن کے | مضامین میں | اُن لوگوں کے

وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ۝

لئے جو اپنے | رب سے | ڈرتے ہیں | ہدایت اور | رحمت | تھی

تفسیر

اس کا اتصال گزشتہ قصّہ سے ہے۔ یعنی جب حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لعنت ملامت، بھائی کو سرزنش اور توبہ و استغفار کر چکے اور غصہ ساکن ہو گیا تو آپ نے تختیاں اُٹھائیں۔ اُن میں احکامِ شریعت اور ہدایت و موعظت کی باتیں لکھی ہوئی تھیں جن پر عمل کر کے اہلِ سعادت و تقویٰ نجات حاصل کر سکتے تھے اور رحمتِ الٰہی اُن کے شاملِ حال ہو سکتی تھی۔ گویا اُن الواح میں ایسی باتیں درج تھیں جو گمراہی سے نکال کر ہدایت اور عذاب سے بچا کر رحمت کی طرف لانے والی تھیں۔ حافظ ابن کثیرؒ نے یہاں قتادہ کی ایک طویل روایت نقل کی ہے جس کو صاحبِ معالم نے بھی بیان کیا ہے۔ ہم بھی اس کو بطورِ اختصار بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں:

قتادہ کہتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰؑ نے الواح کو پڑھا تو ان میں بہت سی باتیں اُن کو ملیں۔ عرض کیا پروردگار! میں الواح میں پاتا ہوں کہ ایک بہترین اُمت ہوگی جو بھلائی کا حکم دے گی اور بُرائی سے روکے گی تو وہ اُمت میری بنا دے۔ ارشاد ہوا وہ اُمتِ احمدیہ ہے۔ عرض کیا میں الواح میں پاتا ہوں کہ ایک اُمت سب سے بعد کو آئے گی۔ مگر سب سے سابق ہوگی تو وہ اُمت میری بنا دے۔ ارشاد ہوا وہ اُمتِ احمدیہ ہے۔ عرض کیا میں الواح

toobaafoundation.com

میں پاتا ہوں کہ ایک امت ہوگی جس کی انجیلیں ان کے سینوں میں ہوں گی یعنی ان کو حفظ ہوں گی اور وہ پڑھا کریں گے۔ تو وہ میری اُمت بنا دے۔ حکم ہوا وہ اُمتِ احمدیہ ہے۔ عرض کیا کہ میں الواح میں پاتا ہوں کہ ایک امت ہوگی جن کا ایمان اپنی کتاب پر نیز گزشتہ کتابوں پر ہوگا جو گراہوں سے جہاد کریں گے۔ اور دجال کو قتل کریں گے تو اس کو میری امت بنا دے۔ حکم ہوا وہ امتِ احمدیہ ہے۔ عرض کیا میں الواح میں پاتا ہوں کہ ایک امت ہوگی جو اپنے صدقات خود کھائے گی اور اس کا ثواب پائے گی تو اس کو میری امت بنا دے۔ ارشاد ہوا وہ امتِ احمدیہ ہے۔ عرض کیا میں الواح میں پاتا ہوں کہ ایک اُمت ہوگی جو اگر نیکی کرنے کا ارادہ کرے گی تو اس کو ایک نیکی کا ثواب ملے گا اور اگر کرے گی تو دس گنہ سے لے کر سات سو گنہ تک اس کا ثواب ملے گا تو اس کو میری امت بنا دے۔ ارشاد ہوا وہ امتِ احمدیہ ہے۔ عرض کیا میں الواح میں پاتا ہوں کہ ایک اُمت ہوگی جو (قیامت کے دن) شفاعت کرے گی اور اس کی شفاعت مقبول بھی ہوگی تو اس کو میری امت کر دے۔ حکم ہوا وہ امتِ احمدیہ ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ ہم سے کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے الواح کو ہاتھ میں لے کر عرض کیا کہ پروردگار! مجھ کو احمدؐ کی امت کر دے۔

اس روایت میں اگرچہ ضعف ہو لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ جن امور کا اس روایت میں ذکر کیا گیا ہے اور جو خصوصیات امتِ احمدیہ کے بیان کیے گئے ہیں ان کا تذکرہ توریت میں ضرور تھا اور تمام علامات بیان کی گئی تھیں۔ مزید ثبوت کے لئے دیکھو، دین اللہ مؤلفہ ڈاکٹر توفیق مصری۔ مطبوعہ مصر۔

مقصودِ بیان

اہلِ ایمان کو ترغیب و بشارت، اس بات کی طرف ایما کہ غصہ انسان کو مختل الحواس کر دیتا ہے اور وہ غضب کی حالت میں اصل مقصود کی طرف سے تھوڑی دیر کے لئے جائز و ناجائز چشم پوشی کر لیتا ہے اور جب غصہ فرو ہو جاتا ہے تو پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس امر کی صراحت کہ توریت میں ہدایت و رحمت دونوں چیزیں تھیں۔ گمراہی سے بچنے کے طریقے بھی بتائے گئے تھے اور عذاب سے محفوظ رہنے کے قوانین بھی۔ اس بات کی ضمنی وضاحت کہ احکامِ الٰہی، قوانینِ شریعت اور قواعدِ ہدایت و رحمت سے حقیقی فائدہ اُنہی لوگوں کو ہوتا ہے جو اہلِ تقویٰ اور صاحبِ ورع ہوتے ہیں۔ جن کے خمیر میں خدا ترسی اور پرہیزگاری گوندھی ہوئی ہوتی ہے۔ جن کی سرشت میں ہدایت کا مادہ اور تمام مصالحہ تیار ہوتا ہے۔ صرف دیا سلائی گھسنے اور برقی بٹن دبانے کی دیر ہوتی ہے۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

اور موسیٰؑ نے ہمارے مقرر کردہ وقت کے لئے اپنی قوم کے ستر آدمی چن لئے اور جب اُن کو زلزلے نے پکڑ لیا

قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ

تو موسیٰ نے کہا اگر تو چاہتا تو پہلے ہی مجھے اور اُن کو ہلاک کر دیتا کیا اُس حرکت پر جو ہم میں سے

السُّفَهَاۗءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاۗءُ وَتَهْدِيْ

نادان کر بیٹھے ہیں تو ہم کو ہلاک کئے دیتا ہے یہ سب تیرا ہی امتحان ہے تو اس میں جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے

مَنْ تَشَاۗءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ

ہدایت کرے تو ہی ہمارا کارساز ہے ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے

toobaafoundation.com

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ

اور اس دنیا اور آخرت میں ہمارے لئے بھلائی مقرر کردے ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔

قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ

اللہ نے فرمایا اپنے عذاب میں میں جسے چاہتا ہوں ڈالتا ہوں اور میری رحمت ہر چیز کو سمائے ہوئے ہے

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ

تو وہ رحمت میں اُن لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہمارے احکام

بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۚ ۝

پر ایمان رکھتے ہیں

تفسیر مفسرین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ اس میقات سے مراد وہی پہلا میقات ہے جس میں حضرت موسیٰؑ کو توریت دی گئی یا دوسرا میقات مراد ہے؟۔ قول اول کو زمخشری نے اختیار کیا ہے۔ موجودہ توریت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ سفر خروج کے باب ۲۴ میں ہے کہ موسیٰ پہاڑ کے اوپر بلائے گئے۔ وہاں سے نیچے اُتر کر بنی اسرائیل کے پاس آئے اور کہا کہ تم نہا دھو کر پاک صاف ہو لو۔ تیسرے روز تم پر خدا تعالیٰ جلال ظاہر کرے گا۔ چنانچہ سب لوگ پہاڑ کے نیچے جا کھڑے ہوئے اور وہاں اُن پر خدا تعالیٰ کی تجلّی ہوئی۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے موسیٰؑ سے کہا کہ تو اور ہارون اور ندب بنی اسرائیل کے ستر بزرگوں کے ساتھ اوپر چڑھ تب موسیٰؑ ان لوگوں کو لے اوپر گئے اور موسیٰ پہاڑ کی چوٹی پر گئے اور ایک بدلی نے پہاڑ کو ڈھک لیا اور کڑک شروع ہوئی اور خدا کا جلال کوہ سینا پر آیا اور موسیٰ وہارون چالیس رات دن وہاں رہے اور وہاں موسیٰ کو تورات دی گئی۔ زمخشری کا قول ہے کہ اسی موقع کی بابت خدا تعالیٰ نے فرمایا وَاخْتَارَ مُوْسٰى الخ۔

لیکن معالم میں بروایت مہدی بیان کیا گیا ہے کہ یہ دوسرا میقات ہے جو گوسالہ پرستی سے عذر کرنے کے واسطے مقرر ہوا تھا اور اللہ نے موسیٰ کو حکم دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں سے ستر مرد چھانٹ کر اپنے ساتھ لاؤ جو اپنی قوم کی طرف سے گوسالہ پرستی کی معذرت کریں۔ لیکن یہ ستر آدمی وہ ہوں جنھوں نے گوسالہ پرستی نہ کی ہو۔

ابو الشیخ نے ابن عباسؓ کا قول بروایت قتادہ بیان کیا ہے کہ گوسالہ پرستی کے وقت یہ لوگ اپنی قوم سے الگ نہ ہوئے تھے بلکہ اُن کے ساتھ مجتمع تھے اور قوم کو گوسالہ پوجنے سے منع بھی نہ کیا تھا۔ مجاہد اور ابن جریج سے بھی یہی مروی ہے۔

بیضاوی نے بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل کے بارہ فرقے تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے ہر فرقہ میں سے چھ آدمیوں کا انتخاب کیا۔ اس حساب سے کل بہتر ہو گئے اور دو کا اضافہ ہو گیا۔ تب آپ نے دو کو کم کرنا چاہا لیکن جس کو کم کرنا چاہتے تھے وہ جھگڑا کرتا تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا جو شخص ساتھ نہ جائے گا اس کو بھی وہی ثواب ملے گا جو ساتھ جانے والے کو ملے گا۔ یہ سن کر یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا رہ گئے اور باقی لوگ چلے گئے۔

محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل میں سے اُن ستر اشخاص کا انتخاب کیا جو اوروں سے بہتر تھے اور ان کو حکم دیا کہ پاک صاف ہو کر پاکیزہ کپڑے پہن کر روزے رکھو اور چل کر پروردگار سے توبہ کرو اور اپنی قوم کے واسطے مغفرت کے خواستگار رہو۔ غرض سب لوگوں کو لے کر میقاتِ موعود پر روانہ ہوئے۔ لوگوں نے درخواست کی کہ ہمارے واسطے بھی آپ اجازت حاصل کر لیجئے تاکہ ہم بھی پروردگار کا کلام سن

toobaafoundation.com

سکیں۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا اچھا اجازت مانگوں گا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ پہاڑ کے قریب پہنچے تو اُن پر ستون کی شکل میں ابر آگیا اور اُس نے پھیل کر پہاڑ کو ڈھک لیا۔ حضرت موسیٰ اس ابر میں داخل ہو گئے جس وقت آپ خداوند تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے تھے تو پیشانی مبارک سے ایسا نور چمکتا تھا کہ کوئی شخص اُس طرف نظر اٹھا کر دیکھ نہ سکتا تھا۔ موسیٰ کے بعد اور لوگ ابر کے قریب پہنچے اور جونہی اُس کے اندر داخل ہوئے فوراً سجدہ میں گر پڑے اور سُنا کہ خدا تعالیٰ موسیٰ کو امر و نہی فرماتا ہے۔ جب موسیٰ کی حالتِ مناجات جاتی رہی اور ابر کھل گیا تو حضرت موسیٰ آئے۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم کو کیا معلوم کہ کون بول رہا تھا۔ جب تک ہم اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں ہرگز نہ مانیں گے۔

حاصلِ ارشاد بر طریقِ تحقیق یہ ہے کہ جب گوسالہ پرستی کا قصہ طے ہو گیا تو موسیٰ نے الیان کے ساتھ توریت کے احکام سُنائے۔ بنی اسرائیل شبہ کرنے لگے کہ ہم کو کس طرح یقین آئے کہ یہ کتاب تم کو خدا نے دی ہے؟ اس پر حکم ہوا کہ موسیٰ اپنی قوم میں سے ستر آدمیوں کو منتخب کر کے ساتھ لے کر طور پر پہنچے اور حق تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے تب ساتھ والوں نے شبہ نکالا کہ ہمیں کیونکر معلوم ہو کہ یہ خدا ہی کلام فرما رہا ہے۔ کیا خبر کہ کون بول رہا ہے۔ جب تک کھلم کھلا حق تعالیٰ کو نہ دیکھ لیں اس وقت تک یقین نہ آئے گا۔ اس گستاخی کی سزا میں نیچے سے زلزلہ شروع ہوا کہ پہاڑ کانپنے لگا اور اوپر سے کڑک نے آلیا اور ستر کے ستر ہلاک ہو کر وہیں رہ گئے۔ موسیٰ نے جو یہ حال دیکھا تو گھبرائے کہ بنی اسرائیل تنگ مزاج اور بدگمان تو میں ہی یوں کہیں گے کہ اس حیلہ سے موسیٰ نے ستر سرداروں کو خدا جانے کہاں لے جا کر ہلاک کر دیا اس لئے دعا کی کہ پروردگار یہ تو مجھے یقین ہے کہ اس قصہ سے ان گستاخوں کو سزا دینی مقصود ہے ہلاک کرنا مقصود نہیں ہے، کیونکہ اگر ہلاک کرنا مقصود ہوتا تو اس سے پہلے ہی مجھے اور ان سب کو فرعون کے ہاتھوں سے یا بوقتِ عبورِ سمندر کی موجوں سے ہلاک کر دیتا۔ اس قصہ کی ضرورت ہی کیا تھی کہ لوگ زلزلہ سے اس طرح ہلاک ہوں اور میں قوم میں بدنام ہو کر بنی اسرائیل کے ہاتھوں ذلت اٹھاؤں۔ پس جب پہلے سے ایسا نہ کیا تو معلوم ہوا کہ اب بھی ہلاک کرنا مقصود نہیں ہے۔ ہاں اس قصہ سے امتحان مقصود ہے کہ کون شکایت و ناشکری کر کے گمراہ ہوتا ہے اور کون حق تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کا معتقد ہو کر ہدایت پر قائم رہتا ہے اور میں چونکہ معتقد ہوں اس لئے مجھے اطمینان ہے اور دعا کرتا ہوں کہ ان کی حرکت و گستاخی بھی معاف فرما دی جائے، کیونکہ تو ہی ہم سب کا کارساز ہے۔ ارشادِ خداوندی ہوا کہ میرا عذاب اختیاری ہے۔ میں جس کو عذاب دینا چاہتا ہوں دے سکتا ہوں یعنی مجرم اور غیر مجرم دونوں کو عذاب دے سکتا ہوں۔ کوئی مجھ سے پوچھنے والا اور مجھے مجبور کرنے والا یا روکنے والا نہیں جو میں چاہوں کروں۔ لیکن میری رحمت عام ہے۔ دنیا میں ہر چیز کو محیط ہے یہی وجہ ہے کہ میں غیر مجرموں کو عذاب نہیں دیتا اور مجرموں میں بھی جس کو چاہتا ہوں معاف کر دیتا ہوں۔ لیکن میری خصوصی رحمت کا ایک مقررہ قاعدہ ہے۔ جو لوگ اس قاعدہ کے پابند ہیں وہ میری خصوصی نعمت سے سرفراز ہوتے ہیں۔ یعنی جو لوگ اہلِ تقویٰ ہیں رضائے مولیٰ کے لئے تمام منہیات سے کنارہ کش رہتے ہیں اور محرمات و مشتبہات کو چھوڑ دیتے ہیں اور حقوق مالی ادا کرتے ہیں۔ مال کا مقررہ حصہ غریبوں کو دیتے ہیں اور ہماری کل آیات و احکام پر دل سے یقین رکھتے ہیں ان پر میری خصوصی نعمت ہوتی ہے۔ اگرچہ عمومی نعمت ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔

تحقیق مبحث (۱) رجفہ کی تحقیق میں بعض مفسرین کا قول ہے کہ اس سے مراد وہی صاعقہ ہے جس نے حضرت موسیٰ کے ساتھیوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ ابن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ جن ستر آدمیوں کو زلزلہ نے پکڑا تھا وہ اور تھے اور جو کڑک سے مرے تھے وہ اور تھے۔ اول گروہ کا جرم یہ تھا کہ انھوں نے قوم کو گوسالہ پرستی سے منع نہیں کیا اور اُن کے ساتھ سے الگ بھی نہ ہوتے۔ اگرچہ خود پرستش گوسالہ نہ کی اور ثانی گروہ کا جرم یہ تھا کہ انھوں نے کھلم کھلا خدا کو دیکھنے کی خواستگاری تھی۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ قتادہ و مجاہد سے بھی یہی مروی ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ رجفہ (لرزہ) اور صاعقہ (کڑک) دونوں قسم کے عذاب انہی لوگوں پر نازل ہوئے تھے جو حضرت موسیٰ کے ساتھ طور پر گئے تھے اور خدا کو کھلم کھلا دیکھنے کی خواہش کی تھی۔

(۲) اللہ کی وسعتِ رحمت کے یہ معنی ہیں کہ کوئی چیز رحمتِ الٰہی سے بے بہرہ نہیں۔ معدوم کو خدا نے موجود کیا۔ رزق، نعمت، صحت، حکومت، جسمانی قوتیں، ادراکی طاقتیں، مال اولاد سب کچھ خدا نے دیا۔ ہر وقت نگرانی کے لئے غیبی مخلوق کو مامور کیا۔ اس میں کافر مسلم، نیک، بد کسی کی تخصیص نہیں۔ انسانوں کے علاوہ اور مخلوق کو بھی پیدا کر کے اس نے رفتہ رفتہ کمالِ نوعی کی حد پر پہنچا دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضؓ کی روایت کردہ حدیث میں جو

toobaafoundation.com

صحیحین میں موجود ہے مذکور ہے کہ خدا تعالٰی نے فرمایا ہے کہ میری رحمت سابق ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ میری رحمت غالب ہے۔

(۳) تقویٰ کرنا اور زکوٰۃ دینا اور آیات پر ایمان لانا ان تینوں امور کی صراحت اس لئے کی کہ یہی تین چیزیں تمام شرائعِ الٰہیہ کا لب لباب ہے کیونکہ آئینہ کی جب تک صفائی نہ ہو اُس پر قلعی نہیں ہوسکتی۔ ترک سے مراد یہ ہے کہ جن امور کی شریعت میں ممانعت کردی گئی ہے اُن سے اجتناب رکھا جائے۔ خواہ اُن امور کا تعلق عقائد سے ہو یا اعمال سے۔ حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے۔ حاصل یہ کہ نہ عقائد فاسد ہوں نہ اعمال رویہ، نہ کسی سے دشمنی، بغض، حسد، کینہ رکھا جائے۔ نہ چوری، غیبت، زنا، شراب خواری، قمار بازی وغیرہ منہیات کا ارتکاب کیا جائے۔ جب یہ امور سرانجام کو پہنچ جائیں اور محرمات کی کدورت سے آئینہ روح صاف ہو جائے تو پھر تعمیلِ اوامر کی قلعی اُن پر چڑھانی چاہیئے۔ جانی اور مالی زکوٰۃ دی جائے — حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی بدرجۂ اکمل کی جائے۔ لیکن اعمال کی درستگی کے ساتھ عقائد کی صحت بھی لازم ہے۔ تمام آیاتِ الٰہیہ پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ غرض مدعا یہ ہے کہ دنیوی عمومی رحمت اگرچہ سب کے شاملِ حال ہے لیکن اُخروی خصوصی رحمت صرف نیکوکار مومنوں کو نصیب ہوگی ایک جماعت صحابہ سے جن میں سلمان فارسیؓ بھی ہیں مروی ہے کہ حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا اللہ کی سو رحمتیں ہیں۔ ایک رحمت دنیا میں ہے کہ اسی سے مخلوقات باہم ایک دوسرے پر ترحم کرتی ہے اور وحشی جانور اپنی اولاد پر عطوفت و مہربانی کرتے ہیں اور ننانوے رحمتوں کو اللہ نے قیامت تک مؤخر فرما رکھا ہے　　(مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ قیامت میں وہ سب اور یہ دنیوی حصہ ملا یا جائے گا یعنی رحمت کاملہ ہو جائے گی۔

مقصودِ بیان:۔ بنی اسرائیل کی گستاخی و سرکشی کا بیان۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا

یعنی وہ لوگ جو اُس رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جس کا ذکر اپنے پاس توریت و

عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ

انجیل میں لکھا پاتے ہیں جو اُن کو نیک کام کرنے کا حکم دیتا ہے اور بُرے کاموں

عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ

سے منع کرتا ہے اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتا ہے اور گندی چیزوں کو اُن پر حرام کرتا ہے اور وہ بوجھ

عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَ

و بندشیں ان کی دور کرتا ہے جو پہلے سے اُن پر تھی پس جو لوگ اس پر ایمان لائے (ع)

۱۹ ع ۶ ۹ عَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

اُس کی رفاقت کی اور مدد کی اور اُس نور کے پیچھے ہولئے جو اُس رسول کے ساتھ اتارا گیا تو وہی کامیاب ہونے والے ہیں

تفسیر اوپر کی آیت جب یہودیوں نے سنی تو کہنے لگے ہم بھی اللہ کی آیات یعنی تورات پر یقین رکھتے ہیں۔ اور زکوٰۃ دیتے ہیں لہٰذا ہم بھی اللہ کی وسیع رحمت میں شامل ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور رحمتِ کاملہ کا امیدوار صرف اُمتِ محمدیہ کو قرار دیا گیا۔ یہ شانِ نزول اور مطلب

toobaafoundation.com

اُس تقدیر پر صحیح ہوگا جبکہ ان آیات کو مدنی مانا جائے۔ کیونکہ یہودی مدینہ ہی میں تھے۔ اور اگر ان آیات کو مدنی نہ کہا جائے کیونکہ پوری سورت کی ہے کوئی وجہ نہیں کہ یہ آیات مدنی ہوں تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ موسیٰ نے جس رحمتِ خاصہ کا سوال کیا تھا اس کے جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ موسیٰ جس خصوصی رحمت کے تم خواستگار ہو وہ تمہارے عہد میں تو اس شخص کو ملے گی جو بنی امیہ پر ایمان لائے گا اور ان کا اتباع کرے گا۔ ورنہ اس کا تقویٰ اور زکوٰۃ سودمند نہ ہوگا۔

بنی اُمیہ کی خدا تعالیٰ نے ان آیات میں نو ۹ صفات بیان فرمائیں:۔

(۱) رسول ہوگا۔

(۲) نبی ہوگا۔ یعنی اس کا تعلق فقط خلق سے ہی نہ ہوگا بلکہ خالق سے بھی خاص طور پر ہوگا۔ احکامِ خداوندی وہ ضرور مخلوق تک پہنچائے گا۔ اور صاحبِ کتاب بھی ہوگا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کی توجہ خالق کی طرف بھی کامل ہوگی۔ وہ ان رموز و حقائق اور واقعات و اخبار سے واقف و خبردار ہوگا جس سے دوسرے ناواقف ہوں گے۔

(۳) وہ اُمّی ہوگا۔ مفسرین نے امّی ہونے کے چند معانی تحریر کئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ امی امّت یعنی بے پڑھی لکھی قوم میں مبعوث ہوگا۔... (کذا قال الزجاج) یا یہ کہ وہ پیدائشی حالت پر ہوگا۔ یعنی جس طرح پیدائشی کے بعد انسان تمام گناہوں سے پاک اور ہر قسم کے شرک و معاصی سے صاف ہوتا ہے اسی طرح وہ معصوم مطلق ہوگا یا یہ کہ وہ مقصودِ کل ہوگا۔ کیونکہ اُمّ کے معنی قصد کے ہیں۔ یا یہ کہ وہ اُمّ القریٰ یعنی مکہ کا رہنے والا ہوگا، یا یہ کہ وہ خود امّی یعنی بے پڑھا لکھا ہوگا۔ کسی کے سامنے اُس نے زانوئے ادب نہ طے کیا ہوگا۔ کوئی اس کا اُستاد نہ ہوگا اور باوجود اس کے علوم اوّلین و آخرین کا جامع ہوگا۔ اس آخری معنی کو اکثر مفسرین نے ترجیح دیا ہے اور اس کو اعجاز کی وجہ اتم قرار دیا ہے۔ کیونکہ بے پڑھے لکھے آدمی کا ایسی عظیم الشان کتاب پیش کرنا جس کے الفاظ معانی، طریقِ ادا، حلاوتِ بیان، طرزِ ہدایت، قوانین کی جامعیت اور قواعد و اصول کی برتری کی مثال تاریخِ انسانی نہیں پیش کر سکتی اعجاز اکمل نہیں تو اور کیا ہے۔

(۴) بنی اسرائیل تورات و انجیل میں اس کا نام و نسب، حلیہ و صفات حالات وغیرہ لکھے پائیں گے۔ تورات و انجیل میں ان کے متعلق پیشین گوئیاں موجود ہوں گی اور جا بجا ان کا تذکرہ ہوگا۔

(۵) وہ اچھی باتیں سکھائے گا۔

(۶) بُری باتوں سے منع کرے گا۔

(۷) لوگوں کے لئے پاک اور ستھری چیزیں حلال کرے گا۔

(۸) ناپاک اور گندی چیزیں حرام کرے گا۔

(۹) وہ بنی اسرائیل پر سے ان سخت احکام کے بارِ گراں کو اُتار پھینکے گا اور اُن ثقیل طوقوں کو دور کر دے گا جو موسوی شریعت کی وجہ سے اُن کی گردن میں پڑے ہوں گے۔ یعنی کتبِ سابقہ کے اُن احکام کو منسوخ کر دے گا جو مصالحِ زمانہ کے مناسب نہ ہوں گے اور جن کو لوگ اُٹھا نہ سکتے ہوں گے۔

یہ جو صفات رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدا تعالیٰ نے ذکر فرمائیں ہم ہر ایک کی ذرا واضح تحقیق کرنی چاہتے ہیں:۔

نمبر ۱ و ۲۔ لفظِ رسول اور نبی کے معنی میں اہلِ تفسیر کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک نبی عام اور رسول خاص ہے۔ یعنی ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں اور ہر رسول کا نبی ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ رسول وہی ہوتا ہے جس پر کتابِ جدید نازل ہوئی ہو اور نبی کے واسطے جدید شریعت و کتاب کا حامل ہونا ضروری نہیں۔ اس بنا پر صرف چار انبیاء رسول قرار پاتے ہیں۔ یا زائد سے زائد اُن انبیاء کو بھی رسول کہا جا سکتا ہے جن کے پاس صحیفے نازل ہوئے تھے۔ یعنی ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و دانیالؑ وغیرہ۔ لیکن ان کے علاوہ دیگر انبیاء کو رسول نہیں کہا جا سکتا۔ اس تقدیر پر رسول کے بعد نبی کا تذکرہ صرف توضیح اور اظہارِ واقعہ کے طور پر ہوگا۔ احترازی قید نہ ہوگی۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اگرچہ رسول اور نبی کا مصداق ایک

toobaafoundation.com

ہی ہے یعنی رسول ہو یا نبی دونوں کی توجہ خالق وخلق دونوں کی طرف ہوتی ہے۔ لیکن فرق صرف اس قدر ہے کہ رسول میں خلق کی توجہ کا غلبہ ہوتا ہے اور نبی میں خالق کی طرف توجہ غالب ہوتی ہے یا اس کے بالعکس ہوتا ہے۔ اس تقدیر پر قید احترازی بھی بن سکتی ہے اور واقعی بھی۔

لیکن ہمارے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ رسول کے لفظ میں رسالت و پیامبری پر دلالت واضح ہے اور نبی کے لفظ میں نبوت واقفیت اور خبرداری پر دلالت ہے۔ یعنی رسول کا ترجمہ ہے پیامبر کیونکہ رسالت کے معنی ہیں پیامبری اور نبی (بروزن فعیل بمعنی مفعول) کے معنی ہیں خبردار واقف۔ مطلب یہ ہے کہ وہ عظیم پیغمبر پیام الٰہی اور احکام خداوندی کو مخلوق تک پہنچائے گا۔ اصلاحی قوانین اور نجات کے طریقے بتائے گا لیکن اس کے ساتھ وہ خود بھی حقیقت پیام اور رازہائے سربستہ سے واقف ہوگا۔ اُس کو واقعاتِ گزشتہ اور سوانح آئندہ کا علم ہوگا۔ وہ عالم قدس کے مخفی اسرار سے خبردار ہوگا۔ کلام الٰہی کے وہ مخفی نکات جن کو اور لوگ نہیں جان سکتے وہ بدرجۂ اتم جانتا ہوگا۔ لیکن اس پیامبری اور واقفیتِ کاملہ کے باوجود اُس نے کسی سے لکھا پڑھا نہ ہوگا تاکہ کوئی نہ کہہ سکے کہ کسی سے سُن کر یا سیکھ کر یہ شخص ایسی باتیں کہہ رہا ہے۔ عالم غیب سے براہِ راست کوئی اطلاع اُس کے پاس نہیں آتی۔

۳۔ اُمّی کی تحقیق ہم اوپر کر چکے ہیں۔ بہتر معنی سب سے آخری ہیں۔ رسولِ پاکؐ واقعی اُمّی تھے۔ یعنی آپؐ نے کسی سے نہ کچھ پڑھا نہ لکھا۔ بعض احادیث کی بنا پر لوگوں نے حضورؐ کے اُمّی ہونے پر شبہ کیا ہے۔ مثلاً صلح حدیبیہ کے موقع پر جب مشرکین نے اصرار کیا تو معاہدہ کا کاغذ حضورؐ والا نے حضرت علیؓ کے ہاتھ سے لے کر خود دست مبارک سے "رسول اللہ" کا لفظ مٹایا (اور کسی سے نہیں پوچھا کہ رسول اللہ کا لفظ کس جگہ لکھا ہے اور کونسا ہے) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ پڑھنا جانتے تھے۔ لیکن یہ شبہ بالکل بے بنیاد ہے۔ اوّل تو ایسے ضعیف قرائن سے ثبوت مدعا نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ بخاری وغیرہ کو حدیث کی مکمل کیفیت نہ پہنچی ہو اور انھوں نے مٹانے کا تذکرہ کر دیا لیکن یہ نہ بتایا کہ حضورؐ نے حضرت علیؓ سے لفظ رسول اللہ دریافت بھی کیا یا نہیں۔ کیونکہ بخاری کی حدیث میں صرف مٹانے کی صراحت ہے۔ کس چیز سے مٹایا اور کیسے مٹایا، کس اُنگلی سے مٹایا، کس ہاتھ میں کاغذ پکڑا، کاغذ کیسا تھا اور روشنائی کیسی تھی اس کی تفصیل نہیں تو جس طرح یہ تفصیلات پردۂ خفا میں ہیں اسی طرح لفظ رسولؐ اللہ کی شناخت کا سبب بھی پردۂ سکوت میں ہے۔ جس طرح اس حدیث سے اثبات پر دلیل نہیں ہو سکتی اسی طرح نفی پر بھی نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ اُمّی کے معنی تو یہ ہیں کہ کسی اُستاد سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو۔ یہ معنی نہیں کہ لکھنا پڑھنا جانتے نہ تھے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص فطری طور پر طبیعتِ سلیم رکھتا ہے۔ علوم سے واقف ہو اور وہ علوم اس کے کسبی نہ ہوں بلکہ وہبی ہوں جس طرح انبیاء کے ہوا کرتے ہیں تو پھر کیا طریقۂ قرأت و کتابت وہبی نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے لکھا پڑھا نہیں تھا لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ پڑھنا لکھنا نہ جانتے تھے اور کورے جاہل تھے۔ جاہل اور اُمّی کے مفہوم میں بڑا فرق ہے۔ بہت سے شاعر، فلاسفر اُمّی ہوتے ہیں لیکن جاہل نہیں ہوتے تو کیا عظیم الشان نبی کا درجہ شاعر و فلاسفر سے بھی گیا گزرا ہے کہ خواہ مخواہ حضورؐ کو (خاکم بدہن) جاہل ثابت کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس سے تو حضورؐ کے اعجاز کا مزید ثبوت ملتا ہے کہ کسی اُستاد سے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا اور بغیر کسب و ریاضت کے محض عطیۂ الٰہی کی وجہ سے لکھنے پڑھنے سے واقف تھے۔

۴۔ اس بحث کو ہم تفصیل سے لکھنا چاہتے ہیں۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں ارشاد فرمایا ہے کہ یہ آیت صریح دلیل ہے اس بات کی کہ حضورِ اقدسؐ کے حالات، صفات، حُلیہ اور عظمتِ نبوت گزشتہ کتابوں میں مذکور تھی۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو علمائے یہود اس آیت کی تکذیب کرتے اور محض افترا جانتے۔ دارمی وغیرہ علمائے حدیث نے بروایاتِ متعددہ ثابت کیا ہے کہ حضور والاؐ کے تمام اوصاف اگلی کتابوں میں موجود ہیں۔ یہود مدینہ پشتہا پشت سے اپنی کتاب کی صراحت اور آباؤ اجداد کی وصیت پر چلے آتے تھے کہ پیغمبر آخر الزماں جس کے یہ اوصاف ہیں اسی مدینہ میں ظہور پذیر ہوگا اور اس کے علامات قریب ہیں۔ مدینہ میں اوس و خزرج کے قبائل بھی رہتے تھے اور یہودیوں کی اُن سے دشمنی تھی۔ یہودی اُن کو دھمکاتے تھے اور کہتے تھے ہم پیغمبر آخر الزماں کے زیرِ حمایت تم کو عنقریب خاک میں ملا دیں گے۔ قبائل اوس و خزرج کو ان باتوں سے تعجب ہوتا تھا۔ لیکن افسوس کہ حضور اقدسؐ جب تشریف لائے تو یہودی دنیوی لالچ و ریاست میں پڑ کر رسالت سے منکر ہو گئے۔ خدا تعالیٰ نے اسی قصہ کی صراحت فرمائی ہے۔ فرماتا ہے:۔

toobaafoundation.com

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ لیکن قبائل اوس وخزرج سعید ازلی تھے۔ وہ مسلمان ہوکر دنیا میں انصار رسول اللہ کے لقب سے مشہور ہوگئے۔ پہلی صدی میں بڑے بڑے علمائے یہود اپنی کتابوں کے انہی تذکروں اور صراحتوں کے زیر اثر مسلمان ہوگئے تھے اور انھوں نے دنیوی ریاستوں کو ترک کر دیا تھا۔ مثلاً عبداللہ بن سلام، ابن سعید، بنیامین، مخریق اور بعض دیگر علماء نے مسلمان ہوکر صاف شہادت دی کہ حضورؐ کی بشارات توریت میں موجود ہیں۔ بڑے بڑے تارک الدنیا راہب بھی پہلی صدی میں اسلام کے ادنیٰ خادم بن گئے۔ مثلاً بحیرا راہب، جرجیس، تسطورا، جارود اور حبش کے وہ فقرائے نصاریٰ جو نجاشی شاہ حبش کے مسلمان ہونے سے پہلے مسلمان ہوگئے تھے پھر نجاشی کی معیت میں کتنے فقراء و علمائے نصرانیت مسلمان ہوگئے۔ ان کا اندازہ تاریخ پڑھنے والوں کو اچھی طرح ہے۔ روم کا سب سے بڑا پادری صفاطر جب مسلمان ہوگیا تو رومیوں نے دشمنی سے اس کو شہید کر دیا۔ مقوقش بادشاہ مصر نے حضورؐ کی رسالت کا اقرار کرکے ماریہ قبطیہ کو بطور ہدیہ ارسال خدمت کیا۔ لیکن بعض بدقسمت انسان ایسے بھی تھے جنھوں نے اقرار رسالت و تصدیق کے باوجود محض طمع دنیوی کی وجہ سے دائرۂ کفر سے قدم باہر نہ نکالا۔ مثلاً شاہ روم، ہرکلیس، ابن صوریا، حیی بن اخطب، ابویاسر وغیرہ دین حق کی صداقت سے متاثر ہوکر اپنے دوستوں کو تو مسلمان ہونے کا مشورہ دیتے تھے مگر اپنی ریاست و حکومت کے لالچ کے سبب خود مسلمان نہ ہوتے تھے انہی کے متعلق قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی تھی:۔

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ ط جب مباہلہ کا قصہ نجران کے عیسائیوں کے سامنے آیا تو ان کے سب سے بڑے سردار عاقب نے لاٹ پادری کی موجودگی میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔ اے اہل نجران قسم ہے کہ تم اس نبی کی نبوت پہچان چکے ہو اور اس نے مسیح کے معاملہ میں تم سے دوٹوک بات کہہ دی۔ واللہ اگر تم اس سے مباہلہ کروگے تو تباہ ہوجاؤگے۔ واللہ میں ایسے چہرے دیکھتا ہوں کہ اگر وہ اللہ سے پہاڑ کے ہٹ جانے کی دعا کریں تو اللہ پہاڑ کو ہٹا دے گا۔ آخر نجران کے اس وفد نے مباہلہ کرنا پسند نہ کیا اور جزیہ دینا قبول کیا۔

امام احمد کی حدیث ابوصخر العقیلی میں موجود ہے کہ حضورؐ والا ایک یہودی کے پاس تشریف لے گئے جو توریت کھولے بیٹھا تھا۔ آپ نے اس سے قسم دے کر دریافت کیا کہ کیا تو اس کتاب میں میری صفات اور میری پیدائش و ہجرت کا تذکرہ پاتا ہے؟ یہودی نے سر سے انکار میں اشارہ کیا تو اس کا بیٹا باپ کی اس دروغ بافی پر تھرا گیا اور بولا قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے توریت نازل فرمائی۔ ہم ضرور آپ کے صفات و مقام، پیدائش و ہجرت کو اس کتاب میں پاتے ہیں۔ پھر وہ کلمۂ توحید و اقرار رسالت پڑھنے کے بعد مسلمان ہوگیا۔ یہ حدیث قوی اور جید ہے۔ صحیحین میں بروایت انسؓ اس کا شاہد موجود ہے۔

حاکم نے اپنی سند سے ابو مہ ہابلی کی روایت ہشام بن عاص اموی کی حدیث بیان کی ہے۔ ہشام کہتے ہیں کہ (خلافت صدیقی میں) میں اور ایک دوسرا مسلمان ہرقل کے پاس بطور پیامبر بھیجے گئے تاکہ اس کو دعوت اسلام دیں۔ ہم غوطۂ دمشق میں پہنچ کر جبلہ بن ایہم غسانی (ملک شام) کے ہاں ٹھہرے۔ جبلہ نے قاصد کو ہمارے پاس بھیجا اور مطلب دریافت کیا۔ میں نے جواب دیا ہم کو بادشاہ روم کے پاس بھیجا گیا ہے ہم انہی سے باتیں کرسکتے ہیں قاصد سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ قاصد نے جاکر ہمارا جواب کہہ دیا۔ جبلہ نے ہم کو دربار میں طلب کیا۔ ہم اس کے دربار میں پہنچے وہ اس وقت سیاہ ریشمی لباس پہنے تھا۔ میں نے پہنچ کر دعوت اسلام دی اور سیاہ لباس کی وجہ دریافت کی۔ جبلہ نے کہا میں نے یہ سیاہ لباس قسم کھاکر پہنا ہے اور اس لئے پہنا ہے کہ جب تک تم لوگوں کو حدود شام سے نہ نکال دوں گا ہرگز نہ اتاروں گا۔ ہم نے کہا ذرا ٹھہرے رہو واللہ ہم اس ملک کو اور بادشاہ روم کی تخت گاہ کو انشاء اللہ لے لیں گے۔ ہم کو ہمارے نبی محمدؐ نے اس کی اطلاع دے دی ہے۔ کہنے لگا تم وہ لوگ نہیں ہو، وہ تو روزہ دار شب بیدار ہوں گے اور تم روزے نہیں رکھتے۔ ہم نے اپنے روزہ کی کیفیت بیان کی تو اس کے چہرے پر سیاہی چھا گئی اور بولا اٹھو تم بادشاہ کے پاس جاؤ۔ چنانچہ اپنا آدمی ہمارے ساتھ کرکے ہم کو روانہ کر دیا۔ جب ہم تخت گاہ روم کے قریب پہنچے تو جبلہ کے آدمی نے کہا تم اپنے اونٹوں پر شاہی شہر میں نہیں جاسکتے۔ اگر تم پسند کرو تو ہم تم کو سواری کے لئے خچر فراہم کر دیں۔ ہم نے کہا بخدا ہم تو اپنے جانوروں کو چھوڑ کر

toobaafoundation.com

اور جانوروں پر سوار نہ ہوں گے۔ غرض ہمارے رہبر نے شاہی دربار میں اطلاع کرائی اور اجازت ملنے پر ہم اونٹوں پر سوار شہر میں داخل ہوئے۔ ایک بلند برج کے پاس پہنچ کر اونٹ باندھے اور تلواریں لٹکائے ہوئے کھڑے ہو کر غلغلۂ تکبیر بلند کیا۔ اللہ جانتا ہے کہ ہماری تکبیر کی آواز سے شاہی کوشک خوشۂ انگور کی طرح ہل گیا۔ بادشاہ نے آدمی بھیجا اور کہا یہ ہرگز جائز نہیں کہ تم ہمارے سامنے اس بلند آہنگی سے اپنے دین کا مظاہرہ کرو۔ غرض عند الطلب ہم داخلِ دربار ہوئے۔ ایک مکلف فرش بچھا ہوا تھا۔ سردارانِ ملک جمع تھے۔ دربار کی ہر چیز اور حاضرین کے کل لباس سُرخ تھے ہم کو دیکھ کر بادشاہ نے ہنس کر کہا کیا بُرائی ہوتی اگر آپس کے آداب کا میرے ساتھ برتاؤ کرتے (یعنی سلام کرتے) ہم نے مترجم سے کہا ہمارے آپس کا سلام بادشاہ کے لئے سزاوار نہیں اور بادشاہی سلام کا بجالانا ہمارے لئے حلال نہیں۔ بادشاہ نے کہا تمہارا آپس کا کیا سلام ہے؟ ہم نے کہا۔ السلام علیک۔ بولا تم اپنے بادشاہ کو کن الفاظ میں سلام کرتے ہو؟ ہم نے کہا یہی۔ بولا وہ کیا کہتا ہے؟ ہم نے کہا یہی۔ بولا تمہارا سب سے بڑا کلام کیا ہے؟ ہم نے کہا لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۔ جب ہم نے یہ کہا تو اللہ عالم ہے کہ وہ کوشک پھر تھرایا۔ یہاں تک کہ بادشاہ نے سر اُٹھا کر دیکھا۔ اور بولا تمہارے اس کلمہ سے یہ کوشک لرز گیا۔ کیا جب تم اپنے گھروں میں یہ الفاظ کہتے ہو تو تمہارے مکروں میں لرزہ آجاتا ہے؟ ہم نے کہا اس سے پہلے اور کبھی تو ہم نے ایسا کہیں نہیں دیکھا۔ بولا میں امید کرتا ہوں کہ ہر بار جب تم یہ الفاظ کہو گے تو جو چیز تم سے اونچی ہوگی تھرا جائے گی میں اپنی آدھی سلطنت سے نکل گیا۔ ہم نے کہا۔ یہ کس طرح؟ بولا ہو سکتا ہے بلکہ غالباً یہ بات ہے کہ یہ امر نبوت نہیں بلکہ کسی قسم کی شعبدہ بازی ہے۔ پھر بولا تم کیا چاہتے ہو؟ ہم نے اپنا مقصد کہا۔ کہنے لگا تمہارے روزے اور نماز کی کیا کیفیت ہے؟ ہم نے تفصیل بیان کی۔ اس کے بعد اس نے ایک عمدہ مکان میں ہم کو مہمان رکھا۔ ہم تین روز وہاں رہے۔ ایک رات حسب الطلب ہم دربار میں پہنچے۔ بادشاہ نے ایک مربع خانہ دار منقش الماری منگائی۔ الماری کے ایک خانہ کا قفل اور کھڑکی کھول کر سیاہ ریشمی کپڑے کا ایک ٹکڑا نکالا اور اس کی تہ کھول کر ایک سُرخ رنگ کی تصویر نکالی۔ تصویر مرد کی تھی جس کی آنکھیں بڑی، گردن دراز اور کولھے بھاری تھے۔ وہ خوبصورت گیسو تھے مگر داڑھی نہ تھی۔ کہنے لگا تم نے اس کو پہچانا ہم نے انکار کیا۔ کہنے لگا یہ آدم کی تصویر ہے۔ پھر دوسرا خانہ کھول کر سیاہ ریشمی کپڑے میں لپٹی ہوئی ایک سفید تصویر نکالی جس کے بال گھونگھریالے آنکھیں سُرخ، بڑا سر، وجیہہ اور خوبصورت داڑھی تھی۔ ہم سے کہا تم نے پہچانا؟ ہم نے انکار کیا۔ بولا یہ حضرت نوحؑ کی تصویر ہے۔ پھر اور خانہ کھول کر حسب معمول ایک تصویر نکالی جس کا رنگ گورا، آنکھیں خوبصورت، پیشانی سفید اور کشیدہ، چہرہ کتابی اور داڑھی سفید تھی۔ چہرے سے مسکراہٹ ٹپک رہی تھی۔ ہم سے پوچھا تم نے پہچانا؟ ہم نے انکار کیا۔ بولا یہ حضرت ابراہیمؑ ہیں۔ پھر ایک اور خانہ کھول کر ایک تصویر نکالی جس کا رنگ سفید چمک دار اور ملاحت آمیز تھا۔ واللہ وہ رسول اللہ کی تصویر تھی۔ بولا اس کو پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا ہاں یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر ہے

پھر ہم رونے لگے۔ اللہ عالم ہے کہ وہ تھوڑی دیر کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ کچھ دیر کے بعد بیٹھ کر بولا واللہ یہ وہی ہے؟ ہم نے کہا ہاں وہی ہے۔ کچھ دیر وہ اس کو بغور دیکھتا رہا۔ پھر بولا یہ خانہ سب سے آخر میں تھا لیکن میں نے عجلت کر کے پہلے نکال لیا تاکہ تمہاری آزمائش کر سکوں پھر حسب معمول ایک سیاہ فام تصویر نکالی جس کے بال پیچیدہ اور خوب گھونگھریالے تھے۔ آنکھیں گڑھے کے اندر نظر تیز، دانت ایک کے اوپر دوسرا چڑھا ہوا، ہونٹ موٹے اور مزاج کی ترشی عیاں تھی۔ چہرے سے آثارِ غضب ہویدا تھے۔ بولا تم اس کو پہچانتے ہو؟ ہم نے انکار کیا۔ بولا یہ موسیٰؑ ہیں۔ اسی تصویر کے برابر ایک اور تصویر تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس تصویر میں سر گول، پیشانی چوڑی اور آنکھیں پتلی کوئے کی طرف جھکی ہوئی تھیں۔ بولا تم نے اس کو پہچانا؟ ہم نے انکار کیا۔ کہنے لگا۔ یہ ہارون بن عمران ہیں۔ پھر ایک اور خانہ کھول کر حسب معمول سفید ریشم میں ملفوف ایک تصویر نکالی جس کا رنگ گندمی، چہرہ بھاری اور شان سے علاماتِ غضب نمودار تھے۔ ہم سے دریافت کیا جانتے ہو؟ ہم نے انکار کیا۔ بولا یہ لوطؑ ہیں۔ پھر ایک خانہ میں سے سفید ریشم میں ملفوف ایک اور تصویر نکالی جس کا رنگ سفید سرخی مائل، بینی کشیدہ، گال پتلے اور چہرہ خوبصورت تھا۔ بولا اس کو پہچانتے ہو؟ ہم نے انکار کیا۔ کہنے لگا یہ اسحاقؑ ہیں۔ پھر ایک خانہ میں سے سفید ریشم میں ملفوف ایک اور تصویر نکالی جو پہلی تصویر کے ہم شکل تھی صرف لب پر ایک تل تھا۔ ہم سے دریافت کرنے اور انکار پانے کے بعد بولا یہ یعقوبؑ ہیں۔

toobaafoundation.com

پھر ایک خانہ کھول کر سیاہ ریشم میں لپٹی ہوئی ایک تصویر نکالی جس کا رنگ سفید سرخی مائل خوبصورت کشیدہ بینی، موزوں قد، چہرہ پُر نور اور صورت سے خشوع ٹپک رہا تھا۔ کہنے لگا یہ تمہارے نبی کے دادا اسمٰعیل ہیں۔ پھر ایک خانہ سے سفید حریر میں ملفوف ایک تصویر نکالی جو آدمؑ کی تصویر سے مشابہ تھی اور چہرہ آفتاب کی طرح روشن تھا۔ بولا یہ یوسفؑ ہیں۔ پھر ایک خانہ میں سے سرخ رنگ کی ایک تصویر نکالی جس کی پنڈلیاں اور آنکھیں ابھری ہوئی، پیٹ بھاری، بدن گداز تھا۔ تلوار لٹک رہی تھی۔ بولا یہ داؤدؑ ہیں۔ پھر ایک خانہ سے ایک تصویر نکالی جس کے شرین بھاری، ٹانگیں لمبی تھیں۔ گھوڑے پر سوار تھے۔ بولا یہ سلیمانؑ ہیں۔ پھر ایک خانہ سے ایک تصویر نکالی جس کا رنگ سفید، داڑھی گھنی اور سیاہ، آنکھیں خوبصورت اور چہرہ حسین تھا۔ بولا یہ عیسیٰؑ بن مریم ہیں۔

چونکہ ہم نے رسول اللہؐ کی تصویر دیکھی تھی اس لئے یقین کر لیا کہ تمام تصویریں واقعی انبیاء کی ہیں۔ ہم نے دریافت کیا یہ تصویریں آپ کو کس طرح ملیں؟ بادشاہ نے جواب دیا۔ حضرت آدمؑ نے پروردگار سے درخواست کی تھی کہ مجھ کو میری اولاد میں سے انبیا کی صورتیں دکھا دے۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور انبیاء کی صورتیں نازل فرمائیں جو آدمؑ کے پاس رہیں اور ان کی اولاد میں منتقل ہوتی رہیں بالآخر غربی سمت سے ذوالقرنین کو کہیں دستیاب ہوئیں اور ذوالقرنین سے دانیالؑ کے پاس آئیں اور پھر دانیالؑ کے پاس سے منتقل ہوتی ہوئی ہم کو ملیں اس کے بعد کہنے لگا خوب سمجھ لو کہ میں خوش ہوں کہ اپنی سلطنت چھوڑ کر تمہارے ایک ذلیل حاکم کی غلامی اختیار کروں۔ پھر ہم کو اچھی طرح انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔

ہم نے واپس آکر صدیق اکبرؓ سے پورا واقعہ عرض کر دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ بے چارے کے ساتھ اگر خدا تعالیٰ بھلائی کرنا چاہتا تو وہ کر گزرتا۔ اس کے بعد فرمایا۔ ہم کو رسول اللہ نے خبر دی ہے کہ یہود و نصاریٰ اپنے پاس رسول اللہ کے حالات و صفات پاتے ہیں۔ (قال الحافظ ابن کثیر ہکذا اورد الحافظ الکبیر ابوبکر البیہقی فی دلائل النبوۃ اجازۃً عن الحاکم واسنادہ لا باس بہ)

عطاء بن یسار کہتے ہیں۔ میں نے عبداللہ بن عمروؓ سے دریافت کیا رسول اللہؐ کے صفات کا بیان جو توریت میں ہے اس سے مجھے آگاہ فرمائیے۔ فرمایا قرآن کی طرح توریت میں بھی رسول اللہؐ کے صفات بیان کئے گئے ہیں۔ توریت میں مذکور ہے۔ یا ایہا النبی انا ارسلناک شاہداً و مبشراً و نذیراً و حرزاً للامیین انت عبدی ورسولی اسمک المتوکل لیس بفظ ولا غلیظ ولن یقبضہ اللہ حتی یقیم بہ الملۃ العرجاء بان یقولوا لا الٰہ الا اللہ ویفتح قلوباً غلفاً واذاناً صمّاً واعیناً عمیاً۔ اس کے بعد میں کعب احبار کے پاس گیا اور ان سے سوال کیا۔ انھوں نے بھی یہی دیا۔ ایک حرف کا فرق نہ تھا صرف اتنا فرق تھا کہ انھوں نے اپنی زبان میں قلوباً غلوفیاً و آذاناً صمومیاً کہا تھا (رواہ ابن جریر) بخاری نے اسی حدیث میں مندرجہ ذیل الفاظ زیادہ روایت کئے ہیں۔ لیس بفظ ولا غلیظ ولا سخاب فی الاسواق ولا یجزی بالسیئۃ السیئۃ ولکن یعفو ویصفح الخ۔

طبرانی نے جبیر بن مطعم صحابی کی روایت بیان کی ہے۔ جبیرؓ کہتے ہیں میں ملک شام کو بغرض تجارت گیا تھا۔ وہاں اہل کتاب میں سے ایک شخص نے مجھ سے دریافت کیا۔ تم میں کوئی آدمی نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا تم اس کی صورت پہچانتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ وہ مجھے ایک گھر میں لے گیا۔ وہاں تصویریں تھیں مگر رسول اللہؐ کی تصویر نہ تھی۔ میں نے انکار کر دیا۔ پھر ایک اور گھر میں لے گیا۔ میں نے وہاں حضورؐ کی تصویر دیکھی مگر تصویریں میں ایک شخص حضورؐ کی ایڑیاں پکڑے تھا۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ کہنے لگا۔ ہر نبی کے بعد ایک اور نبی ہوتا چلا آیا ہے مگر اس نبی کے بعد کوئی اور نبی نہ ہوگا ہاں یہ شخص جانشین ہوگا۔ میں نے غور سے دیکھا تو وہ حضرت ابوبکرؓ کی صورت تھی۔

ابوداؤد نے بروایت اقرع مؤذن بیان کیا ہے اقرع کہتے ہیں مجھے فاروق اعظمؓ نے حکم دیا۔ عیسائی پادری کو بلاؤ۔ میں نے بلا لیا۔ آپ نے پادری سے فرمایا۔ تمہاری کتابوں میں کہیں میرا ذکر ہے؟ بولا ہاں۔ فرمایا کس طرح؟ بولا لفظ قرن موجود ہے۔ فرمایا قرن کے کیا معنی ہیں؟ بولا سردار سخت و درشت۔ فرمایا میرے بعد والا کیسا ہوگا؟ بولا صالح جانشین ہے لیکن وہ اپنے اقربا کو ترجیح دے گا۔ فرمایا اللہ عثمان پر رحم کرے۔ تین مرتبہ یہ لفظ کہا۔ پھر پوچھا اس کے بعد والے کی کیا حالت لکھی ہے؟ بولا لوہے کا رنگ پاتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے اس کی کھوپڑی پر ہاتھ مار کر فرمایا او گندے (کیا کہہ رہا ہے) کہنے لگا امیر المومنین!

toobaafoundation.com

میرا مطلب یہ ہے کہ وہ خلیفہ صالح ہوگا لیکن ایسے وقت خلیفہ کیا جائے گا جس وقت تلوار نیام سے باہر ہوگی اور خون بہتا ہوگا۔

ہم نے یہ آخری حدیث اس لئے نقل کی کہ معلوم ہو جائے کہ گزشتہ کتب میں نہ فقط رسول اللہ کے حالات وصفات کا بیان تھا بلکہ خلفاء کے تفصیلی حالات کا بھی ان میں تذکرہ تھا۔ اگر خوفِ طوالت نہ ہوتا تو ہم حضرت دانیال، حبقوق اور اشعیاء وغیرہ کی پیشین گوئیاں باہت خلفاء نقل کرتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ فقط پرانی داستانیں اور تاریخ اسلام کے فرسودہ قصے ہی نہیں ہیں بلکہ حقائق وواقعات ہیں جن میں کسی طرح کا شک نہیں کیا جاسکتا۔ ان کی تصدیق اٹھارویں اور انیسویں صدی کی عیسائی تصریحات سے بھی بخوبی ہوتی ہے۔

پادری سیل نے ۱۸۵۰ء میں قرآن کا جو ترجمہ شائع کیا ہے اس کے مقدمہ صفحہ ۶ پر مندرجہ ذیل الفاظ موجود ہیں:۔

اے پیارے عیسائیو! یہ وہ نبی آخر الزماں ہے جس کی بابت یسوع مسیح نے اپنے مصلوب ہونے کے سلسلہ میں کہا تھا:۔

اے برہناہ! یقین جان کہ گناہ کیسا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو اللہ اس کی سزا دیتا ہے۔ اس کی مشیت اس بات کی مقتضی ہوئی کہ قیامت کے دن شیاطین مجھ پر نہ ہنسیں۔ اس لئے اس نے اپنی مہربانی سے اس بات کو بہتر جانا کہ دنیا ہی میں یہودا کو میری صورت پر صلیب دی جانے سے میری تضحیک وہنسائی ہو جائے اور ہر شخص یہ خیال کرنے لگے کہ مجھے صلیب پر چڑھایا گیا۔ مگر یہ ساری بات محمد رسول اللہ کے آنے تک رہے گی۔ جب وہ دنیا میں آئے گا تو ہر ایماندار کو اس غلطی سے آگاہ کرے گا اور لوگوں کے دلوں سے یہ دھوکا اٹھا دے گا۔

پادری سیل اسی ترجمہ کے صفحہ ۴۳ پر لکھتے ہیں۔ پس اے پیارے بھائیو! جس کی نبوت کی خبر اس صراحت سے درج ہو پھر اس سے منکر ہونا اپنی عاقبت خراب کرنا ہے یا نہیں۔

برہناہ کی انجیل بہت پرانی کتاب ہے۔ رسول اللہ کی بعثت سے سینکڑوں برس پہلے کی کتابوں میں اس کا ذکر پایا جاتا ہے۔

پادری اوسکان ارمنی نے ۱۶۶۶ء میں صحیفہ اشعیا کو ارمن زبان میں ترجمہ کرکے ۱۷۳۳ء میں مطبع انتولی پرتوفی میں چھپوا کر شائع کیا۔ اس میں کتاب اشعیا باب ۴۲ میں یہ فقرہ موجود ہے:۔

خداوند کے واسطے نئی تسبیح پڑھو۔ اس کی سلطنت کی نشانی اس کی پشت پر ہے اور اس کا نام احمد ہے۔ یہ صریح دلیل ہے اور اہل اسلام میں ابتدا سے یہ بشارت مشہور ومعروف ہے۔ رسول پاکؐ کی نشانی مہر نبوت حضورؐ کی پشت کے اوپر تھی اور حضورؐ کے نام احمد، محمد، مجد وغیرہ، حمد ومجد کے معنی ہی سے ماخوذ ہیں مگر عربی ترجمہ کرنے والے نے عجب تحریف کی ہے کہ عبارت مذکور کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے۔ سبحوا اللہ تسبیحا جدیدا علامتہ فوق یتحمدہ کاش اگر یتحمد کی بجائے محمد کا ترجمہ لکھ دیتا تب بھی کسی قدر کم تحریف ہوتی۔ بیجارہ فوق ظہرہ کی بجائے کیا کرتا۔ کیونکہ اس کا تو کسی طرح انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضورؐ کی پشت پر مہر نبوت تھی۔ غریب نے مہر نبوت کا انکار کرنے کے لئے ایک حیلہ تراشا۔ یعنی فوق ظہرہ کی بجائے صرف لفظ فوق ترجمہ میں ذکر کیا اور خاموش ہو گیا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اس کی خیانت کا پردہ فاش کر دیا اور ارمنی ترجمہ کرنے والے نے لفظ بلفظ صحیح ترجمہ کر دیا۔

یونانیوں نے اس نام پاک کا ترجمہ فارقلیطا کے لفظ سے کیا ہے۔ فارقلیطا کے معنی محمد یا احمد ہیں۔ جان ڈپوپنورٹ نے کھلم کھلا اپنی کتاب میں صراحت کر دی ہے۔ کہتا ہے:۔

مجھے اس میں شک نہیں کہ اس نبی آخر الزماں سے مراد جس کے آنے کی خبر اس کے بھائیوں میں سے موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو دی تھی اور انجیل ویوحنا میں فارقلیطا کے نام سے مسیح نے دی تھی۔ یہی محمدؐ ہیں۔ مسٹر گاڈفری سینگس کی کتاب اردو ترجمہ یعنی کتاب حایت الاسلام کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ فارقلیطا کا مصداق ذاتِ محمدی کے علاوہ اور کوئی نہیں۔

جس شخص کو موجودہ بائبل سے صفات وحالاتِ محمدی کے ثبوت کی ضرورت ہو وہ ڈاکٹر توفیق مصری کی کتاب دین اللہ کا مطالعہ کرے جس میں نہایت بسیط طور پر ڈاکٹر موصوف نے مختلف اسرائیلی انبیاء کی پیشین گوئیاں اور ملفوظات درج کئے ہیں اور ذاتِ محمدی کو آئینہ کی طرح واضح کرکے دکھایا ہے۔ ہم بخوفِ طوالت ان کو درج نہیں کرتے۔

نمبر ۵، ۶، ۷، ۸۔ اچھی باتوں کے کرنے کی تعلیم، بری باتوں کے کرنے کی ممانعت، پاکیزہ چیزوں کی حلت کا حکم اور ناپاک چیزوں کی تحریم۔ یہ چار

toobaafoundation.com

چیزیں ہیں جن کی تعلیم حضرت آدمؑ سے لے کر رسولِ پاکؐ کے زمانہ تک تمام انبیاء و مرسلین دیتے چلے آئے ہیں اور ہر نبی نے اپنے زمانہ کو روشن کرنے اور کفر و معاصی کی گھٹاٹوپ اندھیری دور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ہر ایک کی تعلیم ایک خاص زمانے اور خاص قوم کے لئے مخصوص تھی۔ اس کے زمانہ میں اس کی تعلیم عین مفید اور مبنی بر مصلحت تھی۔ مگر عمومی انسانی عقول کے موافق نہ تھی۔ ایسا ہرگز نہ تھا کہ جو کسی نبی کے زمانہ میں شرعی حکم دیا گیا وہ قیامت تک کے لئے ضابطۂ کلیہ قرار پایا ہو اور ہر زمانہ کے عقلاء اگر سلیم ذہن کے ساتھ غور کریں تو اس نبی کی تعلیم کو عقل و فطرت کے مطابق اور ضروریاتِ زمانہ کی کفیل پائیں۔ یہ بات صرف تعلیم محمدی میں ہی ہے کہ جس چیز کے کرنے کا حضورؐ نے حکم دیا اس کے محاسن اور خوبیوں سے کسی زمانہ میں عقلاء نے انکار نہ کیا ہو مثلاً اجتماعیت و تنظیم کے لئے نماز باجماعت کا حکم، اخوت و مساوات اور ہمدردی انسانی کے لئے زکوٰۃ کا قانون عالم انسانیت کو متحد کرنے اور مبادلۂ خیالات کے لئے حج کی فرضیت، صحتِ جسمانی کے برقرار رکھنے اور فقراء کے فاقوں کا احساس کرنے کے لئے روزوں کی ضرورت وغیرہ ایسے اصول و ضوابط ہیں، جن کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ انسانی قاصر ہے۔ ہزاروں سلطنتوں کے شخصی اور جمہوری قوانین بنے۔ مختلف مجالسِ شوریٰ نے اصلاحِ عالم کے قانون بنائے۔ لیکن آج تک اس قدر جامعیت، سہولت، عموم افادہ اور اصلاحِ عالم کی بے پناہ ہمہ گیری کسی قانون اور کسی مجلسِ شوریٰ کے اختراعی ضابطہ کو نصیب نہ ہوئی۔ بیع، ہبہ، شراء، اجارہ، شفعہ، رجسٹری، شہادت، قضاء، عدالت وغیرہ کے جو قوانین حضورؐ نے جاری فرمائے اُن کی نظیر برٹش گورنمنٹ کے ضوابط میں تلاش کرو، گزشتہ رومن دور میں ڈھونڈو۔ یونانیوں کے پُرحکمت دفاتر میں جستجو کرو، لیکن کہیں نہ ملے گی۔

حضورؐ نے جن باتوں کے کرنے کی ممانعت فرمائی وہ قیامت تک قبیح اور ضرر رساں رہیں گی۔ زنا، قمار بازی، شراب خواری، دغابازی، ظلم، فریب، تعدی، جنگ، چوری وغیرہ کو کون شخص اچھا کہہ سکتا ہے۔ مثال کے طور پر شراب خواری ہی کو لیجئے۔ ایک دور آیا کہ برٹن علاقوں میں، امریکن ممالک میں، رومن مقبوضات میں بیانگِ دہل اس کی خوبیوں کا اعلان ہوتا رہا لیکن اس خبیث چیز کی مضرت کا اندازہ کر کے کچھ ہی مدت کے بعد بڑے بڑے ماہرین کیمیا نے اس کے ایک قطرہ کو بھی حیاتِ انسانی کے لئے تباہ کن قرار دیا۔ امریکہ میں ممانعت ہوگئی۔ برٹش حکماء نے رجعتِ قہقری کی۔ اب ہندوستان میں بھی کانگریس نے اس کی خرید فروخت اور پینے پلانے کو ممنوع قرار دیا۔

حاصل یہ کہ اسلامی تعلیم سراسر عقل کے مطابق، فطرتِ سلیم کے موافق اور ادیانِ صافیہ کے نزدیک صحیح اور درست ہے اور قیامت تک رہے گی۔ اس کے ایک حرف میں تبدل تغیر یا تحریف ناممکن ہے۔ اگر کیا جائے گا تو اتنا ہی تباہی کے غار کی طرف قدم اٹھے گا۔

(۹) دورِ اسلام سے قبل یہودی طرح طرح کی قیدوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ دینی احکام میں بھی بے انتہا سختی اور دنیا میں بھی ذلت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ بخت نصر اور کیخسرو نے لوٹ کر اُن کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ نہ مذہبی آزادی تھی، نہ دنیوی معاشرت کی حریت۔ یہودیوں پر واجب تھا کہ اگر کوئی غلطی سے نادانستہ بغیر ارادہ کے بھی قتل کر دے تب بھی قصاص واجب ہے۔ مقتول کے ورثاء خواہ معاف کر دیں یا خوں بہا کے طالب ہوں تب بھی قصاص ساقط نہیں ہو سکتا۔

جس کپڑے پر نجاست لگ جائے جب تک اتنے حصہ کو کاٹ نہ ڈالا جائے دھونے سے پاک نہیں ہو سکتا۔ اسی قسم کی اور سخت تکالیف ہیں جو شریعتِ اسلامیہ نے ساقط کر دیں۔ پھر آزادی، عدل اور رسومِ مذہبی کی عمومی اجازت جو اسلام نے دی وہ کبھی یہودیوں کو بابل اور ایرانی سائے کے نیچے نصیب نہ ہوئی۔ غرض اسلام نے جو سہولت بنی اسرائیل کے لئے کر دی وہ کبھی ان کو میسر نہ تھی۔

بعض کور دماغ اسرائیلی اعتراض کرتے ہیں اور نسخ احکام کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا اللہ کو آئندہ واقعات کا علم نہ تھا کہ اُس نے پہلے ایک حکم دے کر اٹھا لیا اور پھر دوسرے زمانہ میں اس حکم کو بدل دیا۔ مسلمانوں کے بعض فرقے بھی ان کی تقلید میں نسخ کے منکر ہو گئے ہیں۔ حالانکہ یہ اعتراض بصیرت کے خلاف ہے۔ منسوخ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ پہلے ایک حکم تھا اور پھر دوسرا حکم دوسرے زمانہ میں جاری کیا گیا اور علم الٰہی میں یہ بات پہلے سے تھی کہ فلاں زمانہ میں فلاں حکم مناسب و مفید ہے اور فلاں زمانہ میں فلاں حکم۔ نسخ احکام کا کون بے وقوف انکار کر سکتا ہے۔ حضرت آدمؑ کے زمانہ میں بضرورت بھائی بہن کا نکاح جائز تھا۔ اس کے بعد منسوخ ہو گیا کیونکہ ضرورت پوری ہو گئی۔ مصلحتِ الٰہی جس چیز کی مقتضی تھی اُس کی تکمیل ہو گئی۔ یہود و نصاریٰ بھی اس کے قائل ہیں۔ موجودہ توریت میں بھی اس کی صراحت ہے۔ اسی طرح سنیچر کے روز سوائے عبادت کے اور کوئی کام کرنا یہودیوں کے لئے ناجائز تھا لیکن انجیل والوں نے اس کو

toobaafoundation.com

منسوخ مانا۔ ختنہ کی رسم عیسائیوں کے اعتقاد و عمل کی رُو سے منسوخ ہوگئی۔ شریعتِ توریت میں جہاد کرنا واجب تھا۔ یہود و نصاریٰ سب قائل ہیں کہ موسیٰؑ و یوشعؑ و داؤدؑ نے جہاد کیا لیکن نصاریٰ قائل ہیں کہ عیسوی شریعت میں جہاد حرام ہوگیا۔

مقصودِ بیان رسول پاکؐ کے مرسل نبی امی ہونے کی صراحت۔ اس بات کی ببانگِ دہل وضاحت کہ توریت و انجیل میں حضورؐ کے حالات صفات، نام، حلیہ وغیرہ سب کچھ موجود تھا اور آپ کے زمانہ میں جو توریت یا انجیل کے نسخے موجود تھے اگرچہ ایک حد تک ان میں تحریف و تغیر ہوگئی تھی مگر پھر بھی حضورؐ کا مفصل تذکرہ ان میں مذکور تھا۔ حضورؐ کے خصوصی اوصاف پانچ ہیں:۔ اچھے کاموں کا حکم دینا، بُرے کاموں کی ممانعت کرنی، پاکیزہ چیزوں کو حلال کرنا، ناپاک چیزوں کو حرام کرنا، گزشتہ شرائع کی سختیوں کو سہولت سے بدلنا۔ اس کی صراحت کہ دینِ اسلام کے کل قواعد و ضوابط اور تمام جزئیاتِ عقل کے مطابق ہیں۔ جن چیزوں کو اسلام اور بانئ اسلام نے اچھا کہہ دیا وہ عقلاً اور فطرتاً اچھی ہیں اور جن چیزوں کو بُرا کہہ دیا وہ بُری ہیں۔ احکام میں نسخ جائز بلکہ واقع ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نور ہے اور اس کے زمانہ میں تمام دیگر مذاہب کی تعلیم گمراہی اور تاریکی ہے۔ رسولِ پاکؐ کی رفاقت اور مدد کرنے والے اور حضورؐ کی پیروی کرنے والے ہی نجات یافتہ اور فلاح یاب ہیں۔ دوسری اقوام کو کسی طرح اُخروی فلاح نہیں مل سکتی۔ وغیرہ

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعَا ۨالَّذِىۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ

کہہ دو کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا فرستادہ ہوں آسمان و زمین کی حکومت اُسی

وَالۡاَرۡضِ‌ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ‌ ۖ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهِ النَّبِىِّ الۡاُمِّىِّ

کی ہے جلاتا اور مارتا ہے لہٰذا تم اللہ پر اور اُس کے نبی اُمی فرستادہ پر ایمان لاؤ جو

الَّذِىۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوۡهُ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ۝

(خود بھی) اللہ پر اور اس کے کلام پر ایمان رکھتے ہیں اور اُس کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ

تفسیر گزشتہ آیات میں فرمایا تھا کہ خصوصی رحمت سے وہی لوگ سرفراز ہوں گے جن کے عقائد و اعمال دُرست ہوں جو نبی آخر الزماں کے اوصاف بیان کئے تھے کہ وہ رسول و نبی ہوگا۔ اُمّی ہوگا۔ توریت و انجیل میں اس کا تذکرہ موجود ہے وہ اچھی باتوں کا حکم دے گا اور بُری باتوں سے منع کرے گا۔ پاکیزہ چیزوں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دے گا اور بنی اسرائیل سے اُن سخت احکام کی بیڑیاں اور طوق اُتار کر پھینک دے گا۔ جو شریعتِ گزشتہ اور سلاطینِ زمانہ نے ان کی گردنوں اور ہاتھ پاؤں میں ڈالی تھیں۔ یہ رسول پاکؐ کی شناخت کی علامات ہیں۔ جب یہ تمام آثارِ معرفت، بیان کر چکا تو اب اصل مدعا کی طرف رجوع فرمایا۔

بعثتِ انبیاء کی غرض دو باتیں ہیں۔ اقرارِ توحید اور اعتراف و اتباع رسالتِ توحید کے ذیل میں توحید الوہیت و ربوبیت دونوں قسمیں داخل ہیں۔ اتباعِ رسولؐ کا اصل مقصد نجات و ہدایت ہیں۔ ان تمام امور کو ان آیات میں ذکر فرما دیا۔ سب سے پہلے رسول پاکؐ کو حکم دیا کہ تم تمام موجودہ اور آئندہ آنے والے انسانوں کو خطاب کر کے کہہ دو کہ مجھے تم سب کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے اور مقصودِ رسالت یہ ہے کہ تم اللہ کی توحید، ربوبیت و الوہیت کو مانو اور ضوابطِ حیات میں میری پیروی کرو۔ آسمانوں اور زمین کا کل تصرف انتظام اور حکومت اللہ ہی کی دستِ قدرت میں ہے۔ وہی موجد اور مربی ہے۔ لہٰذا وہی اپنی ربوبیت میں واحد ہے پھر وہ الٰہ مطلق بھی ہے۔ کیونکہ جلانا اور مارنا اسی کے اختیار میں ہے وہی زندہ اور مُردہ کرتا ہے۔ لہٰذا وہی اپنی الوہیت میں یکہ و تنہا ہے۔ پس تم اس پر ایمان لاؤ لیکن اس کے رسول کو بھی ضرور مانو۔ کیونکہ یہ وہی رسول

toobaafoundation.com

ہے جس کو (تورات وغیرہ میں) نبی اُمّی کہا گیا ہے۔ یہی اس کا اعجاز ہے اور وہ فقط تم کو ہی دعوتِ ہدایت نہیں دے رہا ہے بلکہ خود بھی اس پر کار بند ہے۔ اللہ کی ذات و صفات پر اس کا ایمان ہے لہٰذا تم کو اس کی پیروی ضروری کرنی چاہیئے۔ اس کی پیروی کرنے سے ہی امید ہدایت و نجات ہو سکتی ہے۔

تحقیقِ اجزاء

جَمِیۡعًا کا مطلب یہ ہے کہ قیامت تک جتنے آنے والے انسان ہیں اور حضورؐ کے زمانہ میں جتنے اشخاص موجود تھے سب کے واسطے حضورؐ کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ دعوتِ تبلیغ سب کے لئے عام ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محمدؐ کو اسود و احمر کی طرف بھیجا۔ عموم دعوت کے متعلق احادیث صحیح بکثرت موجود ہیں جن کی اسناد قوی اور جید ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ کے دورِ رسالت میں یعنی ابتدائے بعثت سے قیامت تک جو شخص بھی حضورؐ کی رسالت کو نہ مانے گا اس کی نجات ناممکن ہے۔ خواہ وہ موحّد ہو۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ کی روایت ہے۔ حضورؐ گرامی نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس امت کا کوئی شخص خواہ یہودی ہو یا نصرانی ہو یا اور کوئی ہو میری رسالت کو سن کر اگر مجھ پر ایمان نہ لائے گا تو ضرور جہنمی ہوگا (مسلم وغیرہ)۔

ایک روایت میں ہے وہ جنّت میں نہ جائے گا۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ ہوش و حواس دُرست ہوں اور دعوتِ اسلام کی اطلاع پہنچ گئی ہو۔ بصورتِ نفی معذور ہے۔

اللہ کے تین اوصاف بیان کئے۔ ملکیتِ عامہ، وحدت، الوہیت، زندہ اور مُردہ کرنا، ملکیتِ عامّہ ثابت کرنے سے مشرکین عرب و عجم کا رد ہوگیا جو سوائے خدا کے اوروں کو مستحقِ عبادت خیال کرتے تھے حالانکہ ان کو ذرّہ برابر تصرّف کرنے کا اختیار نہیں اور نہ اُن کی ملکیت میں عالم کا کوئی ذرّہ ہے۔

دوسرے وصف سے اعتقادِ یہود و نصاریٰ کی تردید ہوگئی جو عزیرؑ و مسیحؑ کو ابن اللہ خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ ان میں الوہیت کا کوئی شائبہ نہیں پھر ابن اللہ ہونا کیسے ممکن ہے۔ تیسرے وصف سے تمام دنیا کے باطل پرستوں اور تاویلاتِ زائفہ کرنے والوں کے عقائد کا..... استیصال ہوگیا۔ کیونکہ زندہ کرنا اور مُردہ کرنا ہدایتہً کسی کے اختیار میں نہیں۔

کَلِمٰتِہٖ کی بجائے ایک روایت میں کَلِمَتِہٖ بصیغۂ مفرد بھی آیا ہے۔ اس سے مُراد ابن کثیرؒ، قتادہ اور بیضاوی کے قول کے موافق فقط قرآن ہے۔ دیگر مفسرین کے نزدیک قرآن اور دیگر آسمانی کتابیں مُراد ہیں۔ مجاہد اور سدی کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰؑ کی ذات مُراد ہے۔

مقصودِ بیان

رسولِ پاکؐ کی بعثتِ عامّہ کی صراحت، منکرینِ رسالت کے جہنمی ہونے کی طرف اشارہ، خدا تعالیٰ کے مخصوص اوصاف کا بیان جن سے توحیدِ الوہیت و ربوبیت ثابت ہوتی ہے۔ اس بات کی طرف ایماء کہ جس نبی امّی کے بھیجنے کا وعدہ موسیٰؑ سے کوہ طور پر خدا تعالیٰ نے کیا تھا وہ حضورؐ ہی کی ذاتِ گرامی تھی۔ اس امر کی صراحت کہ رسول کا اتباع لازم ہے۔ یعنی جو شخص رسول کے اتباع کو چھوڑ کر اپنی طرف سے کوئی حکم دے اس کے قول پر نہ چلنا چاہیئے۔ اس بات پر ضمنی تنبیہ کہ اگر کوئی شخص رسول پاکؐ کی تصدیق کرتا ہے مگر اتباع نہیں کرتا وہ خطا کار ہے۔

خصوصیت کے ساتھ اس بات کی در پردہ نصیحت کہ عظمت و جلالِ الٰہی کے سامنے بے باکی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور اتباع کے بغیر کچھ بھی امید نہیں۔ وغیرہ

وَمِنۡ قَوۡمِ مُوۡسٰۤى اُمَّةٌ يَّهۡدُوۡنَ بِالۡحَـقِّ وَبِهٖ يَعۡدِلُوۡنَ ○

اور موسیٰ کی قوم میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کی راہ بتاتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں

toobaafoundation.com

تفسیر اس آیت میں کون لوگ مراد ہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ اکثر مفسرین کا رجحان اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت موسیٰ کے زمانہ میں تھے لیکن توریت میں تحریف و تغیر نہ کی بلکہ صحیح احکام پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو باتیں توریت میں بیان کی گئی تھیں اس میں تحریف نہیں کی صحیح احکام ظاہر کرتے رہے۔ لیکن ابن کثیر اور بعض دیگر مفسرین قائل ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو رسول پاک کے زمانہ میں تھے اور اپنے دین پر اخلاص کے ساتھ قائم رہے۔ پھر حضور کی دعوت پر لبیک کہی اور ایمان لے آئے۔ مثلاً عبداللہ بن سلام وغیرہ۔ بہرحال مطلب ظاہر ہے۔ خدا تعالیٰ بنی اسرائیل کے ایک فرقہ کے قول و عمل کی مدح فرماتا ہے کہ وہ خود بھی اعتدال و انصاف پر قائم ہیں۔ حق پر عمل کرتے اور انصاف سے فیصلہ کرتے ہیں یعنی رشوت اور دنیوی طمع سے حق کو ناحق اور صحیح کو غلط نہیں قرار دیتے اور لوگوں کو راہ راست پر چلنے کی نصیحت بھی کرتے ہیں۔ پچھلی آیات میں بنی اسرائیل کی سرکشی کا اظہار کیا تھا۔ یہاں اس عمومی حکم سے ایک ہادی عادل کا استثناء کر لیا۔

میرے خیال میں اس سے وہ فرقہ مراد ہے جو حضرت عیسیٰ کے دعوی نبوت سے قبل گزر چکا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس آیت میں بنی اسرائیل کے باہمی اختلاف کا ایک عام قاعدہ کے ماتحت فیصلہ فرمایا ہے کہ یوں تو بنی اسرائیل کے بارہ فرقے تھے مگر انھوں نے احکام الٰہی سے سرکشی کی اور گمراہ ہوئے مگر ایک فرقہ ان میں ایسا بھی تھا جو اعتدال پسند اور افراط و تفریط سے محترز تھا اور وہی فرقہ راہ حق پر تھا۔ اسی طرح نصاریٰ کے حق پرست فرقہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ وَمِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ الآیۃ۔ علی ہذا مسلمانوں کے ناجی فرقہ کا بیان بھی فرمایا ہے۔ ارشاد ہوا ہے.... وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ۔

مقصود بیان اس بات کا بیان کہ بنی اسرائیل کا ایک فرقہ ایسا بھی ہے کہ وہ خود بھی اعتدال و انصاف پر قائم ہیں اور لوگوں کو بھی راہ راست پر چلنے کی نصیحت کرتے ہیں۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ	
ہم نے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے گروہ در گروہ جدا کر دیئے تھے اور جب موسیٰ سے اُن کی قوم نے پانی مانگا تو	
اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ	
ہم نے اُن کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو (مارنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ) اُس میں سے	
اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ	
بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور ہر گروہ نے اپنا گھاٹ معلوم کر لیا اور ہم نے اُن پر ابر کو	
الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ	
سائبان بنایا اور من و سلویٰ اُن پر نازل کیا (اور کہہ دیا کہ) ہماری دی ہوئی نفیس چیزیں کھاؤ	
وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝	
اُنھوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے	

toobaafoundation.com

تفسیر حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے۔ ہر ایک کی اولاد جدا جدا ایک بڑا گروہ اور خاندان بن گئی اور اس طرح بنی اسرائیل الگ الگ بارہ خاندانوں پر منقسم ہو گئے جن میں کچھ چھوٹے خاندان تھے کچھ بڑے۔ سمندر سے نجات پانے اور فرعون کے غرق ہونے کے بعد قادسیہ کے قریب پہنچ کر بنی اسرائیل نے ایک محسوس معبود کی خواہش کی اور موسیٰؑ کی تنبیہ کے بعد اپنی خواہش سے باز آئے پھر وادیٔ سینا میں پہنچ کر حضرت موسیٰؑ تورات لینے کے لئے کوہ طور پر گئے اور آپ کی غیبت میں بنی اسرائیل نے سونے کا بچھڑا پوجنا شروع کیا لیکن پھر بھی خدا تعالیٰ کی اُن پر عنایت و نوازش ہوئی مگر ان کی سرکشیوں میں کمی نہ آئی تو عذاب میں مبتلا ہوئے اور ایک بیابان میں چالیس سال حیران و پریشان گھومتے رہے۔ رہائی کا راستہ ہی نہ ملا۔ بیابان میں نہ کھانا تھا نہ پانی حضرت موسیٰؑ سے بھوکا پیاسا مرنے کی شکایت کی۔ موسیٰؑ نے دعا کی۔ بحکم الٰہی ہوا کہ پتھر پر لاٹھی مارو۔ موسیٰؑ نے حکم کی تعمیل کی۔ فوراً پتھر کے اندر سے الگ الگ بنی اسرائیل کے خاندانوں کی تعداد کے موافق بارہ چشمے پھوٹ نکلے جن میں کچھ چھوٹے تھے کچھ بڑے اور خاندان بھی چونکہ چھوٹے بڑے تھے اس لئے ہر خاندان نے اپنا چشمہ پہچان لیا اور اس طرح کسی گروہ کو دوسرے سے جھگڑا کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ کھانے کے لئے آسمان سے من و سلویٰ نازل ہوا جس کی تفصیل سورۂ بقر میں گزر چکی ہے۔ پھر دھوپ سے بچنے کا چونکہ کوئی ذریعہ نہ تھا اس لئے بحکم خدا ہر وقت ایک ابر چھایا رہا۔ جدھر جاتے ساتھ ساتھ ایک ابر جاتا اور جہاں ٹھہرتے ٹھہر جاتا۔ اس ابر میں نہ تکلیف دہ خنکی تھی، نہ آفتاب کی گرمی نیچے پہنچ سکتی تھی لیکن نعمتیں بلا مشقت کھاتے کھاتے بنی اسرائیل اُکتا گئے، ناشکری کرنے لگے۔ کہنے لگے ہم سے تو ایک قسم کے کھانے پر صبر نہیں ہو سکتا ہم کو تو منہ کا مزہ سلونا کرنے کے لئے لہسن، پیاز، مسور کی دال وغیرہ کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ اُن کو خدا پر اعتماد بھی نہ رہا۔ حکم تھا کہ اگلے روز کے لئے غذا کوئی جمع نہ کرے ورنہ اس کا نتیجہ بُرا ہوگا مگر کوتاہ نظر رکھنے والوں نے ذخیرہ جمع کرنا شروع کر دیا اور خیال کیا خدا جانے کل کو یہ روزی ملے گی یا نہیں۔ اس جُرم کی پاداش میں نعمتِ نازلہ کا نزول بند ہو گیا۔ اور جو کچھ جمع کیا تھا وہ بھی سڑ گیا۔ اور خود بنی اسرائیل نے اپنے ہاتھوں سے اپنی تباہی کا سامان کیا۔

مقصود بیان بنی اسرائیل کی سرکشی کا اظہار، اللہ کی قدرتِ جلیلہ کا بیان، اس امر کی وضاحت کہ خدا تعالیٰ بغیر اسباب کے بھی ہر چیز عطا فرما سکتا ہے مگر انسان میں اس کی قبول کی صلاحیت اور اعتماد ضروری ہے۔ قدرتِ الٰہی پر بھروسہ نہ رکھنے کی سزا سخت ہے۔ انسان اپنی تدبیروں سے اپنے لئے خود بُرائی کرتا ہے۔ خدا کسی کی بُرائی نہیں کرتا۔ شروع آیت میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ بنی اسرائیل میں بھی (موجودہ مسلمانوں کی طرح) تفریق قومی اور امتیاز نسلی تھا اور اس حد تک تھا کہ ایک گھاٹ پانی پینا گوارا نہ کر سکتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ان کی تفریق ہٹانے اور منازعت کو دور کرنے کے لئے چشمے بھی الگ الگ جاری فرمائے تھے۔

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا

جب ان کو حکم دیا گیا کہ اس بستی میں بس جاؤ اور وہاں جو چاہو کھاؤ اور حطۃٌ

حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

کہو اور دروازہ میں سجدہ کرتے داخل ہو ہم تمہارے قصور معاف کر دیں گے نیک بندوں کو اور زیادہ دیں گے

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ

مگر ظالموں نے اس لفظ کو بدل ڈالا جو اُن سے کہا گیا تھا تو ہم نے اُن کی

رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝ ع ۲۰ ع۵ ۱۰

ظلم کرداری کی وجہ سے آسمان سے اُن پر عذاب بھیج دیا

toobaafoundation.com

تفسیر یہ قصہ حضرت موسیٰؑ کے بعد آپ کے خلیفہ یوشع بن نون کا ہے۔ حضرت یوشع ملک شام کو گئے اور نہر اردن کو عبور کر کے شہر کہ یعنی اریحا میں پہنچے۔ اریحا کا فاصلہ نہر اردن سے سات یا نو میل تھا اور اور شلیم سے بیس میل خدا تعالیٰ کا حکم تھا کہ جب تم اس شہر میں داخل ہو تو داخلہ کے وقت سجدہ کرتے یعنی عاجزی اور سرنگونی کرتے ہوئے داخل ہونا اور خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے گھسنا مگر بنی اسرائیل انتہائی سرکش تھے۔ یہ وہاں پہنچے تو بجائے سرنگونی، عاجزی اور مغفرت کے لگے حکم الٰہی کا مذاق اڑانے۔ کہنے لگے پروردگار! ہم کو گیہوں بھری بالیاں عطا کر۔ پھر شہر فتح ہوا تو حکم ہوا کہ مال غنیمت کوئی پوشیدہ نہ رکھے، نہ کوئی شخص کوئی چیز چوری کرے۔ بنی اسرائیل نے اس حکم سے بھی سرتابی کی اور لوٹ کا مال چھپا لیا۔ اس پر آسمانی بلا نازل ہوئی۔ مرض طاعون پیدا ہوا اور اکثر تباہ ہو گئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آسمانی بلا سے مراد یہ ہے کہ عمی کے لوگوں یعنی اہل کنعان نے بنی اسرائیل کو شکست دے کر قتل و غارت کر دیا۔

تحقیق یہ قصہ مختصر سورہ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے مگر بعض الفاظ کا یہاں تغیر ہے۔ مطلب بہر حال ایک ہی ہے۔ قَرْیَۃ سے مراد بعض لوگوں نے بیت المقدس بیان کیا ہے مگر یہ غلط ہے۔ صحیح یہی ہے کہ قریہ سے مراد اریحا ہے۔

سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سر جھکاتے ہوئے، فروتنی کرتے ہوئے داخل ہو۔ خمیدہ قامت اور سرنگوں ہو کر اندر جاؤ۔ کیونکہ پیشانی زمین پر رکھ کر داخل ہونا ناممکن ہے۔ سَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ کا مطلب یہ ہے کہ اگر حکم کی تعمیل کرو گے اور نیکوکار رہو گے تو خدا تعالیٰ مزید نعمت عطا کرے گا۔ ابھی تو صرف ایک شہر فتح ہوا ہے پھر پورا ملک فتح ہو جائے گا۔

مقصودِ بیان تعمیل حکم الٰہی واجب ہے۔ نعمت کا شکر ادا کرنا، توبہ و استغفار کرنا، بارگاہِ خداوندی میں عاجزی کرنا ضروری ہے۔ ملکی فتوحات بھی انعام ربانی ہے۔ نعمت کا شکریہ ادا کرنے سے مزید نعمت ملتی ہے۔ احکام الٰہی کا مذاق اڑانا کفر ہے۔ وغیرہ

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ

اس بستی سے دریافت کرلو جو دریا کے کنارے واقع تھی جب وہ ہفتہ کے بارے میں زیادتی کرتے

اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛ

ہے ہفتہ کے دن اُن کی مچھلیاں (پانی کے اوپر) ظاہر ہو ہو کر آتی تھیں اور جس دن ہفتہ نہ ہوتا تھا تو یہ اُن کے پاس نہ آتی تھیں

كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ

یونہی ہوتا تھا ہم ان کو آزماتے تھے کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور جب ایک گروہ نے اُن میں سے کہا تم

تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ قَالُوْا

کیوں ایسی قوم کو نصیحت کئے جاتے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا اُن کو سخت عذاب دینے والا ہے وہ بولے

مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا

صرف تمہارے رب کے سامنے عذر کرنے کو اور اس لئے کہ شاید وہ پرہیزگار ہو جائیں غرض جب وہ اُس نصیحت کو بھول گئے جو اُن کو کی جاتی تھی

toobaafoundation.com

الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍ

تو ہم نے اُن لوگوں کو بچا لیا جو بُرے کام سے منع کرتے تھے اور ظالموں کو اُن کی بدکرداری کی وجہ سے

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا

سخت عذاب میں پکڑ لیا اور جب ممنوعات کی حد سے وہ آگے بڑھ گئے تو ہم نے ان کو حکم دیا

قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ○

ذلیل بندر بن جاؤ

تفسیر یہ قصہ حضرت داؤدؑ کے زمانہ میں واقع ہوا جبکہ بنی اسرائیل ملک شام میں آکر رہنے لگے تھے اور یہاں اُن کا کامل تسلط ہو گیا تھا پوری تفصیل سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ یہودیوں پر سنیچر کے دن کی تعظیم اور کل دنیوی مشاغل کو ترک کر کے محض عبادت کرنا اس دن میں فرض کر دیا تھا۔ قلزم کے کنارے ایک گاؤں تھا جس کا نام ایلہ تھا وہاں مچھلیاں بکثرت تھیں اور وہاں کے باشندوں کی روزی عموماً شکار پر موقوف تھی۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کی آزمائش کی گئی جس کی صورت یہ ہوئی کہ سنیچر کے دن دریا کے کنارے بے انتہا مچھلیاں اُبھر آتیں۔ بنی اسرائیل کے دل للچاتے مگر مجبور تھے کیا کرتے۔ لیکن سنیچر گزر جاتا تو چھ روز تک مچھلی کا پتہ بھی نہ ملتا۔ آخر حکم الٰہی کے ٹالنے کے لئے ان میں سے بعض لوگوں نے ایک حیلہ تراشا۔ دریا کے کنارے سے کچھ نالیاں نکالیں اور نالیوں کے اختتام پر گہرے گڑھے کھود دیئے۔ سنیچر کے روز حسب معمول مچھلیاں آتیں اور ان نالیوں میں ہوتی ہوئی گڑھوں میں جا کر گر جاتیں۔ اتوار کے روز وہ سب کو پکڑ لیتے۔ پھر رفتہ رفتہ اس میں بھی تساہل کرنے لگے۔ اکا دکا سنیچر کے دن بھی مچھلیاں پکڑ لیتا۔ ایک فریق نے ان شکاریوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا اور اس فعل قبیح سے منع کیا لیکن جب انھوں نے نہ مانا تو روکنے والا گروہ چپ ہو رہا مگر کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو برابر نصیحت کرتے رہے۔ فریق دوم نے کہا ان کو نصیحت کرنے سے کیا فائدہ۔ یہ ماننے والے معلوم نہیں ہوتے۔ اغلب خیال ہے کہ سرکشی کی پاداش میں مبتلا ہوں گے اور عذاب الٰہی ان پر نازل ہوگا۔ واعظین نے جواب دیا۔ ہمارے مقصد دو ہیں۔ اول تو اپنی جانوں کی خدا کے سامنے براءت کہ اگر خدا تعالیٰ ہم سے دریافت فرمائے تو ہم اپنا عذر پیش کر سکیں۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ شاید یہ لوگ باز آجائیں اور اس نازیبا حرکت سے توبہ کر لیں۔ بالآخر عذاب الٰہی آیا۔ نافرمانی اور سرکشی کرنے والوں میں ایک مرض پیدا ہو گیا (غالباً جذام ہو گا) جس کی وجہ سے اُن کی صورتیں بندروں کی طرح (گول اور متورم) ہو گئیں اور تین روز تک یونہی جھک مار کر مر گئے۔

اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ ان لوگوں کے تین گروہ ہو گئے تھے۔ ایک گروہ تو خود شکار کرتا تھا۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو شکار کرنے والوں کو برابر منع کئے جاتا تھا۔ تیسرا فریق وہ تھا جو شروع میں تو اپنی قوم کو شکار کرنے سے منع کرتا رہا لیکن آخر میں تھک کر چپ ہو رہا۔ ابن عباسؓ کی متعدد روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے اور جمہور کا بھی یہی قول ہے۔ عذاب صرف شکار کرنے والوں پر نازل ہوا۔ واعظین کا گروہ محفوظ رہا اور خاموش ہو جانے والوں کی نسبت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے ان کی حالت معلوم نہیں لیکن عکرمہ فرماتے ہیں کہ وہ بھی عذاب سے بچ گئے کیونکہ انھوں نے ان نافرمانوں کے فسق کو بُرا جانا تھا۔ ابن عباسؓ کا رجوع بھی عکرمہ کے قول کی طرف ایک روایت میں آیا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف دو فرقے تھے، ایک شکار کرنے والا دوسرا منع کرنے والا۔

تحقیق اجزاء قریہ کا نام ابن کثیر وغیرہ کے نزدیک ایلہ تھا جو مدین اور طور کے درمیان واقع تھا۔ ابن اسحاق نے بروایت عکرمہ ابن عباسؓ کا قول بھی یہی نقل کیا ہے۔ مجاہد، قتادہ، سدی بھی اسی کے قائل ہیں۔ زہری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے

toobaafoundation.com

کو قریہ سے مراد مدین ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کو طبریہ مراد ہے مگر صحیح اول قول ہے۔ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ آزمائش خداتعالیٰ نے اُن کی نافرمانی اور حیلہ تراشی کی وجہ سے کی تھی۔ وہ لوگ مذکورہ واقعہ کو دریا کا ریلا خیال کرتے تھے اور جب مذکورہ تدبیر و حیلے کے بعد کچھ دنوں انھوں نے عذابِ الٰہی نہ دیکھا تو مطمئن ہو گئے۔ علمائے اسلام نے ایسے حیلہ کو جو عموم نص کے خلاف ہو ممنوع قرار دیا ہے بلکہ بعض نے حرام کہا ہے۔ فقیہ ابن بطہ نے ابوہریرہؓ کی روایت کی ہے کہ حضورِ اقدسؐ نے ارشاد فرمایا تم لوگ اس چیز کا ارتکاب نہ کرو جس کے مرتکب یہودی ہوئے کہ ادنیٰ حیلے سے انھوں نے محارمِ الٰہی کو حلال تصور کر لیا۔ ابن کثیر اور احمد بن محمد بن مسلم نے اس حدیث کی اسناد قوی اور جید بیان کی ہے۔ خطیب نے بھی اپنی تاریخ میں اس کی تخریج کی ہے۔

اَللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ کہنے سے غرض صرف اپنے غالب خیال کا اظہار ہے۔ اُن لوگوں نے دیکھا کہ یہ شکاری فرقہ حکمِ الٰہی کی خلاف ورزی سے باز نہیں آتا تو ضرور اس پر عذاب آئے گا اور اللہ ہی ان کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو مذکورہ قول اپنے زعم کے موافق کہہ دیا۔ بندر بن جانے کو بعض لوگوں نے حقیقت پر محمول کیا ہے کہ وہ واقعی دُم دار بندر بن گئے تھے۔ اگرچہ قدرت سے یہ بات بھی بعید نہیں۔ مگر چونکہ اس کے متعلق کوئی روایت نہیں ملتی، اس لئے مطلب زیادہ بہتر وہی ہے جو ہم نے بیان کیا کہ کسی مرض میں مبتلا ہو کر چہروں پر ورم آگیا اور چہرے گول چپٹے ہو کر بندروں کی طرح ہو گئے۔

مقصودِ بیان رسولِ پاکؐ کی صداقت کا اظہار کہ گزشتہ اہم ترین واقعہ سینکڑوں برس پہلے کا حضورؐ بیان فرما رہے ہیں باوجودیکہ کوئی آسمانی کتاب نہیں پڑھی۔ نہ اہلِ کتاب سے میل جول پیدا کر کے سُنا اور بے کم و کاست صحیح واقعہ بیان کر دیا جس کو یہودی بھی تسلیم کرتے ہیں اور کسی کو انکار کی مجال نہیں۔ امتحانِ الٰہی کا بیان اور اس بات کی صراحت کہ اللہ کی طرف سے آزمائش صرف انسان کی نافرمانی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ حیلہ بہانہ بنا کر حکمِ الٰہی کو ٹالنے کی تدبیریں کرنی حرام ہیں۔ وعظ و تبلیغ فرضِ قطعی ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے مگر حکمِ الٰہی بیان کرنا ضروری ہے۔ اگر حکمِ الٰہی کو نہ بیان کیا اور خاموش رہا تو ماخوذ ہوگا۔ مختلف سخت ترین امراض جن سے آدمی کی شکل بگڑ کر جانور کی طرح ہو جاتی ہے عذابِ الٰہی ہیں۔ (پناہ بخدا) وغیرہ

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ

اور جب تمہارے رب نے جتا دیا کہ اللہ یہود پر قیامت کے دن تک ایسے شخص کو مسلط کر دے گا جو انھیں بُری مار دیا کرے گا

اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

بلاشبہ تمہارا رب جلد عذاب دینے والا ہے اور وہ یقیناً غفور رحیم ہے

تفسیر اللہ نے توریت میں صاف صاف اعلان کر دیا تھا کہ اے بنی اسرائیل اگر تم بدی کرو گے تو وہ ابد تک تم کو تمہارے دشمنوں کے ہاتھوں میں دیدے گا جو تم کو سخت مصائب میں مبتلا رکھیں گے۔ سفرِ استثناء کے باب ۱۱ درس ۱۹ میں اسی قسم کے مضامین موجود ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب بنی اسرائیل نے حد سے بڑھ کر سرکشی کی تو خدا تعالیٰ نے ان کو حکومت، عزت، شوکت اور سلطنت سے محروم کر دیا۔ کبھی نینوا اور بابل کے بادشاہوں نے اُن کو غلام بنایا کبھی ایرانیوں کے زیرِ تسلط آئے۔ کبھی نصاریٰ نے ان پر حکومت کی۔ پھر سکندر اعظم نے ان کو اسیر کیا۔ اسلامی دور میں مسلمانوں کی رعیت ہو کر بڑی ذلت و خواری سے زندگی بسر کی۔ اب تک ان کو کہیں کی حکومت و سلطنت میسر نہ ہوئی۔ ہر قوم اللہ کی زمین کے کسی نہ کسی حصّہ کی مالک اور بادشاہ ہے لیکن یہود کا یہ جمِ غفیر بدستور کسی نہ کسی کا غلام ہے۔ اب فلسطین میں انگریز ان کی حکومت کی بنیاد قائم کرنی چاہتے ہیں لیکن اپنا انتداب قائم رکھنا چاہتے ہیں اور اپنی زیرِ سیادت ان کی سلطنت بنانے کے خواستگار ہیں۔ اگرچہ اس طرح کی حکومت حکومت نہیں ہوتی بلکہ بالواسطہ غلامی ہوتی ہے مگر تورات کی پیشین گوئی اور قرآن پاک کی صراحت پر نظر کرتے ہوئے ایسی حکومت کی بھی یہودیوں کے واسطے امید نہیں۔

toobaafoundation.com

مقصودِ بیان یہودیوں کے متعلق پیشین گوئی کہ ان کو کبھی دنیوی سلطنت نصیب نہ ہوگی۔ درپردہ مسلمانوں کو تنبیہ کہ اگر تم بھی یہودیوں کے نقشِ قدم پر چلو گے تو تمہارا بھی وہی انجام ہوگا جو یہودیوں کا ہوا۔ تمہاری سلطنت و حکومت بھی چھین جائے گی اور ذلت و غلامی کی زندگی بسر کرو گے۔ آخر کی دونوں آیتوں میں اس طرف اشارہ ہے کہ محمد رسول اللہ کی پیروی کرو تاکہ خدا تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرما دے۔ ورنہ عذاب میں ماخوذ ہو جاؤ گے۔

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫

اور ہم نے اُن کو زمین میں گروہ گروہ کرکے پھیلا دیا بعض تو اُن میں سے نیک ہیں اور بعض اور طرح کے ہیں

وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ

اور ہم نے اُن کو نعمتوں سے اور تکلیفوں سے آزمایا تاکہ وہ باز آجائیں لیکن اُن کے بعد

خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ

ایسے ناخلف آئے جو کتاب کے وارث بنے اس دنیائے دون کا سامان لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ۭ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ

ہم کو معاف کر دیا جائے گا اور اُن کے پاس اگر ویسی ہی چیز پھر آجائے تو اس کو بھی لے لیتے ہیں کیا اُن سے کتاب کے

مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۭ

اس مضمون کا عہد نہیں لیا گیا تھا کہ اللہ پر سوائے سچ کے (جھوٹ) نہ کہیں اور جو مضمون کتاب میں تھا وہ انھوں

وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ

نے پڑھ بھی لیا اور دارِ آخرت پرہیزگاروں کے لئے بہتر ہے کیا تم سمجھتے نہیں اور جو لوگ کتاب

يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝

کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں اور ٹھیک نماز پڑھتے ہیں تو ہم نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے

تفسیر اوپر کی آیت میں یہودیوں پر ذلت کی مہر دینے کی صراحت تھی۔ اب بیان فرمانا چاہتا ہے کہ بنی اسرائیل کی حالت ایک سی نہ تھی۔ ہم نے زمین پر اُن کے مختلف گروہ بنا دئے تھے۔ ایک جگہ یا ایک عمل و عقیدہ پر اُن کا اجتماع نہ تھا باہم تفرقہ اور پھوٹ تھی۔ کچھ لوگ تو واقعی نیک اور نیکوکار تھے۔ تورات کے صحیح احکام پر چلتے تھے۔ لیکن باقی افراد بدکار، فاسق، فاجر اور کافر تھے۔ ہم نے اُن بدکاروں کو طرح طرح سے ہدایت کی۔ راہ پر آنے کا موقع دیا۔ نعمت، فراغت اور راحت و چین دیا۔ کبھی فقر و افلاس اور دنیوی مصائب میں مبتلا کیا کہ شاید عیش میں یا تکلیف میں ان کو خدا یاد آجائے اور اپنے کرتوت چھوڑ کر حق پرستی کی طرف رجوع کریں۔ بہرحال ان یہودیوں کے اسلاف کے دو گروہ ہوئے نیک اور بد لیکن ان کے

toobaafoundation.com

جانشین تو ایسے ناخلف ہوئے جن کے ہاتھوں میں تو کتاب الٰہی ہے مگر احکام الٰہی کو رشوتیں لے کر بدلتے ہیں۔ حرام کھاتے ہیں۔ حق کے عوض دنیائے دنی کا حقیر مال حاصل کرتے ہیں اور پھر بے باک ایسے ہیں کہ اس جرم عظیم کو حقیر سمجھ کر کہتے ہیں کہ یہ گناہ ہی کیا ہے ہم تو اللہ کے پیارے اور اس کی اولاد ہیں۔ ہمارا خدا سے رشتہ ہے۔ ہمارا یہ سب گناہ معاف ہوجائے گا اور یہ زبانی دعائے مغفرت اور دعویٰ عفو بھی کچھ بلحاظ توبہ نہیں بلکہ صرف نمائش ہے۔ ان کے دلوں میں اس کا ذرہ برابر اثر نہیں۔ کیونکہ اگر دوبارہ ان کو کہیں رشوت لے کر حق پوشی اور باطل کوشی کا موقع ملتا ہے تو دریغ نہیں کرتے بلکہ وہی پہلی حرکت کرتے ہیں اور برابر دنیوی حقیر مال کے لالچ میں پڑے رہتے ہیں حالانکہ تورات میں اصرار بر معصیت کے باوجود مغفرت کا وعدہ نہیں بلکہ ان سے کہہ دیا گیا ہے کہ دیکھو اللہ کے متعلق کوئی خلاف بات نہ کہنا۔ اس بات کا ان کو علم بھی ہے۔ تورات میں پڑھتے بھی ہیں مگر پھر وہی کرتے ہیں جس سے آخرت تباہ ہو۔ باوجودیکہ یہ بالکل نمایاں حقیقت ہے کہ جو لوگ دنیائے دنی سے مُنہ موڑ کر اللہ سے تعلق جوڑ کر آخرت کے طالب ہوتے ہیں اُن کے لئے آخرت ہی بہتر ہے۔ ہاں اُن لوگوں میں کچھ اشخاص (عبداللہ بن سلام وغیرہ) ایسے بھی ہیں جو کتاب الٰہی کے احکام کے پابند ہیں محمد رسول اللہ صلعم پر توریت کے حکم کے مطابق ایمان لائے ہیں۔ وہ نیک لوگ ہیں۔ اللہ اُن کو اجر عطا فرمائے گا۔

تحلیل شیخ ابن کثیر نے بروایت سدی بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل کے قاضی رشوت خوار تھے اور قوم میں جو نیک لوگ تھے وہ جمع ہو کر عہد لیتے تھے کہ ہم کسی طرح احکام توریت کو تحریف نہیں کریں گے اور رشوت لے کر حق کو نہیں چھپائیں گے لیکن انہی لوگوں میں سے اگر کوئی برسر حکومت ہو جاتا تو وہ بھی یہی کرتا۔ اس کے ثبوت میں سدی نے آیت وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ پڑھی۔ لیکن جمہور کی تفسیر وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کر دی۔

مِيْثَاقُ الْكِتٰبِ سے وہ میثاق مُراد ہے جس کا بیان خدا تعالیٰ نے آیت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ میں فرمایا ہے۔

آیت کا حکم عام ہے جو مسلمان علماء بنی اسرائیل کے صفات رکھتے ہوں وہ بھی اس وعید کے مصداق ہیں۔ کیونکہ ابن عباسؓ نے فرمایا تھا کہ وہ لوگ بار بار اپنے گناہ کی طرف عود کرتے تھے اور توبہ نہیں کرتے تھے اور پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت کے بھی مدعی تھے۔ اس کے بعد ابن عباسؓ سے آیت مذکورہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیا پر جھکے ہوئے ہیں۔ حرام و حلال جس طرح پاتے ہیں کھائے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عنقریب ہماری مغفرت کی جائے گی حالانکہ دنیا کی جو چیز اُن کے سامنے آتی ہے اس کو بغیر لئے نہیں چھوڑتے۔ مجاہد کہتے ہیں اس آیت کا مصداق نصاریٰ ہیں۔

مقصودِ بیان کسی قوم کا باہمی افتراق اُس پر عذابِ الٰہی ہے۔ خدا تعالیٰ دُکھ سُکھ دے کر آزمائش کرتا ہے۔ یہودی رشوت خوار اور حق پوش تھے۔ مسلمانوں کے لئے مایۂ صد عبرت مخفی ہے کہ اگر وہ بھی اسرائیلیوں کی طرح حق پوش و رشوت خوار ہوں گے تو اُن کا بھی انہی کی طرح انجام ہوگا۔ کتاب اللہ پر عمل کرنے والوں کو خدا تعالیٰ ضرور اجر عطا فرمائے گا۔ وغیرہ

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَاۤ

اور جب ہم نے اُن کے اوپر پہاڑ کو سائبان کی طرح اُٹھا لیا اور انھوں نے سمجھ لیا کہ وہ اُن پر گرنے والا ہے (اور ہم نے کہا کہ) جو کچھ ہم

اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ع

نے تم کو دیا ہے اس کو مضبوطی سے پکڑو اور جو مضمون اُس میں ہے اُسکو یاد رکھو تاکہ تم (عذاب سے) بچ جاؤ

ع ۹ ۱۱

toobaafoundation.com

تفسیر پہاڑ سے مُراد بعض کے نزدیک کوہ طور ہے۔ بعض قائل ہیں کہ فلسطین کے پہاڑوں میں سے کوئی پہاڑ تھا۔ بعض نے بیت المقدس کے قریب کا کوئی پہاڑ بتایا ہے۔ یہ قصہ مکمل سورۂ بقر میں گزر چکا ہے۔ نسائی نے ابن عباسؓ کی روایت بیان کی ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ کا غصہ فرو ہو گیا اور آپ نے الواح توریت کو اُٹھایا تو اس کے بعد بنی اسرائیل کو لے کر زمین مقدس کی طرف چل دیئے اور الواح کے مطابق عقائد رکھنے اور فرائض و واجبات پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ بنی اسرائیل پر یہ احکام شاق گزرے اس لئے انھوں نے قبول سے انکار کیا۔ اللہ نے اس پر پہاڑ کو اُٹھایا (گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑ اُن پر گرا جاتا ہے) نسائی کی روایت کی صورت میں پہاڑ کا اُٹھایا جانا معلوم ہوتا ہے مگر معلق ہونا ثابت نہیں ہوتا لیکن حسن بصری فرماتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل نے مکرر قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ اگر الواح میں خفیف فرائض و وظائف ہوں گے تو خیر ورنہ ہم نہیں مانیں گے تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو حکم دیا کہ وہ اپنی جگہ سے منقطع ہو کر بلند ہوا اور اُن کے سروں پر معلق ہو گیا۔ موسیٰؑ نے فرمایا کیا اب بھی نہ مانو گے؟ اللہ فرماتا ہے کہ مانو ورنہ پہاڑ تم پر ڈال دیا جائے گا۔ پس یہ دیکھ کر ہر شخص سجدہ میں اپنے بائیں ابرو کے بل گر پڑا اور دائیں گوشۂ چشم سے تکتا رہا کہ کہیں پہاڑ نہ گر پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ یہودی بائیں بھوں پر سجدہ کرتے اور کہتے ہیں کہ اسی سجدہ کی وجہ سے ہم پر سے عذاب دور ہوا۔ آیت میں ظن سے مراد یقین ہے۔ کیونکہ بنی اسرائیل کو یقین ہو چکا تھا کہ اگر احکام نہ مانیں گے تو ہم پر یہ پہاڑ ٹوٹ پڑے گا۔ مطلب بالکل واضح ہے۔

مقصود و بیان قدرت الٰہی کا اظہار، معجزاتِ انبیاء کا ثبوت، بنی اسرائیل کی انتہائی جہالت و سرکشی کا مظاہرہ، اس بات کی صراحت کہ کتابِ الٰہی کے احکام خواہ سہل ہوں یا دشوار بہر حال انسان کی فلاح کے لئے ہوتے ہیں۔ اُن کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ انسان افعالِ قبیحہ اور حرکاتِ شنیعہ سے بچ جائے اور عذابِ اخروی سے نجات پا جائے۔ وغیرہ

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى

اور جب تمہارے رب نے اولادِ آدم کی پشتوں سے اُن کی نسل کو نکالا اور اُن سے خود اُنہی کی ذاتوں پر اقرار

اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں (سب نے) کہا ہے کیوں نہیں ہم گواہ ہیں (یہ اقرار اس لئے لیا) تاکہ قیامت کے دن تم

اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ

یہ نہ کہنے لگو کہ ہم اس سے غافل تھے یا تم یہ کہنے لگو کہ شرک پہلے تو صرف ہمارے باپ دادا نے کیا تھا

وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ

ہم تو ان کے بعد ان کی اولاد تھے پھر کیا بدکاروں کے کرتوت کے عوض تو ہم کو ہلاک کرتا ہے اسی طرح ہم

نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

آیات تفصیل وار بیان کرتے ہیں تاکہ تم باز آجاؤ

تفسیر آیات کی تفسیر اور طریقۂ تفسیر کے اختلاف سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ سنّت کے مسلک کے موافق بحث کی تحقیق کر دی جائے عموماً علمائے اہلِ سنت متفق ہیں کہ حضرت آدمؑ کی پشت سے تمام ذرّیات کا اخراج واقع ہوا۔ آپ کی پشت سے تمام ذرّیات چیونٹیوں

toobaafoundation.com

کی طرح خارج ہو کر میدانِ عرفات میں پھیل گئیں اور حق تعالیٰ نے اُن سے سوال جواب کیا تھا۔ حضرت انس رضؓ کی مرفوع روایت ہے کہ قیامت کے روز دوزخی آدمی سے کہا جائے گا کہ اگر تیرے ملک میں تمام روئے زمین کی کل چیزیں موجود ہوں تو کیا تو عذابِ دوزخ سے رہا ہونے کے لئے اُن کو دے دیگا! دوزخی کہے گا بیشک۔ خدا تعالیٰ برزبانِ ملائکہ فرمائے گا میں نے اس وقت جبکہ تو پشتِ آدم میں تھا تجھ سے آسان ترین بات کی خواہش کی تھی یعنی یہ کہا تھا کہ تو شرک نہ کرنا مگر تو نے شرک ہی کیا (رواہ البخاری ومسلم)

ابن عباس رضؓ کی مرفوع روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرفہ کے روز وادیِ نعمان میں پشتِ آدم سے میثاق لیا۔ اُن کی پشت سے تمام ذریات کو نکال کر اُن کے سامنے رکھا پھر اُن ذریات سے کلام فرمایا۔ اس کے بعد حضور صلعم نے آیت الست بربکم مبطلون تک تلاوت فرمائی (رواہ احمد والنسائی وابن جریر وابن ابی حاتم) لیکن ابن ابی حاتم نے یہ روایت موقوفاً روایت کی ہے۔ وقد رواہ العوفی والضحاک موقوفاً علی ابن عباس ورواہ الحاکم مرفوعاً وموقوفاً)

عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت ہے کہ اللہ نے آدم کی پشت میں سے ذریات نکالیں جیسے سر میں سے کنگھی سے نکالتے ہیں۔ پھر اُن سے فرمایا الست بربکم انھوں نے جواب دیا بلیٰ۔ پس ملائکہ نے کہا۔ شہدنا ان تقولوا یوم القیامت الآیۃ (رواہ ابن جریر باسنادلاباس بہ ولہ طرق یقوی)

مسلم بن یسار جہنی کی روایت ہے کہ فاروقِ اعظم رضؓ سے یہ آیت دریافت کی گئی تو فرمایا رسولِ پاک صؐ سے بھی یہ آیت دریافت کی گئی تھی اور میں سن رہا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اللہ نے آدمؑ کو پیدا کیا۔ پھر دائیں دستِ قدرت سے اس کی پشت پر مسح کیا۔ پس اس سے کچھ ذریات نکالیں اور فرمایا میں نے ان کو جنت کے واسطے پیدا کیا ہے۔ یہ اہلِ جنت کے کام کریں گے۔ پھر پشت پہ ہاتھ پھیرا اور کچھ ذریات نکالیں اور فرمایا ان کو میں نے دوزخ کے واسطے پیدا کیا۔ یہ دوزخیوں کے کام کریں گے (رواہ مالک فی الموطا واحمد فی مسندہ وعبد بن حمید والبخاری فی تاریخہ وابوداود والنسائی وابن جریر وابن منذر وابن حبان فی صحیحہ وابوالشیخ والحاکم وابن مردویہ والبیہقی ورواہ الترمذی وقال حدیث حسن ومسلم بن یسار لم یسمع من عمرو کذا قال ابوحاتم الرازی وابوزرعۃ وقال ابن ابی حاتم فیہ مسلم بن یسار عن نعیم عن ربیعۃ عن عمر بن الخطاب وکذا رواہ ابوداود فی سنتہ من طریق عمر بن جعثم القرشی واللہ اعلم۔

ابوہریرہ رضؓ کی مرفوع روایت ہے کہ اللہ نے آدمؑ کو پیدا کیا پھر اس کی پشت کو مسح فرمایا۔ پس اس کی پشت سے تمام ذریات جن کو قیامت تک خدا تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے گر پڑیں الحدیث (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن وکذا صححہ الحاکم علی شرط مسلم (ابن ابی حاتم) مقبلی کا قول ہے کہ اس بارے میں اس کثرت سے روایات موجود ہیں کہ اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ بتواترِ معنوی یہ امر باخبارِ نبوت ثابت ہے تو کچھ بے جا نہیں۔ ان روایات میں چند امور حل طلب ہیں:۔

(۱) کیفیتِ استخراج کیا ہے؟ اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ امر محض اعتقادی ہے۔ اخراجِ ذریاتِ پشتِ آدم سے بطریقِ صحیح ثابت ہے اور قدرتِ الٰہیہ کا اعلیٰ واجل ہونا بھی متحقق ہے۔ لہٰذا کوئی استحالہ نہیں جو بات ممکن اور تحتِ قدرت ہے۔ جب وہ باخبارِ رسالت ثابت ہے تو اس کا ماننا فرض ہے۔ چگونگی اور کیفیت کا سوال بے محل ہے۔

(۲) خدا تعالیٰ نے ذریات کو زندہ پیدا کیا کیونکہ ذریت زندہ ہی کو کہتے ہیں۔

(۳) احادیث میں اس کی صراحت نہیں کہ ذریات کی شکل آدمی کی تھی یا نہیں۔ رہی چیونٹیوں سے تشبیہ تو ممکن ہے یہ تشبیہ صغرِ جسم کے لحاظ سے ہو۔

(۴) کمالین میں زبان سے ذریت کا اقرار کرنا مذہبِ جمہور قرار دیا گیا ہے۔ لیکن زبان سے مراد نطق ہے۔

(۵) وادیِ نعمان سے مراد عالمِ ازل کا کوئی مقام ہے۔ یہ وادیِ عرفات مراد نہیں۔ اس کا وجود تو بعد کو ہوا۔ بہرحال ان مباحث میں عقل کو گنجائشِ تحقیق نہیں۔ جتنا نصوص میں آگیا اسی پر اکتفا کرنا لازم ہے۔

toobaafoundation.com

اب ہم آیات کی تفسیر پر آتے ہیں۔ آیات کی تفسیر دو طرح کی گئی ہے۔ اول یہ کہ کل واقعات اخراج سے تحقیقی وقوع مراد ہے۔ کلام کا حمل مجاز پر نہیں بلکہ حقیقی معنی مراد ہیں۔ ابن انباری وغیرہ نے لکھا ہے کہ اکابر اہل سنت کا یہی مسلک ہے۔ کمالین میں بھی اسی کی صراحت کی گئی ہے۔

دوسرے یہ کہ آیت میں مجازی معنی مراد ہیں اور کلام بر طریق تمثیل ہے۔ یہ قول زمخشری وغیرہ اہل اعتزال کا ہے۔ شیخ ابن کثیر بیضاوی نسفی رازی وغیرہ نے اگرچہ اول قول کے جواز کو مانا ہے مگر میلان ثانی قول کی طرف کیا ہے۔ اول قول حل طلب نہیں ثانی قول کی تشریح ہم کسی قدر کرتے ہیں۔ اخراج سے ازلی اخراج مراد نہیں بلکہ یہی تدریجی یکے بعد دیگرے پیدائش مراد ہے۔ اللہ نے بنی آدم کی پشتوں سے اُن کی ذریات کو اس طرح پیدا کیا کہ آباء کی پشت میں نطفہ بنایا۔ نطفہ نے ماؤں کے رحم میں قرار پکڑا پھر تدریجی نمو ہو کر انسان عالم شہود میں آیا۔

اقرار ربوبیت اور شہادت سے مراد شہادت حال اور اقرار عقل ہے۔ انسان کی تخلیق اس طور پر ہوئی کہ اس کی فطرت اللہ کی ربوبیت کی بزبان حال شاہد ہے۔

قول سے مراد دلالت حال اور زبان فطرت ہے۔ اہل سنت کے مسلک پر آیت کا تفسیری مطلب اس طرح ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے آدم کی پشت سے تمام اولاد کو نکالا جو چیونٹیوں کی طرح نکل پڑے پھر اُن کو عقل و گویائی عطا کر کے فرمایا۔ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں۔ ارشاد فرمایا میں تمہارے اس اقرار پر ساتوں آسمانوں ساتوں زمینوں اور تمہارے باپ آدم کو گواہ کرتا ہوں تاکہ تم قیامت کے دن کوئی عذر نہ پیش کر سکو۔ نہ تو یہ کہہ سکو کہ ہم کو بالکل خبر نہ تھی۔ ہم تیرے حکم سے ناواقف تھے اور نہ یہ کہہ سکو کہ مشرک تو ہمارے باپ دادا تھے۔ انھوں نے ہی شرک کی بنیاد ڈالی تھی ہم تو ان کے متقلد تھے۔ لہٰذا مجرم تو وہ ہوئے۔ اُن کے افعال کی پاداش میں تو ہم کو کیوں ہلاک کرتا ہے۔ اب تم کو ہوشیار ہو جانا چاہیئے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تم میرا کسی کو شریک نہ بنانا میں تمہارے پاس اس عہد کو یاد دلانے کے لئے اپنے رسول اور پیغامبر بھیجوں گا اور کتابیں نازل کروں گا وہ تم کو میرا عہد یاد دلائیں گے۔ سب نے اقرار کیا اور کہا ہم گواہ ہیں تو ہی ہمارا معبود اور رب ہے۔

قول ثانی کی تقدیر پر مطلب اس طرح ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے بنی آدم کی پشتوں سے اُن کی ذریت اس طرح نکالی کہ پہلے وہ آباء کی پشت میں بشکل نطفہ تھے پھر ماؤں کے رحم میں آئے۔ پھر علقہ بنے پھر مضغہ ہوئے پھر مکمل انسان ہوئے پھر اُن کو عقل و ہوش عطا کیا جس کی وجہ سے وہ اللہ کی مصنوعات میں غور و فکر کر کے اُس کی وحدانیت پر دلائل قائم کرنے کے قابل ہوئے تو یہ تخلیق اور دلائل خدا کی طرف سے ایک عہد ہیں اور اسی بات پر شہادت ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی خالق و رب و معبود نہیں اور لوگوں کی حالت احتیاج و حدوث گویا اُس عہد فطری کو قبول کرنا اور مان لینا ہے۔ خدا تعالیٰ کا دلائل پیدا کرنا گویا اقرار لینا اور انسان کو موجودہ حالت میں خلق کرنا گویا زبان حال سے اقرار لینا اور گواہ بنانا ہے۔ اس عہد کی رو سے ہر عاقل توحید پر قائم رہنے کے لئے مامور ہے تاکہ اس کے بعد کسی کو یہ عذر باقی نہ رہے کہ ہمارے باپ دادا شرک کرتے تھے۔ وہی بری رسمیں جاری کر گئے تھے ہم اُن کے بعد پیدا ہوئے۔ اُنہی کی پیروی کرتے رہے اگر گناہ کیا تو انھوں نے۔ لیکن قیامت کے دن یہ عذر باقی نہ رہے گا۔ کیونکہ جب خدا تعالیٰ نے عقل ادراک عطا کر دیا تو کیوں ایسی بری باتوں میں جو عہد خداوندی کے خلاف ہیں۔ پڑتے ہو اور کیوں صاحب ہوش ہو کر جاہلوں کی پیروی کرتے ہو۔ دنیا میں خدا کے رسول اسی عہد کو یاد دلانے کے لئے آئے ہیں۔

معتزلہ کے اعتراضات اور اہل سنت کی طرف سے اُن کے جوابات

(۱) مِنْ ظُهُوْرِهِمْ بدل ہے بَنِیْ اٰدَمَ سے۔ اس صورت میں آیت کے یہ معنی ہوئے کہ اولاد آدم کی پشتوں سے ان کی ذریات کو نکالا۔ ان سے عہد لیا۔ نہ کہ آدم کی پشت سے نکال کر اس کے علاوہ اگر آدمؑ کی پشت سے ذریت کا نکالنا مراد ہوتا تو مِنْ ظُهُوْرِهِمْ نہ فرماتا بلکہ مِنْ ظَهْرِهٖ فرماتا یعنی ضمیر جمع کی نہ آتی اور ظہور جمع کا صیغہ استعمال کیا جاتا۔ کیونکہ آدم تنہا تھے اور اُن کی چند پشتیں نہ تھیں بلکہ ایک آدمی کی ایک ہی پشت ہوتی ہے۔ پھر اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا کہنا بھی ذریت آدم کی نسبت صادق آتا ہے نہ کہ آدمؑ کی نسبت کیونکہ آدم کا کوئی باپ دادا ہی نہ تھا مشرک

toobaafoundation.com

وموجود ہونا تو بجائے خود رہا۔

جواب : ۔ مراد یہ ہے کہ سلسلہ وار تمام اولادِ آدم کی پشت سے اُن کی ذریات نکالی جو قیامت تک پیدا ہونے والی ہے۔ مثلاً زید کو عمرو کی پشت سے، عمرو کو بکر کی پشت سے، بکر کو خالد کی پشت سے وعلیٰ ہذا۔ لامحالہ یہ سلسلہ اوپر کی طرف حضرت آدمؑ پر منتہی ہوگا۔ کیونکہ سب کا مبدء آدم ہیں تو صراحتہً آدمؑ کی پشت سے نکلنا نہ کہا مگر جب اس طرح سے ایک دوسرے کی پشت سے نکلنا کہا تو گویا سب کا آدمؑ کی پشت سے نکلنا کہا اسی لئے مِنْ ظُهُوْرِ اٰدَمَ نہ کہا کیونکہ تسلسل اولاد میں ہے نہ کہ نقطہ آدم میں اور اسی لئے اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا کہنا بھی بلحاظ مشرک نسلوں کے صحیح ہوا۔

(۲) عہد کسی اہلِ عقل وفہم سے لیا جاتا ہے نا کہ نا فہم وغیر مدرک سے۔ پس لامحالہ اس وقت اولادِ آدم کو ذی عقل وفہم ہونا چاہیئے لیکن یہ واقعہ کے خلاف ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اس وقت بھی ہم کو یاد ہونا چاہیئے۔ حالانکہ کسی کو بھی یاد نہیں۔

جواب : ۔ انسان درحقیقت نفسِ ناطقہ یا روح ہے۔ روح اگرچہ حادث ہے مگر تخلیقِ جسم سے بہت پہلی چیز ہے اور اس عالمِ حسی میں اس کا ادراک آلاتِ حسیہ کے ذریعہ سے ہوتا ہے لیکن دوسرے عالم میں آلاتِ حسیہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ تمام ارواح جواہر باقیہ ہیں۔ اگرچہ تمام اولادِ آدم اور آدم کی رُوحیں ایک ہی وقت میں پیدا ہوئیں۔ مگر دنیا میں ترتیبی ظہور کے اعتبار سے آدمؑ سب کا پیش خیمہ ہیں۔ اللہ نے جب آدمؑ کو دنیا میں بھیجا تو اُن کے ذریعہ سے تمام نفوس وارواح کو جو دنیا میں ظاہر ہونے والے تھے اُن کی پشت سے ترتیب وار نکالا اور اس وقت اُن کو عقل بھی عطا کی بلکہ اب تک وہ ذی عقل اور مدرک ہیں۔ رہی یہ بات کہ اب ہم کو وہ عہد یاد کیوں نہیں رہا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس جسم سے جب نفس کا تعلق ہوتا ہے تو نفس کے آثار جسم پر فائض ہوتے ہیں اور گرفتارِ قفس طائر کی طرح روح اس عنصری قفس میں بند ہو جاتی ہے۔ بدن کی تدبیر اور تصرف میں اس قدر منہمک ہوتی ہے کہ عالمِ قدس کے حالات بالکل بھول جاتی ہے۔ اسی انہماک کی وجہ سے ہم دنیا کے سینکڑوں حالات ومعاملات بھول جاتے ہیں۔ اگر دوسری طرف انہماک نہ ہو تو کل حالات ہم کو یاد رہنے چاہئیں۔

(۳) بنی آدم غیر معدود اور ان گنت ہیں پھر اس قدر لوگ، چیونٹی کیا اگر ذرہ سے بھی کم فرض کئے جائیں تب بھی آدم کی پشت سے نہیں نکل سکتے کیونکہ ان کے اجسام کا مجموعہ ایک پہاڑ ہونا چاہیئے تھا اور جو اب عالمِ وجود میں انسان آئے ہیں اگر اُن ذوات کا عین ان کو قرار دیا جائے تب بھی ممکن نہیں کیونکہ جمع ہونا تو بجائے خود رہا جزو ہونا بھی ناممکن ہے۔

جواب : چیونٹیوں کے مانند ہونے سے مراد ارواح کی تشبیہ بہ لحاظ اُس حالت اجمالیہ کے ہے جو اس وقت ارواح کی تھی تفصیل مراد نہیں۔ اسی لئے یہ بھی آیا ہے کہ اُن میں کچھ نورانی اور کچھ ظلماتی تھے۔ یعنی اہلِ سعادت کی روحیں روشن اور اہلِ شقاوت کی رُوحیں تاریک تھیں۔ اُس وقت ذریات یا ارواح اجسامِ عنصریہ نہ تھے جن کا مجموعہ پہاڑ کی برابر یا اس سے بھی بڑا ہو جائے۔ نہ روح کوئی مادی عنصری چیز ہے بلکہ یہ محض تشبیہ ہے اور حالتِ اجمالیہ کا بیان مقصود ہے۔

میرا مسلک

میرے نزدیک معتزلہ کے اعتراضات تو قطعاً غلط اور مضحکہ خیز ہیں۔ عالمِ مادی پر عالمِ قدس کو قیاس کرنا ہی غلط ہے۔ نہ غیر مادی کیفیات کے ساتھ مطابق کیا جاسکتا ہے اور اہلِ سنت کا مسلک خلافِ عقل ودرایت نہیں کیونکہ قدرتِ الٰہیہ (جل وعلیٰ) ہے وہاں چگونگی اور سوال کو دخل نہیں۔ البتہ عقل سے کسی قدر دور ضرور ہے۔ اب اگر صحیح روایات سے ثابت ہو جائے تو ان لینا عین ایمان ہے اور اگر روایاتِ صحیحہ سے یقینی طور پر ثابت نہ ہو تو قرینۂ عقلی اور دائرۂ قیاس کی خلاف ورزی کیا ضرور ہے۔ لیکن سب کی سب آحاد ہیں جو کسی طرح مفید یقین نہیں ہو سکتیں۔ پھر روایات آحاد ہونے کے باوجود خود مجمل ہیں صراحتہً اہلِ سنت کے مسلک پر دلالت نہیں کرتیں اسی لئے اہلِ سنت کو بھی آخر درجہ میں پہنچ کر تحقیق سے تمثیل وتشبیہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے میرے نزدیک معتزلہ کی تاویل ہی زیادہ صحیح ہے جس کی طرف رازی اور ابن کثیر جیسے بزرگوں کا میلان ہے۔ پھر احادیث وارادہ آحاد ہونے کے ساتھ ساتھ مرفوع بھی نہیں موقوف ہیں کیونکہ ابن عباس اور عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت کو ابن کثیر جیسے محققین نے موقوف قرار دیا ہے۔ ایسی صورت میں کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ہم ہدایت عقل کو چھوڑ کر آثار آحاد کی طرف دوڑیں اور پھر

toobaafoundation.com

اُن آثار میں بھی توڑ مروڑ کریں۔ اس کے علاوہ مختلف آثار و احادیث سے بھی قولِ ثانی کی تائید ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ شاہد بنانے سے مراد شاہد بنانا فطرت ہے۔ ہر شخص اپنی فطرت کے لحاظ سے مومن ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا الآیۃ۔ صحیحین میں ابو ہریرہ کی مرفوع روایت موجود ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اُس کے والدین اُس کو یہودی یا عیسائی کر ڈالتے ہیں۔ عیاض بن حمار مجاشعی سے مرفوعاً مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں نے اپنے بندوں کو حنیف یعنی مائل بحق پیدا کیا۔ پھر شیطان نے آکر اُن کو اُن کے دین سے بہکا دیا اور جو میں نے اُن پر حلال کیا تھا اس کو حرام کر ڈالا (رواہ مسلم)

اسود بن سریع سندی کہتے ہیں۔ میں نے رسول پاک کی ہمراہی میں چار جہاد کئے۔ مسلمانوں نے (ایک بار) حربی کفار کو قتل کر کے اُن کے بچوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ حضورؐ کو اطلاع ہوئی تو آپ پر سخت ترین ناگوار گزرا اور فرمایا بعض لوگ کیوں بچوں پر دست درازی کرتے ہیں؟ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ مشرکوں کی اولاد نہیں ہیں؟ فرمایا تم میں سے جو بڑے نیکوکار مومن ہیں وہ بھی تو مشرکوں کی اولاد ہیں۔ خوب سُن لو کہ ہر شخص فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور برابر اسی حالت پر رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی زبان کھلنے پر اس کے والدین اس کو یہودی عیسائی وغیرہ کا دین اور عقیدہ سکھلاتے ہیں۔

ان تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمام ارواح کو جب خاکی عنصر کا لباس پہنایا اور سب کو عالم شہود میں لایا تو سب کو بر فطرت یعنی اقرارِ ربوبیت اور شہادتِ توحید پر پیدا کیا۔ آیت میں اقرار و شہادت و عہد سے یہی فطری اقرار مراد ہے۔

اس کے علاوہ حضرت حسن بصری نے تو صاف واضح صراحت کر دی ہے کہ آیت کی تفسیر یہی ہے۔ فرماتے ہیں خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ الآیۃ یعنی اے محمد! بیان کر دو کہ تیرے پروردگار نے اولادِ آدم کو اُن کی پشتوں سے پیدا کیا۔ یعنی ان کی نسلیں پشت در پشت نکالیں۔ ایک قرن کے بعد دوسرا قرن پیدا کیا۔ جس طرح کہ دنیا میں وجود ہوتا ہے۔ پھر اُن کو شاہد بنایا اُن کے نفوس پر یعنی ان کی پیدائش کو اس بات کی دلیل قرار دیا کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا خالق ہے پس یہ دلالت قائم مقام اشہاد کے ہوئی۔ قاضی بیضاوی نے بھی شاہد بنانے کا مطلب اسی کے قریب قریب بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اپنی ربوبیت کے دلائل ان کے پیش نظر کر دیئے اور ان کی عقلوں میں ایسی صنعت قائم کی جو اس اقرار کا باعث ہوئی اور بمنزلہ ایسے شخص کے ہو گئے جس سے کہا گیا ہو۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ اور وہ جواب دے بَلٰى شَهِدْنَا۔ پس چونکہ اس امر کے علم پر خدا نے ان کو قدرت دی اور وہ اُس پر قادر ہوئے۔ لہٰذا اس تمکین و تمکن کو تمثیلاً بطور اشہاد و اعتراف کے قرار دیا۔ چنانچہ ان کا جواب خود اس معنی پر دلالت کرتا ہے۔ نیز بعد والی آیت سے بھی اس کا ثبوت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس اعتراف و شہادت کو دو طرح کے عذروں کے لئے موجب قرار دیا ہے۔ ایک عذر عدم علم کا دوسرا عذر تقلیدِ آبا کا۔ خدا نے دونوں عذروں کو رد کر دیا۔ کیونکہ جب دلیل قائم ہو گئی اور دلیل کے علم پر قدرت بھی حاصل ہو گئی تو حجت قائم ہو گئی اور ترک نظر یا تقلیدِ آبا کوئی عذر قابلِ قبول نہ رہا۔ واللہ اعلم۔

مقصودِ بیان عہدِ ازل یا شہادتِ فطری کی صراحت، اس بات کی وضاحت کہ خدا تعالیٰ نے عقل صرف اس لئے عطا کی ہے کہ قیامت کے دن کسی کو اپنی لاعلمی یا تقلیدِ آبا کی حجت و معذرت نہ رہے۔ آیت میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اقرارِ توحید پر ہر عاقل مکلف ہے خواہ پیامِ رسالت اس کو پہنچے یا نہ پہنچے اور ہر شخص کو غور و تحقیق کرنی چاہیئے۔ تقلیدِ اسلاف مقلد کے لئے حجت نہیں ہو سکتی بلکہ تحقیق کو چھوڑ کر تقلید کرنی ناجائز ہے۔ آیات سے ضمنی طور پر یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ عقائدِ اسلامیہ مبنی بر فطرت اور مطابقِ عقل ہیں۔ سادہ فطرت اور سلیم عقل والا عقائدِ اسلامیہ کی حقانیت کے قبول پر مجبور ہے۔ وغیرہ

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ

(اے محمد) اُن کو اس شخص کا حال سناؤ جس کو ہم نے اپنی آیتیں دی تھیں پھر وہ ان کو چھوڑ نکلا تو اُس کے پیچھے شیطان لگ گیا

toobaafoundation.com

فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى

پس وہ گمراہوں میں ہوگیا اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیات کی بدولت عالی مرتبہ کر دیتے مگر وہ زمین کی طرف

الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ

جھک گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے پڑ گیا تو اس کی حالت کتے کی طرح ہے اگر تم اس پر حملہ کرو تو زبان لٹکا

اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ

دیتا ہے یا چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکا دیتا ہے یہی حالت ان لوگوں کی ہے جنھوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی پس تم یہ

الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ سَاۗءَ مَثَلَاۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

قصے بیان کر دو تاکہ یہ غور کریں جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ان کی بری

بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ○ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ

مثال ہے اور وہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یاب ہے

وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○

اور جن کو اللہ گمراہ چھوڑ دے وہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں

تفسیر آیات کی تفسیر کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اول اُس شخص کو بتا دیا جائے جس کا قصہ ان آیات میں مذکور ہے۔ مفسرین کا اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے اس سے مراد ابو عامر راہب ہے جس کے لئے مسجد ضرار تعمیر کی گئی تھی۔ جب اُس نے حضور والا کے صفات و حالات گزشتہ کتابوں میں پڑھے تو ایمان لے آیا مگر پھر مرتد ہو گیا۔

سعید بن مسیب، زید بن اسلم اور ابو رزاق کے نزدیک آیت میں امیہ بن صلت کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو جاہلیت کا بڑا شاعر تھا اور قیامت پر ایمان رکھتا تھا۔ خدا کو واحد جانتا تھا۔ حساب کتاب، اجر و عقاب کا قائل تھا لیکن دنیوی لالچ میں پڑ کر مشرکین کے ساتھ رہا اور حضور کی نبوت کو نہ مانا (ابن کثیر نے بروایت عبداللہ بن عمرو اسی کو ترجیح دی ہے۔ بعض نے صیفی بن راہب کو معین کیا ہے۔ لیکن اکثر محققین نے اس سے مراد بلعم بن باعورا کی ذات لی ہے اور بلعم کے قصہ کو امیہ بن صلت کے قصہ پر منطبق کر کے بلعم کی طرح امیہ کی حالت کو قابل عبرت قرار دیا ہے۔ قتادہ، عکرمہ اور ابو مسلم کہتے ہیں کہ یہ عام ہے اس میں ہر ایک شخص کی طرف اشارہ ہے کہ جس کو خدا علم و ہدایت دے اور وہ خواہش نفس کا تابع ہو کر اُس کو چھوڑ دے۔

بلعم کا کیا نام و نسب تھا، اسرائیلی تھا یا کنعانی؟ اس کے متعلق اختلاف ہے۔ عبدالرزاق نے صحیح طرق پر ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ یہ شخص بنی اسرائیل میں سے تھا اس کا نام بلعم بن باعورا تھا۔ ابن عباس، عکرمہ و مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ بعض نے بلعام بن عورار کہا ہے۔ بلعم بن باعورا رشہوم بن قوشتم بن مارب بن لوط بن ہاران بن آذر۔ بلقاء کے کسی گاؤں کا باشندہ تھا۔ ابن عساکر کہتے ہیں بلعم اسم اعظم جانتا تھا۔

toobaafoundation.com

ابن جریر نے بسند جید شیخ یسار تابعی کا قول نقل کیا ہے کہ یہ شخص مستجاب الدعوات تھا یعنی اسم اعظم کے وسیلہ سے جو دعا کرتا قبول ہوتی تھی۔

جب حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لے کر ملک شام کو جانے کے ارادے سے نکلے تو اثنائے راہ میں دریائے اردن کے پار شہر اریحا یا یریحو کے مقابل مواب کے میدانوں میں اقامت کی۔ بلق بن صفور مواہیوں کا بادشاہ تھا۔ اس کو بنی اسرائیل سے خطرہ ہوا اور بلعام کو طلب کیا تاکہ آکر وہ بنی اسرائیل کے حق میں بد دعا کرے۔ اول اس نے انکار کیا پھر دنیوی لالچ میں پھنس کر راضی ہوا۔ راستہ میں اس کی خچری رُک گئی۔ ہر چند مارا آگے نہ بڑھی۔ خدا تعالیٰ نے اُس کو گویائی عطا کر دی اور اس نے ظاہر کیا کہ مجھے آگے سے فرشتے روکے ہوئے ہیں از خود نہیں رُکی۔ بلعام نے جھنجھلا کر اُس کو مارا۔ بحکم خدا وہ چل کھڑی ہوئی۔ بلعام ایک پہاڑی پر پہنچا اور پھر بھی بد دعا کرنے سے انکار کرتا رہا مگر قوم کے اغوا اور ترہیب و ترغیب سے بد دعا کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ موسیٰ بھی برحق ہیں اُن کے خلاف دعا کرنی بے سود ہے۔ مگر شیطانی اغوا سے آمادہ ہو گیا۔ لیکن جونہی اسرائیلیوں کے لئے بد دعا کے کلمات زبان سے نکالنا چاہے فوراً خدا تعالیٰ نے اس کی زبان پھیر دی مواب والوں کے لئے بد دعا اور اسرائیلیوں کے حق میں دعائیہ کلمات زبان سے نکلے۔ بلعام نے ہر چند کوشش کی مگر بنی اسرائیل کے حق میں کلماتِ بد زبان سے نہ نکال سکا۔ اس نیت بد اور کوشش شر کی پاداش میں اُس کی زبان سینہ پر لٹک گئی۔ تمام علمی روشنیاں اور کرامات غائب ہو گئیں۔ بلعم ذلیل و خوار ہو کر واپس آیا اور بلق سے کہا میرا دین اور دنیا تو برباد ہو گئی مگر اب تمہیں ایک حیلہ بتاتا ہوں۔ تم اپنی عورتیں آراستہ کر کے اسرائیلیوں کے لشکر میں بھیج دو، وہ مسافر لوگ ہیں اگر زنا میں پڑ گئے تو مجھے امید ہے کہ تباہ ہو جائیں گے۔ بلق ایک لڑکی تھی اس کو بلعم نے حکم دیا کہ تو جا کر موسیٰ کو کسی طرح فریب دے۔ سوائے موسیٰؑ کے کسی سے تعرض نہ کرنا۔ حسب مشورہ عورتیں اسرائیلیوں کے لشکر میں گئیں اور عام طور پر اسرائیلی زنا کے مرتکب ہوئے۔ بادشاہ کی لڑکی کی حضرت موسیٰؑ تک رسائی نہ ہو سکی بلکہ اس کی خناسائی ایک فوجی سردار سے ہو گئی جس کا نام زمری بن شلوم بن شمعون بن یعقوب تھا۔ زمری اس لڑکی کو لے کر ایک خیمہ میں چلا گیا اور زنا میں مشغول ہو گیا۔ حضرت موسیٰؑ کو اس بات کی اطلاع ملی تو آپ کو بڑا رنج ہوا۔ فخاص بن عیزار بن ہارون نے آکر زمری اور دختر بلق کو قتل کر دیا اور بنی اسرائیل پر طاعون کا عذاب آیا جس سے تقریباً ستر ہزار یا تیس ہزار آدمی مر گئے۔ یہ قصہ توریت کتاب عدد کے ۲۳-۲۴ باب میں مفصل مذکور ہے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ اے محمد! ان لوگوں کی نصیحت و عبرت کے لئے اس شخص کا واقعہ سُنا دو جس کو خدا تعالیٰ نے اپنی نشانیاں، کرامات یا معارف عطا کئے تھے مگر وہ خواہشِ نفس کا تابع ہو کر عالمِ باقی کی بلندی سے دنیائے دنی کی پستی کی طرف جھک پڑا چونکہ وہ خود پستی کی طرف جھکتا تھا اور خواہش کا پرستار بنا تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے بھی اُس کو نہ اُٹھایا۔ اُس کی حالت کتے کی طرح تھی جو دوڑنے میں بھی ہانپتا ہے اور بیٹھا بیٹھا بھی ہانپتا ہے۔ یعنی بہ اختیار و ارادہ ناشائستہ حرکت کرتا ہے اور حالتِ اضطرار میں بھی اس سے افعالِ شنیعہ سرزد ہوتے ہیں۔ یہی حالت اس شخص کی تھی۔ کھڑے بیٹھے بہ اختیار و اضطرار قوت کی حالت میں اور ضعف کی صورت میں بہر حال گناہ کا ارتکاب کرتا تھا یہی مثال ان لوگوں کی ہے جو کو آیاتِ الٰہی اور علومِ حقانی کی تصدیق کا موقع ملتا ہے مگر وہ انکار کرتے اور اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں۔

مقصودِ بیان

ابتدائی آیات میں اس طرف اشارہ ہے کہ انسان خود آیاتِ قدرت علومِ حقہ اور معارفِ صحیحہ سے اعراض کرتا ہے تو شیطان بھی اس کے پیچھے پڑ جاتا ہے۔ اس بات کی طرف بھی ایما ہے کہ انسان کی ہدایت اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ برتر و بلند کرنا اللہ کے اختیار میں ہے۔ انسان جو پستی کی طرف جاتا ہے تو یہ واضح طور پر اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ اُس کو بلند کرنا نہیں چاہتا۔ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ کہنے سے اس امر پر دلالت ہے کہ قرآن پاک میں مختلف قصوں کا بیان محض عبرت اندوزی اور نصیحت پذیری کے لئے ہے تفریح مقصود نہیں۔ بنی اسرائیل کو یہ قصہ سنانے میں یہ غرض ہے کہ جو شخص مقبولِ الٰہی کا مقابلہ کرتا ہے اُس کا یہ انجام ہوتا ہے۔ اب تم محمد رسول اللہ کا مقابلہ کرتے ہو جس کا دین تمام عالم میں پھیلنے والا ہے۔ سو وہ چشمہ تو بند نہ ہو گا۔ دین کے سیلاب کو تو کوئی کوشش روک نہ سکے گی البتہ تم بلعام کی طرح خاک ہو کر بہہ جاؤ گے ان آیات میں ہر اس شخص کے لئے تازیانۂ عبرت ہے جس کو خدا علم و ہدایت عطا کرے مگر وہ خواہشِ نفس کا تابع ہو کر اُس کو چھوڑ دے۔ علمائے اسلام کے لئے بھی اس میں بصیرت افروز ہدایت ہے اور اس بات پر تنبیہ ہے کہ فقط عقائد کی درستگی کافی نہیں بلکہ علماء پر فرض ہے کہ اُن کے اعمال بھی عقائد کے مطابق ہوں تاکہ اختلافِ عمل کی وجہ سے بلعام کی طرح اُن کی حالت تباہ نہ ہو جائے۔

toobaafoundation.com

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ

اور ہم نے جہنم کے لئے بہتیرے جن و انس پیدا کئے ہیں اُن کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے

بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ

نہیں اُن کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے نہیں اِن کے کان ہیں جن سے سُنتے نہیں وہ چرپایوں

كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝

کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں۔ یہی لوگ غافل ہیں

تفسیر گزشتہ آیات میں فرمایا تھا کہ جس کو خدا گمراہ کرتا ہے وہی زیاں کار ہے۔ یہاں یہ بات ظاہر کرنا مقصود ہے کہ خدا کے گمراہ کرنے کے یہ معنی نہیں کہ وہ بُری باتوں کے کرنے کا حکم دیتا ہے۔ افعالِ شنیعہ کی تعلیم دیتا ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ وہ ابتدائے ازل سے ہی بُرے پیدا ہوئے ہیں پھر دنیا میں جو افعال اُن سے سرزد ہوتے ہیں وہ بُرے ہوتے ہیں۔ خدا کی دی ہوئی قدرت کو وہ اچھے کاموں میں صرف نہیں کرتے۔ اُنھوں نے اپنے آلاتِ ادراک اور ہوش و حواس کو حقانیت و صداقت کی طرف سے معطّل کر رکھا ہے قوتِ ادراک کو انھوں نے تباہ کر رکھا ہے، اس لئے حقانیت و راستی کو نہیں سمجھتے۔ آنکھوں سے دیکھتے ہیں، مگر چونکہ وہ اپنی آنکھوں کا صحیح استعمال نہیں کرتے، اس لئے اُن کو صداقت کی تصویر نظر نہیں آتی۔ کانوں سے سُنتے ہیں، مگر گوشِ حق نیوش ان کے بند ہیں، اس لئے آوازِ حق ان کو سُنائی نہیں دیتی۔ غرض یہ کہ تمام مشاعر ادراکیہ اور آلاتِ حس اُن کے بیکار ہیں اور وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ جانوروں سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں کیوں کہ جانور تو معذور ہیں اُن کو ادراکی قوتیں اور حق و باطل میں تمیز کرنے کی طاقت نہیں ہے اور یہ باوجودیکہ علم، ارادہ، اختیار اور قدرت ہوش و حواس سب کچھ رکھتے ہیں، لیکن پھر بھی حق کی طرف سے غافل ہیں۔ صحیحین میں حضرت علیؓ کی مرفوع حدیث موجود ہے کہ ہر شخص کا ٹھکانہ مقرر ہو چکا۔ کسی کا دوزخ، کسی کا جنّت۔ حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر لکھے پر بھروسہ کر کے کچھ نہ کیا کریں؟ فرمایا "کئے جاؤ" جو شخص جس چیز کے لئے پیدا ہوا ہے اُس سے ویسے ہی عمل بآسانی سرزد ہوتے ہیں۔ اچھوں سے اچھے اور بُروں سے بُرے۔

صحیحین میں ابن مسعودؓ کی حدیث جو تقدیر کے حق ہونے کے متعلق ہے موجود ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ جب ماں کے پیٹ کے اندر بچے میں رُوح پھونکی جاتی ہے تو چار باتیں لکھ دی جاتی ہیں۔ رزق و مدّتِ زندگی، نوعیت عمل اور خاتمہ یعنی وہ سعید ہے یا شقی۔ صحیح مسلم میں بروایت عبداللہ بن عمرو بن عاص مروی ہے کہ اللہ عزّوجل نے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے یعنی بہت پہلے جب اس کا عرش پانی پر تھا۔ مقادیرِ خلق کو تقدیر کر دیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "ایک انصاری کے بچّے کا انتقال ہو گیا، حضورؐ کو جنازہ میں بلایا گیا" میں نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ وہ تو جنّت کی چڑیا تھی" فرمایا "اس کے سوا کچھ اور تھا" عائشہ اللہ نے جنّت کو پیدا کیا اور اس کے لئے آدمیوں کو پیدا کیا حالانکہ وہ ابھی اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے۔ حاصل حدیث یہ کہ اللہ نے جنّت و دوزخ کے لئے پہلے ہی سے لوگوں کو پیدا کر دیا۔ جنّتی دوزخی ہونا وجودِ دنیوی اور عمل پر موقوف نہیں۔ یہ مطلب حدیث کا یہ نہیں کہ مسلمانوں کے بچّے جنّتی نہیں بلکہ صرف اس بات پر تنبیہ ہے کہ جنّتی دوزخی ہونا عمل پر مشروط نہیں۔

تحقیق بَلْ هُمْ أَضَلُّ کہنے سے یہ غرض ہے کہ ہر جانور اپنے نفع نقصان کو ظاہر طور پر جانتا ہے۔ بکری شریفے کا پتّہ نہیں کھاتی، گدھا کنیر نہیں کھاتا، کوئی جانور خود آگ میں نہیں کودتا، ہری گھاس کی طرف جاتا اور دشمن سے بھاگتا ہے، مگر کافر و مشرک جان بوجھ کر خود عناد سے دوزخ میں جانے کے لئے تیار رہتا ہے۔ ابوجہل نے کہا تھا کہ بنی عبدِ مناف سے ہم سب باتوں میں تو برابر تھے اب انھوں نے اپنا یہ فخر نکالا کہ ہم

toobaafoundation.com

میں ایک نبی صاحب وحی وکتاب ہے سو واللہ میں تو اس عار کو کبھی نہیں اٹھاؤں گا اور ایمان نہ لاؤں گا ۔ اگرچہ محمدؐ بڑا سچا اور سب باتوں میں اچھا ہے۔ یہودی اور عیسائی بھی حضورؐ کی صداقت و حقانیت کو خوب جانتے تھے، مگر دنیوی لالچ میں پڑے ۔ پیر و مرشد بنے، نذرانے کھاتے اور عالم کہلاتے تھے، اس لئے ایسے لوگوں کا درجہ جانور سے بھی ذلیل ہے ۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اللہ نے دو چیزیں عقل اور شہوت پیدا کیں، پس فرشتوں کو تو فقط عقل عطا کی اُن میں کوئی خواہش نہیں جو اللہ کی عبادت سے روکے اور جانوروں کو فقط شہوت دی بس وہ کھانے پینے وغیرہ کی خواہشات میں مشغول ہیں اُن میں عقل نہیں کہ معرفت حاصل کریں ۔ رہا انسان تو اس میں دونوں چیزیں جمع کر دیں۔ پس اگر اس نے عقل کی پیروی کی، معرفت و اطاعت حاصل کی تو فرشتوں سے بڑھ گیا کیونکہ شہوت کو اس نے روک کر ترقی کی اور اگر شہوت کی پیروی سے نافرمان بنا تو جانوروں سے بدتر ہو گیا اور ناپاک گڑھے میں پھسل پڑا۔ سب جانور اپنے خالق کے فرماں بردار ہیں، مگر کافر نافرمانی کرتا ہے ۔ سب جانور اپنے پروردگار کو پہچانتے اور یاد کرتے ہیں، مگر کافر نہیں پہچانتا اور نہیں یاد کرتا۔ سب جانور اگر ان کو کوئی ہانکنے اور چلانے والا ہو تو سیدھی راہ پر چلتے ہیں، مگر کافر رسول ہادی کی رہنمائی کو نہیں مانتا اور کج روی اختیار کرتا ہے ۔

مقصودِ بیان تقدیر برحق ہے ۔ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے خدا نے ان کی سرشت ایسی کر دی ہے کہ وہ دوزخیوں کے ایسے اعمال کرتے ہیں اور دوزخ میں داخل ہو جاتے ہیں ۔ کافروں کے پاس اگرچہ دل و دماغ اور کان آنکھ سب کچھ ہوتا ہے، مگر یہ ظاہری مضغۂ گوشت بالکل بے کار ہے، جب تک اس کا استعمال صحیح طور پر نہ کیا جائے ۔ جو دل معرفتِ الٰہی سے غافل ہو وہ دل نہیں، جو آنکھ حق نہ دیکھے وہ اندھی ہے، جو کان کلمۂ صداقت نہ سُنے وہ بہرا ہے ۔ کافر گمراہ جانور سے بھی بدتر ہے ۔ یعنی جو عقل شہوت سے مغلوب ہو جائے وہ عقل نہیں بلکہ جہالت ہے، جو علم موجب ہدایت نہ ہو وہ سرچشمۂ نادانی ہے۔

آیت میں ضمنی تعلیم ہے اس بات کی کہ خدا کے عطا کردہ اعضاءِ جسم اور قوتیں حق و معرفت کے مصرف میں صرف کرنا چاہیئے ۔ بے محل استعمال سے اصل مقصود فوت ہو جاتا ہے، مگر اس میں کمال غفلت کبھی پیدا نہیں ہوتا ۔ وغیرہ۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ

اور اللہ ہی کے سب اچھے نام ہیں تو اُس کو ان ناموں سے پُکارو اور اُن لوگوں کو چھوڑ دو جو اُس کے ناموں میں کج روی

اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

کرتے ہیں اُن کو اُن کے اعمال کی جلد سزا دی جائے گی

تفسیر مشرکین اللہ پاک کو ایسے ناموں سے پکارتے تھے جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی ۔ مثلاً کفارِ عرب اللہ سے دعا کرتے وقت خطاب کرتے وقت کہتے تھے یا ابا المکارم یا ابیض الوجہ اور نصاریٰ کہتے تھے یا ابا المسیح اور فلاسفہ کہتے تھے یا علۃ العلل بنیر۔ مشرکوں نے اپنے دیوتاؤں کے کچھ نام تراش لئے تھے اور اللہ کے ناموں سے ان کو مشتق کر لیا تھا۔ مثلاً عزیز سے عزیٰ، منّان سے منات، اللہ سے لات وغیرہ۔ ان کے علاوہ خدا کے مخصوص ناموں سے رحمان کا اطلاق خدا پر نہیں کرتے تھے ۔ اس سب کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی ۔ اس مضمون کی آیات چار سورتوں میں نازل ہوئیں ۔ ایک تو یہاں دوسرے سورۂ بنی اسرائیل کے آخر میں تیسرے سورۂ طٰہٰ کے شروع میں اور چوتھے سورۂ حشر کے آخر میں ۔

اللہ کے اسماء توقیفی ہیں یا نہیں یعنی اس کے نام مخصوص و متعین ہیں ۔ ہر زبان میں وہی اسماء اور انہیں کا استعمال ہونا چاہیئے یا اُن کے ہم معنی دوسرے الفاظ کا اطلاق بھی صحیح ہے ۔ اس کے متعلق مختلف حدیثیں وارد ہیں اور اسی بناء پر علماء کا اختلاف ہے۔

امام احمد نے اپنی مسند میں بروایت عبد اللہ بن مسعودؓ بیان کیا ہے کہ حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا "جس شخص کو کوئی دُکھ یا رنج ہو اور وہ یہ دعا پڑھے

toobaafoundation.com

اللہ اُس کے رنج وغم کو دور کر کے اس کی بجائے خوشی عطا فرماتا ہے ۔ عرض کیا گیا "یا رسول اللہ کیا ہم اس کو سیکھ نہ لیں ؟" فرمایا "کیوں نہ سیکھو۔ جو شخص اس کو سُنے اس کے لیے سیکھنا مناسب ہے"۔ دعا یہ ہے :- اللھم انی عبدك ابن امتك ناصیتی بیدك ماض فی حکمك عدل فی قضاؤك اسالك بكل اسم هولك سمیت به نفسك او انزلته فی کتابك او علمته احدا من خلقك او استاثرت به فی علم الغیب عندك ان تجعل القرآن العظیم ربیع قلبی ونور صدری وجلاء حزنی وذهاب همی ۔ اسی حدیث کی بنا پر حافظ ابن کثیر نے کہا ہے کہ اسماء حسنی کچھ ننانوے ناموں پر منحصر نہیں ہے لیکن حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلعم نے ارشاد فرمایا "اللہ کے ننانوے یعنی ایک کم سو نام ہیں جو اُن کا احصاء (یعنی احاطہ اور حفظ) کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا (رواہ احمد والبخاری ومسلم والنسائی وابن ماجة وابن خزیمة وابو عوانة وابن جریر وابن ابی حاتم والطبرانی وابن منذر وابن مردویہ وابو نعیم والبیہقی) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے ناموں کا ننانوے میں حصر ہے ۔

حق یہ ہے کہ اللہ کے نام غیر محصور ہیں ۔ آیت میں بھی کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے حصر معلوم ہوتا ہو اور درایت عقل بھی عدم حصر کی مقتضی ہے ۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ جس زبان یا اصطلاح میں جو لفظ صفتی یا علمی خدا کے لیے وضع کیا جائے یا خود کوئی اپنی طرف سے بولے وہ حدودِ شریعت سے خارج نہ ہو صفت کمال پر دلالت کرتا ہو اور عیب ونقصان سے پاک ہو ۔ رہی حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث تو اس کا مطلب صاف ہے کہ ان ننانوے ناموں کو جو شخص یاد کر لے گا اور ان کے توسل سے دعا مانگے گا خدا تعالیٰ اس کی مغفرت کرے گا ۔ چوں کہ یہ اسماء کتاب اللہ میں موجود ہیں (اور ترمذی کی حدیث میں بھی ان کی تفصیل مذکور ہے) اس لیے حضور صلعم نے ننانوے کا لفظ ارشاد فرمایا ورنہ پوری حدیث میں کوئی لفظ حصر نہیں اور نہ ننانوے کے علاوہ اور ناموں کی نفی ہے ۔ اسی بناء پر شیخ ابن حزم نے کہا ہے کہ احصاء اسماء الٰہی میں جملہ احادیث مضطرب ہیں کوئی صحیح نہیں ۔ حاصل آیات یہ کہ اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں جو عیب ونقصان پر دلالت کرنے سے پاک ہیں ۔ لہٰذا مسلمانو تم انھیں اچھے اچھے ناموں کو لے کر خدا سے دعا کیا کرو اور ان لوگوں سے تعرض نہ کرو جو اللہ کے ناموں میں تراش خراش اور الحاد کرتے ہیں اور گمراہی کو اختیار کرتے ہیں ۔ عنقریب ان کو اپنے کئے کی پاداش ملے گی ۔

مقصود بیان اس امر کی صراحت کہ اللہ کے تمام نام اچھے ہیں ۔ ہر نام کو لے کر دعا کرنی جائز ہے کسی نام کی تخصیص نہیں ۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ اللہ کے لیے جو نام مقرر کیا جائے اس کا مفہوم اچھا ہونا چاہیئے ۔ وہ صفت کمال پر دلالت کرتا ہو اور عیب ونقصان کے معنی سے پاک ہو ۔ آیت سے ضمنی طور پر یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ جب تک لفظ کے معنی معلوم نہ ہوں اور یہ نہ جانتا ہو کہ اس لفظ کے معنی اچھے ہیں اس وقت تک اللہ پر اس کا اطلاق نہ چاہیئے ۔ وغیرہ ۔

۲۲ ع ۱۰ ۱۲ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝

اور ہماری مخلوق میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو حق بات کی ہدایت کرتے ہیں اور اُسی کے موافق انصاف کرتے ہیں

تفسیر اوپر کی آیات میں بیان تھا کہ ہم نے بہت سے جن وانس کو جہنم کے لیے پیدا کیا ہے ۔ وہ کون لوگ ہیں جن کو جہنم کے لیے پیدا کیا ۔ خود ان کا بیان فرمایا کہ جہنم کے لیے وہ لوگ پیدا ہوئے ہیں جو دل تو رکھتے ہیں ، مگر غافل ، آنکھیں رکھتے ہیں ، مگر حق کی طرف سے نابینا ، کان رکھتے ہیں مگر صداقت کی آواز نہ سُننے والے ۔ اب ان لوگوں کے مقابل اس فرقے کا ذکر فرماتا ہے جو جنتی ہے ۔ وہ کون گروہ ہے ؟ وہی گروہ ہے جو ہادی بھی ہے مہتدی بھی ۔ عامل بھی ہے اور ناصح بھی ۔ دوسروں کو بھی حق کی ہدایت کرتا ہے اور خود بھی اپنی خواہشات میں تعدیل رکھتا ہے دوسروں کا رہبر حق ہے ، مگر خود بھی افراط تفریط اور زیادتی کمی سے پرہیز رکھتا ہے ۔ اپنی غضبی اور شہوانی قوتوں وافعال میں اعتدال رکھتا ہے ۔ قوتِ روحانیہ سے مادی قوتوں کا زور توڑ کر ان کو متوسط درجے پر رکھتا ہے نہ تو راہب تارک الدنیا بن جاتا ہے نہ مطلق العنان شہوت ران نہ تو اس نے اپنی قوت غضبی کو ایسا معطل کر رکھا ہے کہ حق وصداقت کی خلاف ورزی کے وقت بھی خاموش رہتا ہے اور اس کو جوش نہیں آتا اور نہ ایسا غضب ناک قہار بنا رہتا ہے کہ مست ہاتھی کی طرح ذرا سی تحریک میں دنیا کو تباہ کرنے کے درپے ہو جائے ۔ اس کی قوت بصیرت بھی اعتدالی حالت میں ہے نہ آزاد ہر وقت شیطانی تدبیریں

toobaafoundation.com

سوچتا رہتا ہے نہ اتنی پابند کہ علوم و معارف اور صنائع الٰہی میں بھی غور نہ کرے۔

آثار میں وارد ہے اس امتِ مرحومہ سے مراد امت محمدیہ ہے۔ قتادہ کی روایت ہے کہ حضورؐ جب اس آیت کو پڑھتے تھے تو فرماتے یہ تم لوگوں کے واسطے ہے اور تم سے اگلی امت کو بھی اسی طرح دیا گیا چناں چہ فرمایا وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ - الآیۃ

شیخ ابن کثیر نے بروایت ربیع بن انس مرسل روایت ذکر کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "میری اُمت میں ایک قوم برابر حق پر رہے گی۔ یہاں تک کہ عیسیٰ بن مریم کا نزول ہو۔

صحیحین میں بروایت معاویہ بن ابی سفیان مذکور ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا "میری اُمت قیامت بپا ہونے تک برابر ایک گروہ حق پر ظاہر رہے گا ان کو جو کوئی خوار کرنا یا ان کو مخالف کرنا چاہے گا وہ ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ بیضاوی وغیرہ مفسرین نے اسی سے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا ہے کیوں کہ مراد یہ ہے کہ زمانے میں ایک گروہ ایسا ہوگا تو یہ کہ فقط رسول پاکؐ کے زمانے میں ایسا گروہ تھا بعد کو نہ ہوگا ورنہ اس سے کیا فائدہ یہ تو معلوم ہی تھا۔

مقصودِ بیان اُمتِ صالحہ محمدیہ کی تعریف۔ دوسروں کو ہدایت کرنے اور خود ہدایت پر رہنے کی تلقین و مدح۔ اس امر کی طرف ضمنی اشارہ کہ عدل و توسط پر قائم رہنے والے اور حق کا فیصلہ کرنے والے کم لوگ ہیں۔ ان کے مقابلے میں باطل پرست زائد ہیں۔ وغیرہ۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ صلے

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی ہم آہستہ آہستہ اُن کو اس طرح پکڑیں گے کہ اُن کو علم بھی نہ ہوگا

وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝

اور میں ان کو مہلت دوں گا میری تدبیر مضبوط ہے

تفسیر چونکہ اوپر دو گروہ بیان کئے گئے تھے۔ حق پرست اور باطل پسند، جنتی اور دوزخی، اس لئے شبہ ہوتا تھا کہ شاید دنیوی عروج و زوال حق و باطل اور جنتی دوزخی ہونے کا معیار ہے۔ جس پر دنیا میں سختی اور زندگی میں عسرت ہے وہ جہنمی ہے اور جو مرفہ الحال فارغ البال ہے وہ جنتی ہے۔ کیونکہ اگر مؤخر الذکر شخص دوزخی ہوتا تو خدا اس سے فوری مواخذہ کرتا، اس کے عیش و عشرت کو خاک میں ملا دیتا۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے فرماتا ہے "یہ کچھ ضرور نہیں کہ جو ازلی جہنمی ہیں ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں ہم اُن کو فوری گرفت بھی کر لیں کہ اُن کا جہنمی ہونا معلوم و محسوس ہو جائے بلکہ ہم باوجود اُن کے کفر و گناہ کے دنیا میں ہر طرح کی نعمت و راحت اور عیش و کامیابی میں رکھ کر یکدم اُن کو پکڑ لیں گے اور اس طرح پکڑیں گے کہ اُن کو پتہ بھی نہ چلے گا کہ یہ مصیبت ہم پر کس طرح آئی۔ خواہ گرفت کی صورت یہ ہو کہ دنیا میں ہی یکدم دفعتاً اُن پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں اور کل نعمت و عیش فنا ہو جائے یا یکدم اُن پر ایسی حالت میں موت آجائے کہ وہ راحت و مسرت سے ہمکنار ہوں اور اخروی نتیجہ سے غافل ہوں اور موت کا فرشتہ آکر اُن کو دوزخ میں لے جائے۔

مقصودِ بیان دنیوی راحت و تکلیف دُکھ سکھ جنتی دوزخی ہونے کا معیار نہیں بلکہ اصل معیار وہ ہے جو اوپر گذر گیا۔ اللہ ڈھیل دیتا رہتا ہے۔ جب بندہ انتہائی درجے پر سرکشی کے پہنچ جاتا ہے۔ تو یک دم گرفت ہو جاتی ہے۔ وغیرہ۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۭ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

کیا انھوں نے کچھ دھیان نہ کیا کہ اُن کے رفیق کو کچھ جنون نہیں ہے بس وہ تو صاف صاف ڈرانے والے ہیں

toobaafoundation.com

أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ

یا انھوں نے　آسمان و زمین　کی حکومت　اور اللہ کی　پیدا کی ہوئی　چیزوں میں　غور نہیں کیا

شَيْءٍ ۙ وَأَنْ عَسٰى أَنْ يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ ۖ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ

اور نہ　اس پر غور کیا　کہ شاید　اُن کی　اجل آگئی ہو　پس قرآن کے بعد کس بات　پر وہ

يُؤْمِنُونَ ۝ مَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ ۚ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝

ایمان لائیں گے　جس کو اللہ گمراہ　چھوڑ دے　اُس کو کوئی راہ پر لانیوالا نہیں　اور اللہ اُن کو اُن کی سرکشی میں بھٹکتا چھوڑ دیتا ہے

تفسیر قتادہ کی روایت ہے کہ ایک بار حضور اقدس ؐ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر تمام قریش کو نام نام پکارا اور ایسے الفاظ سے پکارا جو دشمن کے خطرے کے وقت استعمال کئے جاتے تھے۔ سب لوگ جمع ہو گئے۔ حضور ؐ نے ہر گروہ کو نام بنام عذابِ الٰہی سے ڈرایا۔ آئندہ کے واقعات جو موت بلکہ قیامت تک اُن پر واقع ہونے والے تھے بتائے اور فنا و زوال کی تصویر کھینچ دی۔ ایک شخص بولا کیا اس شخص کو جنون ہو گیا ہے کہ شام سے صبح تک چیخ رہا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور حضور ؐ کے وعظ کی تصدیق تین طرح سے فرمائی۔ اوّل تو یہ کہ ذرا غور کرنا چاہیئے اور سمجھنا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیوانے اور مجنون نہیں پھر کیوں اُن کے اظہارِ حقائق کی تکذیب کی جائے۔ دوسرے اس بات پر بھی ذرا غور کرنا چاہیئے کہ آسمان و زمین اور اس کی کل کائنات جس کو خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے خالق پر دلالت کر رہی ہے۔ صحرا کا ذرہ، پہاڑوں کا ہر ریزہ، درختوں کا ہر پتّہ، حیوانات کی ہر کیفیت و حالت، سورج، چاند، ستاروں کا طلوع و غروب، پانی اور ہوا کا تموج۔ غرض ہر چیز نمایاں طور پر تصویرِ فنا اور آئینۂ تغیر ہے۔ پھر یہی بات اگر رسول ؐ کی زبان سے نکلتی ہے اور وہ موت و مابعد الموت سے ڈراتے ہیں تو کیوں اُن کو جھوٹا سمجھا جاتا ہے۔ تیسرے خود اپنی زندگانی طریق زندگانی، اعضا کی ساخت اور تغیر جسمانی کو بہ نظرِ غور دیکھنا چاہیئے کہ ہر وقت زندگی زوال پذیر ہے۔ ممکن ہے کہ عنقریب ہی زندگانی کے اختتام کا وقت آگیا ہو۔ اب ان نصوص دلائل اور واضح ثبوت کو بھی اگر کفار نہ مانیں اور رسول ؐ کو نہ پہچانیں اور سچا نہ جانیں تو اور کس بات کو مانیں گے۔ بہرحال اتمام حجت ہو گیا اس کے بعد بھی نہ مانیں تو سمجھو کہ اللہ ہی نے ان کو ہدایت کرنا نہیں چاہا۔ ان کو یوں ہی دشتِ ضلالت میں سرگرداں پھرنے دو۔

مقصود بیان تین امور پر غور کرنے کی صراحت۔ احادیث رسول [1]، صنائع قدرت [2] اور خود اپنی حالت [3]۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ ہدایت کے لئے یہی تین راستے ہیں جو شخص ان طریقوں سے ہدایت یاب نہ ہو تو سمجھ لو کہ یہ گمراہ اور فطری شقی گم کردہ راہ ہے۔ اس کے راہ یاب ہونے کی اُمید نہیں۔ وہ کبھی راستی پر نہ آئے گا۔ بس اُس سے کوئی مناظرہ اور مجادلہ نہ کرو۔ وغیرہ۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي ۖ لَا يُجَلِّيهَا

پوچھتے ہیں تجھ سے کہ　قیامت کا　وقوع کب　ہوگا　تم کہہ دو کہ　اس کی خبر تو میرے رب کو ہے　وہی اُس کو

لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ۚ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ۗ يَسْأَلُونَكَ

اُس کے وقت پر اُس کو ظاہر کر دے گا　وہ آسمانوں اور زمین میں بھاری (حادثہ) ہے　بس اچانک ہی تم پر آجائے گی　تم سے وہ اس

toobaafoundation.com

كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ○

طرح پوچھتے ہیں گویا تم اس کے متلاشی ہو کہہ دو کہ اُس کا علم تو صرف اللہ کو ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے

تفسیر

حمل بن قشیر اور سموأل بن زید نے حضور اقدسؐ سے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ محمدؐ! اگر تم نبی ہو تو بتاؤ قیامت کب آئے گی؟ یہ سوال بطور امتحان کے تھا کیونکہ سائلوں کو خود معلوم تھا کہ قیامت کا علم کسی کو نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قریش نے یہ سوال کیا اور یہ سوال بطور خوف یا طلب تصدیق کے نہ تھا بلکہ اُن کے شک کا مظاہرہ تھا۔ اسی قول کو ابن کثیر نے ترجیح دی ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور ظاہر ہے کہ مکہ میں یہودی نہ تھے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اے محمدؐ کہہ دو کہ قیامت کا یقینی علم سوا خدا کے کسی کو نہیں۔ مجھے کیا معلوم کہ قیامت کب آئے گی؟ جب وقت آئے گا تو خدا اس کو ظاہر کر دے گا۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ اہل دنیا کے لئے وہ عظیم الشان حادثہ ہوگا اور اچانک ہوگا بس اتنا معلوم ہے اس سے آگے معلوم نہیں، مگر ان میں سے اکثر جاہل آدمی نہیں جانتے کہ قیامت کا علم سوا خدا کے کسی کو نہیں۔

تحلیلِ اجزاء

مُرْسٰىهَا کے معنی استقرار اور ثبات کے ہیں، لیکن ابن عباسؓ نے اس کے معنی مُنْتَهٰى بیان کئے ہیں یعنی دنیا کے انتہا کا وقت کب ہوگا۔ لَا يُجَلِّيْهَا کے معنی عام مفسرین نے لَا يُظْهِرُهَا قرار دیے ہیں یعنی خدا ہی قیامت کو اس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔ سدی نے تجلیہ کے معنی ارسال بیان کئے ہیں۔ ابن کثیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ قیامت کے حقیقت واقعہ کو سوا خدا کے کوئی نہیں جانتا اور اس کے مقررہ وقت سے کوئی واقف نہیں۔

ثَقُلَتْ سے مراد یہ ہے کہ قیامت آسمان وزمین کے تمام رہنے والوں پر بھاری ہوگی (ابن عباس وحسن بصری نے یہی معنی بیان کئے ہیں) قتادہ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ قیامت کے وقت کو نہ جاننا زمین و آسمان والوں پر بھاری ہے۔ ابن جریج نے کہا جب قیامت آئے گی تو آسمان پھٹ جائیں گے، ستارے بکھر جائیں گے، سورج سیاہ ہو جائے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ یہی اس کا ثقل ہے۔ ابن جریر نے قتادہ کے قول کو اختیار کیا ہے۔ سدی کہتے ہیں ثَقُلَتْ کے معنی یہ ہیں کہ آسمانی اور زمینی مخلوق سے قیامت کا یقینی علم مخفی ہے نہ کسی فرشتے کو معلوم ہے نہ کسی نبی کو۔ اس تقدیر پر ثَقُلَتْ کے معنی خَفِيَتْ ہوئے۔

كَأَنَّكَ حَفِيٌّ کے مطلب کی توضیح میں ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مشرکوں نے حضورؐ سے یوں سوال کیا کہ گویا آپ اُن کے حفی ہیں۔ قتادہ کا قول ہے کہ مشرکوں نے حضورؐ سے کہا کہ ہم کو بحق قرابت بتا دو کہ قیامت کب ہوگی؟ عوفی نے ابن عباسؓ کا قول اس طرح بیان کیا ہے:-

وہ تجھ سے قیامت کے متعلق اس طرح دریافت کرتے ہیں کہ گویا تو اُن کا بڑا دوست ہے۔ مجاہد، عکرمہ، ابو مالک اور سدی سے بھی یہی مطلب مروی ہے لیکن ابن ابی نجیح کی روایت سے مجاہد کے نزدیک صحیح مطلب اس طور پر ہے کہ وہ لوگ قیامت کے متعلق تجھ سے سوال کرتے ہیں گویا تو قیامت کی ٹوہ میں لگا ہوا ہے۔ شیخ جلال نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ ضحاک نے ابن عباسؓ کا جو قول نقل کیا ہے اُس آیت کا مطلب اس طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ تجھ سے دریافت کرتے ہیں اور اس طرح دریافت کرتے ہیں کہ گویا تو اس کے مقررہ وقت کو جانتا ہے۔ والعلم عند اللہ۔

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ

آیت متذکرہ سے شبہ ہوتا ہے کہ رسول پاکؐ کو قیامت کا کوئی علم نہ تھا تو واقعاتِ قیامت کی تفصیلی خبر دینا، عذاب، ثواب اور حساب کتاب کی کیفیت بیان کرنا بالکل غلط ہے ان کو بھی سوا خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ پھر مسلم کی اس حدیث سے جس کی راوی حضرت عائشہؓ ہیں ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ کو قیامت کا علم تھا۔ عائشہؓ کی روایت ہے کہ جب دیہاتی لوگ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کرتے کہ قیامت کب ہوگی؟ تو آپ اُن میں سے سب سے کم عمر والے آدمی کی طرف اشارہ فرماتے کہ اگر یہ زندہ رہا تو بہت زیادہ بوڑھا ہونے نہ پائے گا کہ قیامت آجائے گی۔

ازالہ:- آیت سے مطلقاً احوالِ قیامت کے علم کی نفی نہیں نکلتی۔ آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ رسول اللہ کو قیامت اور احوالِ قیامت کے متعلق

toobaafoundation.com

کچھ علم نہ تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ دن، تاریخ، وقت معین طور پر حضورؐ کو معلوم نہ تھا۔ اس کا علم نہ تھا کہ قیامت کس دن ہوگی اور کتنی مدت باقی ہے؟ باقی علامات آثار اور قرائن تو آپ نے مفصل بیان فرمادئے ہیں۔ حذیفہؓ کی روایت میں بطریق مرفوع آیا ہے کہ حضور والا نے سوال قیامت کے جواب میں فرمایا کہ اس کا علم فقط اللہ ہی کو ہے، لیکن میں اس کے بعض علامات جو وقوع قیامت کے قریب ہوں گے بیان کرتا ہوں۔ قیامت کے قریب فتنہ وقتل ہوگا۔ اس زمانے میں لوگوں کے درمیان جان پہچان اتنی کم ہوجائے گی کہ قریب ہے کوئی کسی کو نہ پہچانے (رواہ احمد) امام احمد کی روایت کردہ احادیث دجال معراج میں حضرت عیسیٰؑ کے نزول اور قتل دجال اور خروج یاجوج و ماجوج کا قصہ مذکور ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ اس وقت قیامت کی حالت ایسی ہوگی جیسے حاملہ عورت کے دن میں اس کے بچہ پیدا ہوتا ہے یا رات میں۔ انس اور سہل بن سعد کی صحیح روایت میں آیا ہے کہ حضورؐ نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "میں اور قیامت ان دونوں کی طرح متصل پیدا ہوئے ہیں۔ بہرحال رسول پاکؐ کو علامات قیامت کا تفصیلی علم تھا۔ البتہ تعین قیامت معلوم نہ تھی۔ یہی مطلب آیت کا ہے۔ رہا حضرت عائشہؓ کی روایت کردہ حدیث کا مطلب تو حضورؐ کی اس سے مراد یہ تھی کہ ہر شخص کی موت اس کی قیامت ہے۔ امام مسلم نے یہی مطلب بیان کیا ہے کہ بچے کے بوڑھے ہونے سے پہلے قیامت آجائے گی یعنی عمر رسیدہ لوگ مرجائیں گے لامحالہ ان کی قیامت آجائے گی۔ دیہاتیوں کے مقابلے میں یہی جواب مناسب تھا۔ رہا قیامت کبریٰ کے آنے کا وقت اس کے متعلق حضورؐ نے کچھ نہیں فرمایا۔

مقصودِ بیان قیامت کا یقینی علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں۔ نہ کسی نبی کو، نہ ولی کو، نہ فرشتے کو۔ ہاں علاماتِ قیامت معلوم ہیں۔ قیامت ایک عظیم الشان سانحہ ہوگا۔ قیامت رفتہ رفتہ نہ آئے گی بلکہ یکدم آئے گی۔ قیامت کب آئے گی؟ اس کا علم ضروری نہیں نہ اس کی جستجو اور تلاش مناسب ہے، جب آنے گی آجائے گی۔

اکثر لوگ اس بات سے ناواقف ہیں کہ قیامت کا تعیینی علم غیر مفید ہے اور لوازم نبوت سے نہیں ہے۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ

تم کہہ دو کہ مجھے تو بغیر مشیتِ خدا کے اپنی جان کے نفع ونقصان کا اختیار نہیں ہے اگر میں غیب جانتا ہوتا تو یقیناً بہتیرا نفع

مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۭ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ع ۝

حاصل کرلیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی میں تو ایک ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں

تفسیر اس آیت کی شانِ نزول میں ابن کثیر اور بعض دیگر مفسرین نے عجیب قسم کے قصے بیان کئے ہیں جن کا تحقیق وتنقید کے بعد کوئی پتہ نہیں چلتا۔ مثلاً ابن کثیر نے کہا ہے کہ جب حضور والا غزوۂ بنی المصطلق سے لوٹے تو راہ میں آندھی آئی اور سواری کے جانور بھاگ گئے حضورؐ نے بطور معجزہ کے اس روز یہ اطلاع دی تھی کہ آج مدینے میں رفاعہ کا انتقال ہوگیا پھر حضورؐ نے یہ فرمایا کہ میری اونٹنی کو تلاش کرو۔ اس پر عبداللہ بن اُبی منافق کہنے لگا "دیکھو تو یہ شخص مدینہ میں رفاعہ کے متعلق تو خبر دے رہا ہے اور خود اپنی اونٹنی کا پتہ نہیں کہ وہ کہاں ہے؟ حضور نے وحی خفی کے ذریعہ لوگوں کو اطلاع دی کہ منافقوں کا میرے متعلق اس قسم کا خیال ہے جاؤ میری اونٹنی اس پہاڑ کے درّہ میں ہے۔ اس کی مہار ایک درخت میں اُلجھ گئی ہے، جاکر لے آؤ۔ چنانچہ لوگ گئے اور اونٹنی کو لے آئے۔ اسی طرح کے دیگر واقعات بھی شانِ نزول میں بیان کئے جاتے ہیں، مگر ایسے واقعات کو شانِ نزول قرار دینا روایت ودرایت کے خلاف ہے کوئی معتبر روایت اس کے ثبوت کے لئے موجود نہیں اور عقل بھی اس کو صحیح تسلیم نہیں کرتی کیونکہ غزوہ بنی المصطلق ہجرت کے بعد مدینہ کی سکونت کی حالت میں ہوا اور یہ آیت مکی ہے۔ متاخر کا سبب متقدم کس طرح ہوسکتا ہے۔ لہٰذا صحیح تفسیر کسی شانِ نزول کی محتاج نہیں۔ کیونکہ اوپر کی آیت میں کفار کا سوالِ قیامت اور پھر اس کے جواب کی تعلیم بیان کی گئی تھی اور یہ اُسی کی تائید ہے جس کا مطلب

toobaafoundation.com

یہ ہے کہ محمدؐ! تم ان لوگوں سے کہدو قیامت کا تعیین علم تو درکنار مجھے اپنے نفس پر بھی حقیقی قدرت نہیں۔ میں اپنی ذات کے نفع نقصان کا بھی حقیقی مالک نہیں نہ مجھے علم غیب ہے نہ عالم الغیب اور مالک خیر و شر ہونا میرے لوازم میں سے ہے نہ میری نبوت کو اس سے کوئی خاص تعلق ہے۔ میرا کام تو صرف یہ ہے کہ اہل ایمان کو عذاب سے خوف دلاؤں اور ثواب کی بشارت دے دوں یعنی لوگوں کو بُرے کاموں سے بچنے اور اچھے کاموں کے کرنے کا حکم دوں۔ اگر مجھے غیب کی تمام باتیں معلوم ہوتیں تو پھر اچھائی ہی اچھائی کی طلب میں بکثرت کرتا کسی قسم کی برائی مجھے پہنچنے ہی نہ پاتی نہ کسی تجارت میں نقصان ہوتا نہ بیماری آتی نہ دشمنوں کے مقابلے میں جانفشانی کرنی پڑتی نہ نماز میں بھول چوک ہوتی نہ دنیوی معاملات میں مجھ سے کوئی فروگذاشت ہوتی، میرے ہر فعل اور ہر حرکت و سکون کا نتیجہ موافق ہی نکلتا۔

یہاں دو شبہے کئے جاسکتے ہیں۔ پہلا شبہ تو یہ ہے کہ کیا رسول اللہؐ مالک خیر و شر نہ تھے؟ کیا اچھا برا کام کرنے کی آپ میں قدرت نہیں نہ تھی؟ کیا معجزات اور خوارق عادات آپ سے ظاہر نہ ہوتے تھے؟ کیا تصرفات نبوت سے آپ خالی تھے؟ کیا آپ کا کام فقط انذار و تبشیر تھا اور روحانی تاثیرات و اختیارات سے آپ بالکل کورے تھے۔

دوسرا شبہہ یہ ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کا علم غیب نہ تھا؟ کیا اخبار وحی و رسالت اور احکام ہدایت کا بھی آپ کو علم نہ تھا حالانکہ آیت اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی الخ تو بتا رہی ہے کہ غیب الٰہی پر اُس کے خاص بندے یعنی پیغمبر مطلع ہوتے ہیں۔ کیا آپ کو ملائک، عرش، کرسی، لوح، قلم، احوال قیامت، جنت و دوزخ، حساب کتاب اور بعض آئندہ واقعات کا بھی علم نہ تھا حالانکہ ان سب کی خبر حضورؐ نے اُمت کو دی ہے۔ اگر علم نہ تھا تو پھر خبر کیسے دی؟ اور اگر تھا تو آیت کی مراحت نفی کا کیا مطلب؟

جواب :- پہلے شبہ کا جواب مفسرین نے اس طرح دیا ہے کہ معجزات و خوارق مستثنیٰ ہیں۔ وہ تصرفات نبوت اور اعجاز رسالت اور اختیارات روحانی حضورؐ کو مخصوص طور پر عطا کئے گئے تھے وہ لَآ اَمْلِكُ کے حکم سے خارج ہیں کیونکہ لَآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا کے بعد اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ فرما دیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ مجھے اپنے نفس کے نفع نقصان کا بھی اختیار نہیں۔ ہاں اتنا اختیار ہے جتنا خدا کی مشیت ہے یعنی جو خدا نے مجھے عطا کر دیئے ہیں وہی تصرفات میں کر سکتا ہوں، زیادہ نہیں کر سکتا۔

میرے نزدیک بہترین جواب یہ ہے کہ لَآ اَمْلِكُ میں ملک حقیقی اور قدرت کاملہ کی نفی ہے اور اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ میں ملک مجازی کا ثبوت۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے اپنے نفس کے کسی نفع نقصان کا تو حقیقی اختیار ہی نہیں نہ مجھ میں قدرت کاملہ ہے نہ کوئی چیز حقیقتاً میری ملک میں ہے کہ جب چاہوں بارش نازل کر دوں، قحط دور کر دوں، خدا کے خزانے کھول کر تم کو دولت تقسیم کر دوں، پہاڑوں کو سونے کا بنا دوں، جو کام کروں حقیقی اختیار سے کروں۔ ہاں جتنا اختیار و تصرف خدا نے مجھے عطا کر دیا ہے، جو چیز اس نے مجھے دے دی ہے وہ موجود ہے۔ وہ چیزیں کیا تھیں جو خدا تعالیٰ نے حضورؐ کو عطا کی تھیں؟ وہی کمالات نبوت، اختیارات رسالت، تصرفات روحانی، خوارق عادت معجزات وغیرہ۔

دوسرے شبہہ کا جواب ذرا تفصیل طلب ہے۔ غیب ہر اُس چیز کو کہا جاتا ہے جو علم نظر سے غائب ہو جس چیز کا ہم کو علم نہ ہو وہ ہمارے لحاظ سے غیب ہے۔ زید نہیں جانتا کہ عمرو کے دل میں کیا ہے۔ عمرو نہیں جانتا کہ بکر کا تخیل اور ارادہ کیا ہے؟ یہ سب غیب ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے ہر شخص عالم الغیب ہے کیونکہ ہر شخص وہ باتیں جانتا ہے جس کا کسی دوسرے کو علم نہیں۔ اپنی جسمانی، دماغی، ذہنی اور احساسی حالت کو ہر شخص خود ہی جانتا ہے دوسرا واقف نہیں ہوتا، اس لئے ہر شخص اُن چیزوں کا عالم ہے جو دوسرے کے علم سے غائب اور غیر کے لحاظ سے غیب ہیں۔ رسول پاکؐ بھی عالم الغیب تھے یعنی ان امور سے واقف تھے جو دیگر کائنات کا لحاظ کرتے ہوئے غیب تھیں۔ موجودات عالم کا کوئی فرد اسرار خدا و ندی نہیں جانتا تھا جو حضورؐ جانتے تھے۔ علام الغیوب سے جو تعلق حضورؐ کا تھا وہ کسی کا نہ تھا۔ فرشتوں، انسانوں اور جنوں کے علم کی رسائی وہاں تک نہ تھی جہاں تک حضورؐ کے علم کی رسائی تھی۔ اس بنا پر تمام خصوصیات نبوت و اسرار رسالت، پیشین گوئیاں گذشتہ واقعات کی صحیح اطلاع، احوال قیامت کی خبر اور ذات و صفات الٰہیہ کا بیان حضورؐ کے علم غیب پر دلالت کرتا ہے۔ یہی معنی سورۂ جن کی آیت لَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ کے ہیں لیکن اس کے باوجود آیت مذکورہ میں حضورؐ کے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ بلکہ قرآن میں متعدد مقامات پر اس قسم کی نفی کی مراحت کی گئی ہے تو

toobaafoundation.com

اس کی وضاحت کے لئے غیب کی اقسام کو سمجھنا ضروری ہے ۔

غیب کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ چیزیں جن کے وجود اور وجود کی کیفیت وچگونگی پر دلائل وشواہد نہ ہوں ۔ (۲) وہ چیزیں جن کے وجود پر دلائل قائم ہوں مثلاً قیامت، حشر، نشر، ملائکہ، وجود صانع وغیرہ ۔ غیب کی مقدم الذکر قسم مخصوصات باری تعالیٰ میں سے ہے ۔ جیسا کہ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۔ یا قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ یا قُلْ لَّوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۔ وغیرہ میں اسی قسم کا غیب مراد ہے جس سے کوئی بھی سوائے خدا کے واقف نہیں نہ کوئی نبی نہ فرشتہ ۔ مثلاً اللہ کی پوری حقیقت ماہیت اُس کے صفاتِ کامل کا علم مخلوقات کے انواع افراد اور ہر ذرّہ کے غیر معدود کیفیات سے کسی کو واقفیت نہیں ۔ موخر الذکر غیب کی ہزاروں صورتیں ہیں ۔ سب سے اعلیٰ صورت وہی ہے جس کا علم خداوند تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو عطا فرمایا ، اسرار وحی سے واقف کیا ، اپنے ذات وصفات کا اجمالی علم عطا کیا ، قیامت ، موجوداتِ قیامت یعنی آئندہ واقعات اور کچھ گزشتہ سوانح کا رسولوں کے دماغوں پر انکشاف کیا حق و باطل اور ہدایت وضلالت کا فرق بتایا ، دینی اعتبار سے مفید ومضر اور خیر وشر پر مطلع کیا ۔ یہ سب انبیاء کے خصوصیات ہیں ۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى الآیۃ کے یہی معنی ہیں ۔ رہا دنیوی امور کا دینی ضروریات سے تعلق ہے وہاں تک انبیاء کو اس کا علم تھا اور جہاں دینی ضرورت وابستہ نہ تھی مثلاً کھجور کے نر و مادہ کے ملنے سے پھل خوب آتا ہے ۔ کون سا تخم کس فصل میں بویا جاتا ہے ، کس پھل کی پیداوار کس زمین میں اچھی ہوتی ہے ، ہیرا سونے کے کس طرح بنائے جاسکتے ہیں ، حسب منشاء بارش کیسے برس سکتی ہے وغیرہ ۔ تو ایسے بے کار امور کا انبیاء کے فرائض سے کوئی تعلق نہیں ۔ نہ دینی اصلاح ان باتوں کے جاننے پر موقوف ہے نہ اُخروی نجات کا ان چیزوں پر مدار ہے ، اس لئے انبیاء کو ان باتوں کا علم نہ تھا جیسا کہ بعض صحیح احادیث سے مستنبط ہوتا ہے اور اگر ہو تو اس کی کوئی اہمیت نہیں ۔ نہ رسول پاکؐ نے اس چیز کو مابہ الفخر قرار دیا نہ کبھی اس کا اظہار کیا ۔ واللہ اعلم ۔

مقصودِ بیان کوئی شخص خواہ کتنا ہی عالی قدر نبی ہو اپنے نفس پر حقیقی اختیار نہیں رکھتا ۔ بغیر مشیتِ الٰہی کے کسی قسم کا تصرف نہیں کرسکتا ۔ وہ امور جو کائنات کی نظر سے غائب ہیں اور مخصوصات باری تعالیٰ ہیں اُن کا کسی کو علم نہیں ۔ نبی کے فرائض میں صرف تبلیغ احکام اور عذاب سے ڈرانا اور ثواب کی بشارت دینا ہے ۔ عالم میں تصرف حقیقی کرنا اور مخصوص مغیبات بتانا فرائض نبوّت سے خارج ہے ۔ انبیاء کے دنیوی افعال واعمال کے نتائج بھی کبھی موافق نہیں نکلتے یعنی دنیوی کاروبار میں کبھی نفع ہوتا تھا کبھی نقصان ۔ کبھی انبیاء بیمار ہوتے تھے کبھی تندرست ۔ آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ قیامت کی ٹوہ میں لگا رہنا بے ہودہ بات ہے اس قسم کے سوال کرنا ہی لغو ہے ۔ اس امر کی طرف بھی ایماء ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے اپنی مغیبت سے کچھ مخصوص تصرف واختیار بھی دیا تھا جو لوازم رسالت اور اقتضائیات نبوت میں سے تھا ۔ آیت میں تنبیہ ہے اُن لوگوں کو جو انبیاء اولیاء کو مظہر الوہیت خیال کرتے ہیں اور تمام صفاتِ ربانی سے اُن کو متصف جانتے ہیں اور تصرفاتِ حقیقیہ کا مالک سمجھتے ہیں اور عالم کا مختار کل اور مطلق العنان حاکم یقین کرتے ہیں ۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ

اُسی نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی سے اُس کا جوڑا بنایا تاکہ جوڑے سے اسکو سکونِ خاطر حاصل ہو

فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ

پھر جب مرد عورت پر چھا گیا تو اس کو ہلکا سا حمل رہ گیا اور اس حالت میں وہ چلتی پھرتی رہی پھر جب بوجھل ہوگئی تو دونوں نے اپنے

رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا

رب کو پکارا کہ اگر تو ہم کو نیک (بچہ) عنایت کرے گا تو ہم ضرور شکر گزار ہوں گے لیکن جب اُن کو نیک بچہ دے دیا

toobaafoundation.com

جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

تو لگے خدا کی دی ہوئی چیز میں اُس کے شریک بنانے پس اللہ اُن کی شرک انگیزیوں سے برتر ہے

تفسیر ان آیات کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے اور ہر گروہ نے اپنے مدعا کے ثبوت میں حدیث و اثر کو پیش کیا ہے ہم ذیل میں اجمالی طور پر ذکر کرتے ہیں :-

اصحاب معالم و مدارک اور عام مفسرین کا خیال ہے کہ یہ قصہ حضرت آدم و حوا کا ہے سمرہ بن جندبؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت حوا کے بچے زندہ نہ رہتے تھے یعنی کئی بچے پیدا ہونے کے بعد مر چکے تھے۔ جب ایک بچہ پیدا ہوا تو ابلیس نے آکر کہا اس کا نام عبدالحارث رکھو زندہ رہے گا۔ حوا نے یہی نام رکھا وہ بچہ زندہ رہا۔ پس یہ شیطانی وسوسہ تھا اور شیطان نے یہ نام رکھنے کا حکم دیا تھا (رواہ الحاکم وقال حدیث صحیح ورواہ الترمذی وقال حسن غریب وقد رواہ احمد وابو یعلیٰ وابن جریر وابن ابی حاتم والطبرانی وابن مردویہ)۔

محمد بن اسحاق نے بطریق عکرمہ ابن عباسؓ کا قول بیان کیا ہے کہ حوا کے اولاد ہوتی تو آدمؑ اُن کے نام عبداللہ، عبیداللہ وغیرہ رکھا کرتے لیکن وہ مر جاتے بالآخر دونوں کے پاس ابلیس آیا اور کہنے لگا اگر تم کوئی اور نام رکھو گے تو بچہ زندہ رہے گا۔ پس انھوں نے عبدالحارث نام رکھا اور بچہ زندہ رہا۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا الخ وقد روی العوفی وسعید بن جبیر عن ابن عباس بنحوم۔

سعید بن جبیر کی روایت میں اتنی اور صراحت ہے کہ میں وہی ہوں جس نے تم کو جنت سے نکالا تاکہ تم میری پیروی کرو۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو میں سینگوں والا بچہ بنا دوں گا اور پیٹ پھٹ جائے گا۔ اسی قسم کی خوفناک باتیں کرتا رہا۔ آدم نے دو مرتبہ نہ مانا اور بچے مردہ پیدا ہوئے، مگر تیسری مرتبہ بچے کی محبت غالب آئی اور عبدالحارث نام رکھا۔ اس اثر کو ابن عباسؓ سے اُن کے شاگردوں کی ایک جماعت نے مثلاً مجاہد، سعید، عکرمہ وغیرہ نے طبقۂ دوم میں روایت کیا ہے، لیکن اس پر سخت ترین اعتراض وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ آدمؑ نے نبی ہو کر شرک کیا اور حوا جیسی مقدس عورت نے بھی۔ دوسرے یہ کہ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ میں جمع کا صیغہ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک کرنے والی جماعت مراد ہے نہ کہ فقط آدم و حوا۔ تیسرے یہ کہ اگر شیطان نے اُن کو بہکایا ہوتا تو لفظ فَا کی جگہ لفظ مِنْ آتا کیونکہ من کا اطلاق ذی عقل چیزوں پر ہوتا ہے اور مَا کا اطلاق غیر عاقل پر۔ چوتھے یہ کہ آدم کو خدا نے ہر چیز کا نام تعلیم کر دیئے تھے اور ایک بار شیطان سے زک اٹھا بھی چکے تھے پھر کیا ممکن تھا کہ اُن کو اتنا بھی معلوم نہ ہوتا کہ شیطان کا نام حارث ہے۔ وغیرہ۔

ان اعتراضات کے جوابات بہت ضعیف ہیں ہم ان کی تفصیل بخوف طوالت ترک کرتے ہیں کیونکہ کوئی جواب بجائے خود مضبوط نہیں مثلاً ایک جواب یہ ہے کہ حضرت آدم نے شرک فی التسمیہ کیا شرک فی العبادت نہیں، مگر یہ جواب لغو ہے کیونکہ شرک فی التسمیہ بھی حرام ہے اور کوئی نبی مرتکب حرام نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح دیگر جوابات بھی سطحی ہیں۔

ان اعتراضات سے بچنے کے لئے بعض لوگوں نے کہا کہ نفس واحدہ سے مراد قُصَیّ ہے اور نفس قُصَیّ سے اس کی بیوی کو پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قُصَیّ کی نوع سے یعنی نوع انسانی سے خدا تعالیٰ نے اس کی بیوی کو پیدا کیا تاکہ اس کی طبیعت کو سکون اور روح کو راحت حاصل ہو، لیکن جب قُصَیّ کی اولاد ہوئی تو اس نے بجائے عبداللہ، عبدالرحمٰن وغیرہ نام رکھنے کے عبدالدار، عبد مناف، عبدالعزیٰ اور عبد قصی نام رکھے اور خدا کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک کیا جو خالق نہیں اور پھر اس کی اولاد نے بھی شرک کیا۔

لیکن یہ تاویل بھی خلاف روایت ہے۔ کسی روایت سے ثابت نہیں کہ ان آیات میں قُصَیّ اور اس کی بیوی کا بیان ہے لہٰذا صحیح مطلب، وہ ہے جو حسن بصری، عکرمہ، ابو مسعود، ابن کیسان، ابن کثیر، امام رازی، بیضاوی اور دیگر محققین نے بیان کیا ہے کہ :-

جَعَلَ مِنْهَا میں مِنْ جزئیت کے لئے نہیں ہے بلکہ جنسیت کے لئے ہے اور نفس واحدہ سے ہر فرد مراد ہو سکتا ہے یعنی سب کو اللہ نے ایک ہی نفس یعنی مرد کی نوع سے پیدا کیا، سب کو انسانی افراد بنایا، مرد کی بیوی کو بھی اسی کی جنس سے پیدا کیا۔ جانوروں کی اس کا جوڑا نہ بنایا تاکہ مرد کو عورت سے سکون

toobaafoundation.com

خاطر ہو۔ بات یہ ہے کہ مردوں میں ادھر ادھر پھرتے ہیں اور رات کو اپنے مسکن کی طرف رجوع کرتے ہیں اور عورت سے مرد کو راحتِ قلب حاصل ہوتی ہے۔ عورت مرد کے تمام غموم وہموم کی مونس ورفیق ہے۔ غرض جب عورت و مرد کی مواصلت ہوتی ہے تو ابتدا رحمل میں عورت کو کچھ زیادہ بار محسوس نہیں ہوتا۔ بخوبی چلتی پھرتی اور کاروبار کرتی رہتی ہے، لیکن جب حمل کو زیادہ زمانہ گزر جاتا ہے اور بوجھ محسوس ہونے لگتا ہے تو خوف ہوتا ہے کہ خدا جانے کیا ہوتا ہے اس سے زندگی بھی بچتی ہے یا نہیں؟ اس لیے مرد عورت دونوں اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اگر تو نے ہم کو اچھا زندہ بچہ دے دیا تو ہم تیری شکر گزاری کریں گے پھر جب خدا ان کو بچہ حسبِ مراد دے دیتا ہے تو میں آکر خدا کے ساتھ اس کام میں اوروں کو بھی ملا لیتے ہیں۔ کوئی طبیعت کے افعال کی طرف منسوب کرتا ہے، کوئی پیروں فقیروں، بتوں، دیوتاؤں کی طرف کوئی بچوں کی چوٹی کسی پیر کے نام کی چھوڑتا ہے، کوئی کسی قبر پر لے جاتا ہے، غیر اللہ کی نذر نیاز مانتا ہے۔ حالانکہ خدا ان تمام لغویات ..... اور شرکیات سے پاک ہے وہی پیدا کرتا ہے وہی مارتا ہے۔

اسی مطلب کی تائید حسن بصری کی تفسیر سے بھی ہوتی ہے۔ ابن جریر نے بسند صحیح حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت بعض ملت والوں کے حق میں ہے حضرت آدم کے حق میں نہیں ہے۔

دوسرے طریق سے بسند صحیح حسن بصری کا قول مروی ہے کہ اس سے آدمؑ کی ذریت اور وہ لوگ جنہوں نے حضرت آدم کے بعد شرک کیا مراد ہیں۔

قتادہ نے بروایت صحیحہ حسن کا قول بیان کیا ہے کہ یہ یہود و نصاریٰ کے حق میں ہے۔ حسن بصریؒ کے ان اقوال سے تفسیر مذکورہ کی تائید ہوتی ہے۔

اب رہا سمرہؓ کی روایت کردہ حدیث اور ابن عباس کے قول کا جواب تو اس کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ امام احمد نے جو روایت سمرہ بن جندبؓ سے مرفوعاً نقل کی ہے وہ تین طریق سے معلول اور مجروح ہے۔ اوّل تو یہ کہ سلسلۂ روایت میں عمر بن ابراہیم رازی کا نام ہے۔ جس کے متعلق ابو حاتم رازی کی صراحت ہے کہ یہ شخص قابل حجت نہیں۔ دوسرے یہ کہ حدیث مذکور بغیر رفع کے فقط سمرہ کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ یعنی حدیث مذکور رسول پاکؐ کا ارشاد نہیں بلکہ سمرہ کا قول ہے۔ تیسرے یہ کہ حسن بصری جنھوں نے یہ حدیث خود سمرہ سے سُن کر نقل کی ہے۔ اس آیت کی تفسیر دوسرے طور پر بیان کرتے ہیں (جس کو ہم نے اوپر ذکر کر دیا) اگر حسن بصری اس حدیث کو مرفوع جانتے تو تفسیر بالحدیث سے عدول نہ کرتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ قول صحابی ہے جس میں احتمال ہے کہ کعب احبار اور وہب بن منبہ وغیرہ مومنین اہلِ کتاب سے لی گئی ہو جو ناقابلِ اعتبار ہے کیونکہ اس سے عصمتِ انبیاء پر حملہ ہوتا ہے جو صراحۃً نص قرآنی کے خلاف ہے۔ رہا ابن عباسؓ کے قول کا جواب تو وہ بھی ظاہر ہے کہ کسی اسرائیلی مؤمن سے سُن کر آپ نے بیان کیا ہوگا بلکہ ابن ابی حاتم نے عکرمہ کے طریق سے ابن عباسؓ کا جو قول بیان کیا ہے اُس میں صراحت ہے کہ ابن عباسؓ نے یہ قصہ اُبی بن کعبؓ سے سُنا تھا۔ واللہ اعلم۔

مقصود بیان اس امر کی صراحت کہ افرادِ انسانی کا مبدأ ایک ہی ہے۔ تخلیق زوجیت کی علت کی تصریح اور استمتاع کا بیان۔ اس بات کی تصریح کہ انسان مصیبت کے وقت خدا ہی کو پکارتا ہے، لیکن مطلب پورا ہونے پر غیروں کی طرف رجوع کرنے لگتا ہے اور خدا کو بھول جاتا ہے۔

أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۝ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا

کیا وہ ایسی چیزوں کو شریک بناتے ہیں جو کچھ نہیں پیدا کرتیں بلکہ خود ہی مخلوق ہیں اور نہ اُن کی مدد کر سکتے ہیں

وَلَا أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ۝ وَإِن تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَتَّبِعُوكُمْ

اور نہ اپنی ہی مدد کرتے ہیں اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو تمہاری پکار پر نہ چلیں

سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنتُمْ صَامِتُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ

تم پر برابر ہے کہ ان کو پکارو یا خاموش رہو جن کو اللہ کے سوا

toobaafoundation.com

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

تم پکارتے ہو وہ تمہاری طرح بندے ہیں بھلا اگر تم ان کو پکارو تو اُن کو تمہارا کہنا کرنا چاہیئے اگر تم

صٰدِقِيْنَ ۝ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ

سچے ہو کیا اُن کے ایسے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں یا اُن کے ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے ہیں یا

لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ

اُن کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہیں یا اُن کے کان ہیں جن سے سنتے ہیں

تفسیر اوپر کی آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ مشرکوں کی بھی عجب کیفیت ہے۔ جب تک مطلب رہتا ہے، جان خطرے میں رہتی ہے تو خدا کو پکارتے ہیں، اس سے دعائیں کرتے ہیں، شکر گزاری کے وعدے کرتے ہیں۔ جب مطلب پورا ہو جاتا ہے، بامراد بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو پھر ناشکری اور شرک کرنے لگتے ہیں اور دوسری چیزوں کو اللہ الوہیت و ربوبیت میں شریک کرتے ہیں۔ دیوتاؤں کو اللہ کے ساتھ ملا کر حصہ دار بناتے ہیں۔ ان آیات میں انہیں حصہ داروں اور دیوتاؤں کے اوصاف کا بیان ہے کہ کم بخت اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہیں بھی تو ایسے شریکوں کو کہ وہ خود کچھ نہیں پیدا کر سکتے بلکہ دوسروں کے ہاتھوں کے بنے ہوئے ہیں یعنی اپنی خلقت میں دوسروں کے محتاج ہیں پھر خود خالق کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی کی مدد نہیں کر سکتے کتنا ہی ان کی عبادت کرو۔ اللہ کا حصہ دار بھی بناؤ، مگر مصیبت پڑے پر کسی کی مدد نہیں کر سکتے اور دوسروں کی کیا مدد کر سکتے ہیں خود اپنی ذات پر کچھ دکھ آئے تو اس کو دفع نہیں کر سکتے۔ گویا وہ تو اپنی پیدائش میں بھی دوسروں کے محتاج ہیں اور پیدائش کے بعد دفع ضرر میں بھی غیروں کے ضرورت مند ہیں۔

معاذ بن جبل رضؓ اور معاذ بن عمرو بن جموح کا قصہ مشہور ہے کہ یہ دونوں سعادت مند صحابی مشرکوں کے بت توڑ کر تلف کر ڈالتے اور بتوں کے نام کی لکڑیاں نکال کر غریب بیوہ عورتوں کو لے جا کر دے دیتے تھے۔ معاذ بن عمرو کا باپ حالتِ کفر میں اپنی قوم کا سردار تھا اور اس نے ایک بت بنا رکھا تھا جس کو روز غسل دیتا، خوشبو لگاتا اور آراستہ کرتا تھا، لیکن مذکورہ بالا دونوں جوان رات کو آکر اس بت کو اوندھا کر کے نجاست میں آلودہ کر دیتے تھے۔ صبح کو پھر وہ شخص آکر نہلا دھلا کر بنا سنوار کر رکھ دیتا تھا۔ ایک روز اس نے بت کے پاس تلوار رکھ دی اور کہہ دیا کہ اگر تجھ کو کوئی آکر ستائے تو اس تلوار سے قتل کر ڈالنا۔ ان دونوں نوجوانوں نے رات کو جا کر بت کے پاؤں میں رسی باندھی اور پھر اس کو ایک مردار کتے کے ساتھ رسی میں باندھا اور اوندھے کنویں میں لٹکا دیا صبح کو عمرو بن جموح نے اٹھ کر بت کو اس حالت میں دیکھا تو سمجھا کہ میں باطل دین اور غلط اعتقاد پر ہوں۔ اسی وقت بت پرستی چھوڑ کر مسلمان ہو گیا اور جنگِ احد میں شہید ہوا۔

کافروں کے دیوتاؤں کی دو طرح مجبوری ظاہر کرنے کے بعد تیسری مجبوری اور ظاہر فرماتا ہے کہ اگر اُن کو سیدھے راستے کی طرف بلایا جائے تو وہ آ نہیں سکتے، اُن میں قدرت ہی نہیں کہ آسکیں خواہ ان کو کتنا ہی پکارو یا نہ پکارو۔ بہرحال وہ سنتے ہی نہیں تو پھر راہ پر کس طرح آ سکتے ہیں اور جب خود راہ پر نہیں آ سکتے تو دوسروں کو کس طرح راہ بتا سکتے ہیں۔ غرض تینوں اعتبار سے مجبور ہیں۔ خلقت دفع ضرر اور راہنمائی تینوں باتوں میں وہ دوسروں کے محتاج ہیں پھر ان کی پرستش اور اللہ کے ساتھ شریک کرنا کسی طرح جائز نہیں۔

کفار کا عقیدہ تھا کہ جن مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں یہ مورتیاں بڑے بڑے عظیم الشان آدمیوں کی ہیں۔ بعض لوگ ملائکہ اور شیاطین کی پرستش کرتے تھے۔ ان کی تردید میں فرماتا ہے کہ تمہارے دیوتا کوئی بھی ہوں تمہارے عقیدے کے موافق وہ تمہاری طرح اللہ کے محتاج ہیں۔ ان کو اپنے نفع و ضرر کا کوئی اختیار نہیں پھر تمہاری مدد کس طرح کر سکتے ہیں؟ اچھا ان کو پکار کر دیکھو وہ کسی طرح تم کو جواب بھی نہ دے سکیں گے۔ مدد کرنا تو بجائے خود

toobaafoundation.com

رہا کم از کم اتنا ہی دیکھ لو کہ قدرت و اختیار اور تصرف و طاقت تو بڑی چیز ہے۔ اُن میں انسانوں کی طرح اعضاء بھی نہیں نہ چلنے کے لئے پاؤں ہیں نہ پکڑنے کے لئے ہاتھ نہ دیکھنے کے لئے آنکھیں نہ سُننے کے لئے کان اور تمہارے پاس یہ سب چیزیں ہیں۔ پھر تم باوجود ہاتھ پاؤں اور آنکھ کان رکھنے کے اپنے سے کمزور ترین بے جان چیزوں کی پرستش کیوں کرتے ہو اور کیوں ان کو خدا کا حصہ قرار دیتے ہو۔

مقصود بیان کفار کی شرک پرستی کی مدلل تردید اور اس بات کی طرف ایماء کہ معبود کو قادر، خالق، صاحب اختیار اور مالک بصیرت ہونا چاہیئے۔ انسان کی بیوقوفی اور کوتاہ بینی پر نص کہ اپنے سے ادنیٰ اور عاجز ترین مخلوق کی پرستش کرتا ہے۔ وغیرہ۔

قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنظِرُونِ ○ إِنَّ وَلِيِّيَ اللَّهُ الَّذِي

(اے محمدؐ) کہہ دو کہ اپنے (تجویز کردہ) شرکاء کو بُلالو پھر مجھ پر داؤ کرو اور مجھے مُہلت نہ دو میرا حمایتی وہی اللہ ہے جس نے

نَزَّلَ الْكِتَابَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ○ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا

کتاب اُتاری اور وہی نیکوکاروں کی حمایت کرتا ہے اور اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ

يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ وَلَا أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ○ وَإِن تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ

نہ تمہاری مدد کرنے پر قادر ہیں اور نہ اپنی مدد کر سکتے ہیں اگر تم اُن کو ہدایت کی طرف بُلاؤ

لَا يَسْمَعُوا ۖ وَتَرَاهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ○

تو وہ کچھ نہ سُنیں تم اُن کو خیال کرتے ہو کہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ اُن کو سوجھتا نہیں

تفسیر آیات مذکورہ میں جب کافروں کے دیوتاؤں کی مذمت کی گئی اور رسول پاکؐ نے بتوں کو اور کفار کے معبودوں کو علی الاعلان برا کہا تو قریش کے بعض آدمی کہنے لگے "محمدؐ! تم ان کو برا نہ کہو۔ ہم کو اندیشہ ہے کہیں ہمارے دیوتا تم کو دکھ نہ پہنچا دیں" حضرت ہودؑ کی قوم نے بھی ایسا ہی کہا تھا إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ۔ خدا تعالیٰ یہاں جواب تعلیم فرماتا ہے اور نبی کو تعلیم دیتا ہے کہ تم ان کافروں سے کہہ دو کہ جس قدر تمہارے دیوتا معبود ہیں جن کو تم اللہ کا شریک سمجھتے ہو سب کو بُلالو اور میرے ضرر پر آمادہ کرو پھر تم اور تمہارے دیوتا سب مل کر میرے ضرر پہنچانے کی تدبیریں کرو اور مجھے بالکل بچاؤ کا موقعہ اور مہلت نہ دو۔ دیکھو کوئی میرا کیا بگاڑ سکتا ہے جو کچھ ہونے والا ہے ہو کر رہے گا۔ بغیر مشیت کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اللہ میرا حافظ و ناصر ہے بلکہ تمام نیک لوگوں کا وہی کارساز و مددگار ہے۔ میں تو پھر رسول ہوں وہ میری مدد کیوں نہیں کرے گا۔ رہے تمہارے دیوتا تو وہ بیچارے مجبور محض ہیں نہ اُن میں دفع ضرر کی طاقت کہ تمہاری مدد کر سکیں یا اپنے اوپر ہی سے دُکھ دور کر سکیں۔ نہ اُن کے پاس کان اور آنکھیں کہ سُن اور دیکھ سکیں۔ اُن کو کتنا ہی پکارو اور سیدھا راستہ دکھاؤ مگر اُن کے پاس کان ہی نہیں کہ سُنیں بظاہر آنکھیں دکھائی دیتی ہیں یعنی آنکھوں کی تصویر کافروں نے مورتیوں میں بنا دی ہے مگر اُن میں نور نہیں پھر دکھائی کس طرح دے۔ غرض یہ کہ جب وہ اپنا دُکھ دور نہیں کر سکتے، دوسروں کی مدد نہیں کر سکتے، کسی کے کام نہیں آ سکتے، کچھ سُن نہیں سکتے، کچھ دیکھ نہیں سکتے تو پھر مجھے ضرر کیسے پہنچا سکتے ہیں۔ باوجودیکہ میرا حافظ و ناصر خدا ہے یعنی ایک تو اُن میں ضرر رسانی کی طاقت نہیں دوسرے خدا میرا مددگار پھر مجھے کیا اندیشہ۔

تحقیق اجزاء يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ میں ابن عباسؓ نے فرمایا کہ صالحین وہ لوگ ہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور اُس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنی اولاد کے لئے کچھ اندوختہ نہیں کیا تھا۔ لوگوں نے اس کو مصلحت بینی کے خلاف سمجھا۔ آپ نے فرمایا میری اولاد صالح ہوگی یا غیر صالح۔ اگر صالح ہوگی تو اللہ اس کا ولی اور کارساز ہے پھر اس کو میرے مال کی کیا حاجت اور اگر غیر صالح ہوگی

toobaafoundation.com

تو میرا اس سے کیا تعلق اُس کے اہتمام میں میرا مشغول ہونا بیکار ہے۔

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ سے لَا يُبْصِرُوْنَ تک۔ ابن کثیر وغیرہ مفسرین کے نزدیک بتوں کی حالت کے بیان میں ہے اور کلام پاک کی رفتارِ عبارت بھی اسی پر دلالت کر رہی ہے۔ اوپر سے برابر بتوں کی حالت کا بیان چلا آرہا ہے لیکن سدی اور مجاہد کا قول ہے کہ ان دونوں آیتوں میں مشرکوں کی حالت کو بیان کیا گیا ہے۔ اس تقدیر پر یہ مطلب ہوگا کہ مشرکوں کو کتنا ہی ہدایت کی طرف بلاؤ مگر وہ ایک نہ سنیں گے۔ اُن کے پاس گوشِ حق نیوش ہی نہیں ہیں۔ نہ اُن کے پاس آنکھیں ہیں کہ دیکھ سکیں۔ اگرچہ بظاہر ان کی آنکھیں دکھائی دیتی ہیں اور تم کو ایسا معلوم بھی ہوتا ہے کہ وہ دیکھ رہے ہیں مگر اُن کے پاس چشم حقیقت بیں نہیں ہیں کہ وہ حقانیت و صداقت کو دیکھ سکیں اور جب باطن بیں آنکھیں نہیں تو ظاہر بیں آنکھوں کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

مقصودِ بیان

آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ مومنِ کامل کو کسی شیطانی طاقت سے ڈرنا نہ چاہیئے۔ صالح بندوں کو کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا اور اسی کو اپنا کارساز حقیقی یقین رکھنا لازم ہے۔ سوائے خدا کے کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ نہ اپنے دکھ اور ضرر کو دور کر سکتا ہے۔ خاص ایماء اور ضمنی تنبیہ اس امر پر بھی ہے کہ گوشِ حق نیوش اور چشمِ حقیقت نگر کی ضرورت ہے۔ مادی کان اور آنکھیں وجہ امتیاز نہیں۔ ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ اسی کی طرف حضور اقدسؐ نے اشارہ فرمایا من رانی فقد رای الحق۔ دوسری جگہ فطوبیٰ لمن رانی ولمن رای من رانی یعنی جس نے مجھے چشمِ بصیرت اور عینِ حقیقت نگر سے دیکھا اُس نے حق و صداقت اور جلوۂ الٰہی کو دیکھ لیا۔ خوشخبری اور بشارت ہو اس شخص کو جس نے مجھے چشمِ باطن سے دیکھ لیا۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ

(اے محمد) عفو کو اختیار کرو اور نیک کام کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کرو اگر تم کو کبھی شیطان کی چھیڑ چھاڑ

مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

اُبھار دے تو اللہ کی پناہ مانگو بلاشبہ وہی سُنتا جانتا ہے

تفسیر

اس آیت کی تفسیر میں اسلاف کا اختلاف ہے بروایت علی بن طلحہ ابن عباسؓ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ عفو سے مراد وہ مال ہے جو لوگ لاکر رسول اللہ کو دے دیں۔

سدی کہتے ہیں کہ یہ حکم سورۂ براءۃ کے نازل ہونے سے پہلے تھا جس وقت تک کہ فرائض و صدقات کی تفصیل نازل نہ ہوئی تھی۔ ضحاک و سعید بن جبیر کی روایت بھی علی بن طلحہ کی روایت کے ہم معنی ہے لیکن عروہ بن زبیر، عبداللہ بن زبیر، ابن عمر، ام المومنین عائشہؓ، عبدالرحمٰن بن زید وغیرہ اہل تحقیق کے نزدیک عفو سے مراد عدم تشدد و چشم پوشی، درگزر اور مسامحت ہے۔ ابن جریر نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ ابن کثیر اور شیخ جلالین کا بھی یہی مختار ہے۔ احادیث و آثار سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ ابن ابی حاتم کی مرسل روایت میں ہے کہ جب یہ آیت اُتری تو حضورؐ نے جبرئیل سے اس کے معنی دریافت کئے۔ جبرئیلؑ نے جواب دیا اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ جو آپ پر ظلم کرے آپ اس کو معاف کریں جو آپ کو نہ دے آپ اس کو دیں جو آپ سے رشتہ توڑے آپ اُس سے جوڑیں۔ جابر اور قیس بن سعد کی مرفوع روایت جس کو امام احمد اور ترمذی نے بیان کیا ہے اسی کی تائید کرتی ہے۔ بروایت بخاری عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا۔ یہ آیت لوگوں کے اخلاق کے متعلق نازل ہوئی۔ بخاری میں ایک طویل روایت ہے کہ عیینہ بن حصن مدینہ میں آکر اپنے بھتیجے حُر بن قیس کے پاس ٹھہرا۔ حُر نے حضرت عمرؓ سے سفارش کی کہ عیینہ کو کہیں حکومت کے کام پر مقرر کر دیجئے۔ حضرت عمر نے انکار کیا۔ عیینہ نے کھڑے ہو کر کہا اے عمر! آپ نہ تو ہم کو کافی مال دیتے ہیں اور نہ عدل کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں۔ فاروق اعظمؓ کو یہ الفاظ سُن کر غصہ آیا اور قریب تھا کہ عیینہ کو مار بیٹھیں کہ حُر نے عرض کیا۔ امیر المومنین! اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ:۔ خُذِ الْعَفْوَ الخ یہ جاہل ہے۔ حضرت عمرؓ فوراً ٹھہر گئے

toobaafoundation.com

کیونکہ کلام پاک سنتے ہی آپ ٹھہر جاتے تھے۔

سالم بن عبداللہ بن عمر کا گزر اہل شام کے ایک قافلہ کی طرف سے ہوا۔ آپ نے دیکھا کہ اُن کے اونٹوں کی گردنوں میں چھوٹی گھنٹیاں بندھی ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ نے اس حرکت سے اُن کو منع کیا۔ وہ بولے ہم آپ سے زیادہ جانتے ہیں۔ اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے ہاں براجلجل یعنی گھنٹہ ممنوع ہے۔ سالم نے آیت مذکورہ پڑھی اور خاموش ہو رہے (رواہ ابن ابی حاتم) ان آثار سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ عفو سے مراد درگزر اور چشم پوشی ہے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ اے نبی! اگر لوگوں کے برتاؤ سے تمہارے متعلق کچھ بے عنوانی ہو جائے تو اُس کو معاف کر دو تشدد نہ کرو اور نیک کاموں کی تعلیم دو۔ اور اگر اس تعلیم کے بعد بھی کوئی جہالت کرے اور نہ مانے اور بے ہودگی کرنے لگے تو اُس سے کنارہ کشی کر لو لڑنے نہ لگو۔ رحمن میں کارِ شیطان کو دخل نہ دو اور اگر کسی وقت (انتقام کے لئے) دل میں کوئی شیطانی وسوسہ پیدا ہو تو جب یاد آئے اللہ کی پناہ پکڑو اور سنبھل جاؤ۔

تحقیقِ اجزاء

عُرف کے معنی عروہ بن زبیر، سدی، قتادہ اور ابن جریر وغیرہ کے نزدیک معروف کے ہیں اور اس میں جملہ طاعات داخل ہیں۔

جاہلوں سے اعراض کرنے اور کنارہ کشی کرنے سے مراد یہ ہے کہ اخلاقی امور میں لوگوں کی زیادتی برداشت کرو اور انتقام کے درپے نہ ہو۔ یہ مراد نہیں کہ جو اللہ کے حقوقِ واجبہ میں جہالت کرے، اللہ کو بُرا بھلا کہے، فرائضِ الٰہیہ کو ترک کرے اُس سے بھی تعرض نہ کرو اور مطلق العنان چھوڑ دو۔ اس تقدیر پر یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں۔ مجاہد و قتادہ کا یہی قول ہے لیکن عطا اور ابن زید کے نزدیک آیۃ السیف اس آیت کے حکم کی ناسخ ہے۔ بعض کے نزدیک آیت کا اول و آخر حصہ منسوخ ہے درمیانی حصہ محکم ہے۔ سعد بن عبادہؓ فرماتے ہیں کہ جنگِ احد میں منجملہ دیگر شہداء کے حضرت حمزہؓ بھی تھے جن کو کافروں نے مثلہ کر ڈالا تھا۔ حضرت حمزہؓ کی حالت دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا۔ میں ستر آدمیوں کو مثلہ کروں گا۔ اس پر جبرئیلؑ یہ آیت لائے (رواہ ابن مردویہ) اس تقدیر پر شانِ نزول خاص ہوگی مگر حکم بہر حال عمومی ہوگا۔

نَزْغ سے مراد اغوا یا وسوسہ ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ آیت عفو و اعراض نازل ہوئی تو رسول پاکؐ نے دعا کی کہ پروردگار! میں غضب کا کیا علاج کروں؟ اُس پر اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ الآیۃ نازل ہوئی۔ اس صورت میں نَزْغ سے مراد غصہ ہوگا۔

یہاں ایک شبہ ہوتا ہے وہ یہ کہ آیت میں خطاب رسولؐ اللہ کو ہے اور رسولؐ اللہ یقیناً معصوم تھے۔ پھر وسوسہ شیطانی کا اندیشہ اور اُس کو دُور کرنے کے لئے اللہ کی پناہ چاہنا کیا معنی رکھتا ہے؟

اس شبہ کا ازالہ یہ ہے کہ آیت میں خطاب اگرچہ آنحضرتؐ کو ہے مگر مراد افرادِ اُمت ہیں۔ یا یہ حکم اور خطاب بطریقِ فرض ہے۔ یعنی بالفرض اگر شیطان وسوسہ ڈالے تو اللہ سے پناہ مانگنا۔

سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ انبیاء یقیناً معصوم ہوتے ہیں یعنی شیطان کو اُن پر قابو نہیں ہوتا اور وہ گناہ نہیں کرتے اور صرف وسوسہ گناہ نہیں شیطان انبیاء کے دل میں بھی وسوسہ ڈال سکتا ہے اور خطور پیدا کر سکتا ہے مگر انبیاء اس کے پھندے میں پھنستے نہیں ہیں اور شیطان کا وسوسہ اُن کو کج راہ نہیں کر سکتا جس کی تدبیر خدا تعالیٰ نے بتا دی کہ شیطانی وسوسہ کے وقت اللہ کی پناہ مانگا کرو۔ بس شیطانی وسوسہ جاتا رہے گا۔

مقصودِ بیان

مکارمِ اخلاق کی تعلیم، حلم اور درگزر کا حکم، امرِ خیر کی تلقین کی صراحت، جاہلوں اور بیہودہ لوگوں سے پہلوتہی اور کنارہ کشی کرنے کا امر، شیطانی وسوسہ کے وقت اللہ کی پناہ مانگنے کا حکم، آیت سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے بلکہ مصرح ہے کہ اگر نادانوں کی حرکات پر غصہ آئے اور انسان کو مغضوب الغضب ہونے کا اندیشہ ہو تو اعوذ باللہ پڑھے فوراً غصہ جاتا رہے گا۔ اسی مضمون کا ثبوت ایک حدیث سے بھی ہوتا ہے۔ صحاح میں مذکور ہے کہ دو شخص باہم لڑ رہے تھے۔ ایک مغلوب الغضب ہو گیا۔ حضورؐ نے یہ حالت ملاحظہ فرمائی تو ارشاد فرمایا مجھے ایک کلمہ ایسا معلوم ہے کہ اگر یہ شخص وہ الفاظ کہے گا تو اس کا یہ اندرونی احساس و غضب جاتا رہے گا۔ وہ کلمہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ہے۔ ضمنی طور پر آیت سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ شیطان انبیاء کے دل میں بھی وسوسے ڈال سکتا ہے اگرچہ ناکام رہتا ہے۔ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ معمولی آدمیوں کی طرح انبیاء کو خطور ہوتا ہے۔

toobaafoundation.com

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ

جو لوگ پرہیزگار ہیں جب اُن کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آتا ہے تو وہ چونک جاتے ہیں اور ایک دم

مُّبْصِرُوْنَ ۝ وَاِخْوَانُهُمْ یَمُدُّوْنَهُمْ فِی الْغَیِّ ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ ۝

ہوشیار ہو جاتے ہیں اور جو شیطانوں کے بھائی ہیں وہ ان کو گمراہی میں کھینچے لئے جاتے ہیں اور کمی نہیں کرتے

تفسیر اوپر کی آیت میں اُس وسوسہ کا ذکر تھا جو شیطان کی طرف سے انبیاء کی شانِ تقدس کو نقصان پہنچانے کے لئے کیا جاتا تھا۔ اب عام انسانوں کی حالت بیان فرماتا ہے۔ عام انسانوں کے دو گروہ ہیں نیک اور بد۔ مومن اور کافر دونوں کی حالت الگ الگ ظاہر فرماتا ہے حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ جو لوگ شرک اور معصیت سے بچنے والے ہیں جب اُن کے دل میں کوئی شیطانی وسوسہ پیدا ہوتا ہے اور اغوا کی کوئی خیالی تصویر اُن کے دماغ میں آتی ہے اور وہ مغلوب الغضب ہو جاتے ہیں تو فوراً وہ اللہ کو یاد کرنے لگتے ہیں۔ بس جونہی انھوں نے یادِ خدا کی اور وہ ظلماتی تاریک تصویر اُن کی آنکھوں سے دُور ہوئی۔ پردۂ ظلمت اُن کے دماغ سے ہٹ گیا اور ان کو حق نظر آنے لگا۔

لیکن جو شیطانوں کے بھائی ہیں یعنی خبیث کافر ہیں وہ شیطانوں کی باتیں مانتے ہیں، ان کی پیروی کرتے ہیں۔ شیاطین برابر اُن کو گمراہی میں بڑھاتے چلے جاتے ہیں اور گمراہی میں بڑھانے سے کمی نہیں کرتے۔ شیاطین کافروں کا پیچھا نہیں چھوڑتے مرتے دم تک ساتھ لگے رہتے ہیں اور کافر بھی ان کی پیروی میں کمی نہیں کرتے۔

مقصودِ بیان کافر و مومن کی حالت کے فرق کا بیان۔ اس امر کی تلقین کہ اگر کسی مسلمان کو کوئی شیطان کا وسوسہ ہو اور وہ مغلوب الغضب ہو جائے یا کسی گناہ کا ارادہ اُس کے دل میں پیدا ہو جائے تو اس کو فوراً یادِ خدا کرنی چاہیئے تاکہ شیطانی اغوا کا پردہ اس کی روح سے ہٹ جائے اور نورِ حق پھر چمکنے لگے۔ اس بات پر ضمنی تنبیہ کہ جو لوگ شیطان کی پیروی کرتے ہیں وہ شیطان کے بھائی ہیں۔ جو حکم شیطان کا ہے وہی ان کا ہے۔ نہ مرتے دم تک شیطان اُن سے الگ ہوگا نہ وہ شیطان سے جدا ہوں گے۔

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰیَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَیْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ

اور جب تم اُن کے پاس کوئی آیت نہیں لاتے تو وہ کہتے ہیں تم نے اس کو بھی کیوں نہ گھڑ لیا (اے نبی) کہہ دو کہ میں صرف اُسی پر چلتا ہوں جو میرے پاس

مِنْ رَّبِّیْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝

میرے رب کی طرف سے وحی ہوتی ہے یہ تمہارے رب کی طرف سے سوجھ کی باتیں اور ایماندار قوم کے لئے ہدایت و رحمت ہے

تفسیر اوپر کی آیت میں بیان تھا کہ شیطان پرست لوگ اپنی سرکشی میں بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ گناہ پر اصرار کرتے رہتے ہیں اور اُن کے مددگار یعنی شیاطین اُن کو تباہی و سرکشی کی طرف اور بڑھاتے ہیں یہاں تک کہ دونوں میں سے کوئی بھی کوتاہی نہیں کرتا۔ بروایت ابن کثیر انہی کفار میں سے کچھ خبیث کافر ایسے بھی تھے جو رسول سے مقابلے کے لئے تیار ہو جاتے تھے اور اپنی کج بحثی سے طرح طرح کے معجزات طلب کرنے لگتے تھے اور جب اُن کی خواہش کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معجزے نہیں ظاہر فرماتے تو کہتے تم نے اپنی طرف سے بنا کر کیوں کوئی معجزہ ظاہر نہیں کر دیا۔ ایسے بد باطن لوگوں کو جواب دینے کے لئے ان آیات کا نزول ہوا۔

toobaafoundation.com

ابن عباس، قتادہ، سدی اور عبدالرحمٰن بن زید کے نزدیک لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا کا مطلب یہ ہے کہ اگر کافروں کی خواہش کے مطابق آپ معجزہ نہیں دکھاتے تو وہ کہتے ہیں تم اپنی طرف سے بنا کر معجزہ کیوں نہیں نکال لائے۔ ابن جریج نے اسی مطلب کو اختیار کیا ہے لیکن ضحاک نے اس طرح ترجمہ کیا ہے تم خود جا کر اس کو آسمان سے کیوں نہیں لے آئے یعنی اگر وحی نہیں آئی تھی تو خود جا کر لے آئے ہوتے۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔ اُن سے کہہ دو کہ میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو پروردگار کی طرف سے وحی آتی ہے جناب الٰہی میں خود پیش قدمی نہیں کرتا۔ اگر اجازت ہوئی تو مانگتا ہوں ورنہ خود جرأت نہیں کرتا۔ وحی کا منتظر رہتا ہوں اور پھر مزید معجزے کی درخواست کرنے سے حاصل بھی کیا ہے۔ یہ قرآن کیا کم معجزہ ہے۔ جو لوگ ایمان لانے والے ہیں ان کے فلاح کا کل مواد اس میں موجود ہے۔ اس کے اندر بصائر بھی ہیں اور ہدایت بھی اور رحمت بھی۔ یعنی اس میں توحید، نبوت اور معاد کے حال کا بیان ہے۔ گزشتہ انبیاء اور اُن کی قوموں کے واقعات کا اظہار ہے۔ اس لئے لئے قرآن پاک مجسم بصائر ہے۔ عین الیقین کا مرتبہ رکھنے والے توحید و نبوت و معاد کے معارف کا مشاہدہ کرنے والے اس سے بصیرت اندوز ہوتے ہیں اور جو لوگ علم الیقین کے طالب ہیں اُن کے لئے قرآن ہدایت ہے اور عام لوگوں کے لئے رحمت ہے۔ لہٰذا ہر طالب فلاح اس سے فلاح یاب ہو سکتا ہے مزید معجزے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

ضمیمہ اہل ایمان کے تین درجات ہیں:۔ (۱) وہ مومن جو توحید و معرفت کی انتہا کو پہنچ گئے اور اس درجہ پر فائز ہو گئے گویا وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ یہ مرتبہ عین الیقین رکھنے والوں کا ہے۔ ان لوگوں کے لئے قرآن بصائر ہے (۲) وہ مومن جن کا علم توحید محض استدلالی اور نظری ہے کشف و مشاہدہ کو دخل نہیں۔ ان کا مرتبہ اول گروہ کے مرتبہ سے کمزور ہے۔ یہ لوگ علم الیقین والے کہلاتے ہیں ان کے لئے قرآن ہدایت ہے (۳) تیسرا گروہ عام مومنین کا ہے جن کا ایمان بغیر مشاہدہ اور بلا استدلال کے ہے۔ نہ تو انھوں نے درجات توحید کا مشاہدہ کیا نہ قوت نظر و استدلال سے علم توحید حاصل کیا بلکہ یونہی مان لیا۔ ایسے لوگوں کے لئے قرآن رحمت ہے۔

اس تقریر پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر قرآن عین الیقین رکھنے والوں کے لئے بصائر ہوگا تو مشرکوں اور کافروں کے لئے بصائر نہ ہوگا کیونکہ کفار عین الیقین نہیں رکھتے۔ پھر کفار پر حجت قائم نہ ہوگی حالانکہ اصل مقصود یہی ہے۔ اس لئے ابوسعود نے جو تفسیر بیان کی ہے وہی صحیح ہے۔ یعنی قرآن کا بصائر ہونا تو تمام لوگوں کے لئے ہے خواہ کافر ہوں یا مومن اور مومن بھی کسی درجے کے ہوں۔ باقی ہدایت و رحمت فقط اہل ایمان کے لئے ہے اسی لئے بصائر کے بعد مِنْ رَّبِّكُمْ عمومی خطاب کا صیغہ استعمال کیا جس میں کافر اور مومن سب داخل ہیں اور هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ کا لفظ ذکر کیا۔ واللہ اعلم۔

مقصودِ بیان اس بات کا اظہار کہ فرمائشی معجزات انبیاء کو پیش کرنے کا حق نہیں ہے۔ بغیر حکم الٰہی کے انبیاء کسی چیز کی طلب بھی نہیں کرتے۔ قرآن میں عقلاء کے ہر گروہ کے فلاح کا مواد موجود ہے۔ دانشمندوں اور فلاسفروں کے لئے اسباب بصیرت و دانش بھی اس میں موجود ہیں اور متوسط عقل والوں کے لئے اسباب ہدایت بھی اور عام لوگوں کے لئے ذریعۂ نجات و رحمت بھی۔ خلاصہ یہ کہ ہر فرقہ اپنی عقل کے مطابق اس سے فیضیاب ہو سکتا ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُس کو کان لگا کر سُنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے

تفسیر اس آیت میں دو احتمال ہیں۔ ایک قول یہ کہ پہلی آیتوں سے مربوط ہے۔ دوسرے یہ کہ کلام جدید ہے پہلے کلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ مربوط ہونے کی یہ صورت ہوگی کہ جب اوپر کی آیت میں فرما دیا کہ قرآن بصائر و ہدایت اور رحمت ہے تو اس کی تعظیم و احترام، تعمیل احکام متوجہ ہو کر سُننا اور خاموش رہنا واجب ہو گیا۔ لہٰذا حکم دے دیا کہ جس وقت قرآن پڑھا جائے تو غور کر کے سُنو تعمیل احکام کرو اور چپ رہو یعنی

toobaafoundation.com

کفار کے اس قول پر کوئی توجہ نہ کرو جس میں وہ قرآن کے سننے کو منع کرتے ہیں اور تلاوتِ قرآن کے وقت گڑبڑ مچانے کا مشورہ دیتے ہیں۔ اگر ایسا کرو گے تو قرآن کے اندر جو حکمتیں اور خوبیاں بھری ہیں اُن سے تم کو نصیحت حاصل ہوگی۔ اور تم پر خدا تعالیٰ رحمت نازل فرمائے گا۔

اگر آیت مذکورہ کو کلامِ جدید کہا جائے گا تو سببِ نزول بیان کرنا لازم ہے۔ سببِ نزول میں اختلاف ہے:۔

(۱) نماز میں لوگ باتیں کیا کرتے تھے اس کی ممانعت کے لئے یہ حکم نازل ہوا۔

(۲) نماز میں بعض لوگ امام کے پیچھے قرآن پڑھا کرتے تھے اُس کی ممانعت کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

(۳) عیدین و جمعہ کا خطبہ سننے کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

(۴) ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک پڑھ رہے تھے۔ ایک انصاری نوجوان بھی حاضر تھا۔ جب حضورؐ کوئی آیت پڑھتے تو وہ بھی پڑھتا جاتا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی (رواہ ابن جریر عن الزہری واسنادہٗ جید) پہلا قول قتادہ کا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی اسی مضمون کی حدیث منقول ہے لیکن ابو ہریرہؓ نے کسی دوسرے سے سُن کر یہ سببِ نزول بیان کیا ورنہ حضرت ابو ہریرہؓ کا ایمان لانا بعد ہجرت کے زمانہ خیبر وارد ہے۔ پھر کس طرح کی آیت کا سببِ نزول بیان کر سکتے تھے۔

ابن مسعودؓ کی روایت میں باتیں کرنے کا تذکرہ نہیں بلکہ سلام کرنے کا ہے یعنی لوگ نماز میں ایک دوسرے کو سلام کیا کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی (رواہ ابن جریر) دوسرے قول کی تائید حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث سے ہوتی ہے۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں جہر سے قرأت کی تھی۔ سلام پھیر کر فرمایا کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ کچھ پڑھا تھا؟ ایک شخص نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! میں نے۔ فرمایا میں کہتا ہوں کہ قرآن میں میرے ساتھ کیوں گڑبڑ کی جاتی ہے؟ اس کے بعد جب حضورؐ جہر سے قرأت کرتے تو لوگ پڑھنے سے باز رہتے (رواہ احمد و اہل السنن و قال الترمذی حدیث حسن و صححہ ابو حاتم الرازی)

اسی مضمون کی روایات ابن مسعودؓ، عمران بن حصین اور جابر بن عبد اللہ سے بھی منقول ہیں۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت سے مسلم نے بیان کیا ہے کہ حضور اقدسؐ نے فرمایا انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبّر فکبروا واذا قرأ فانصتوا۔ یعنی امام کو اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ پس جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ زہری و نخعی وغیرہ علماء کا بھی یہی قول ہے۔ تیسرا قول ابن عباسؓ کا ہے۔ سعید بن جبیر، عطاء اور مجاہد سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن کثیر نے بھی اسی کو ارجح قرار دیا ہے مگر واقع میں یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ آیت مکی ہے اور خطبہ کی مشروعیت مدینہ میں آکر ہوئی۔ پھر سببِ مقدم کو مؤخر حکم کی علت نہیں قرار دیا جا سکتا۔ آخری قول عام احناف کا ہے۔ علمائے حنفیہ کا مسلک ہے کہ نماز کے اندر امام بالجہر قرأت کرے یا نماز سے باہر کوئی قرآن تلاوت کرے۔ بہر حال اس کا سننا واجب ہے اور چُپ رہنا ضروری ہے۔

مسئلہ مستنبطہ اسی بنا پر احناف کے نزدیک جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا ناجائز ہے۔ جابر بن عبد اللہ کی روایت ہے کہ جو شخص نماز میں الحمد نہ پڑھے گا اُس کی نماز نہ ہوگی مگر جب کہ امام کے پیچھے ہو (رواہ الترمذی وقال حسن صحیح۔ احمد اور مالک نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ طحاوی نے اس کو مرفوعاً بیان کیا ہے۔ اسی مضمون کی اور بہت سی احادیث امام محمد اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے روایت کی ہیں۔ صحابہ میں سے ابن مسعودؓ جابر بن عبد اللہؓ ابن عمرؓ وغیرہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ جہری نماز میں امام کے پیچھے الحمد نہ پڑھی جائے لیکن شافعیؒ اور بعض محدثین آیت اور احادیث مذکورہ کو مخصوص کر کے امام کے پیچھے صرف الحمد پڑھنے کی تاکید کرتے ہیں لیکن اس طرح کہ جب امام سکتہ کرے تو اس وقت مقتدی الحمد پڑھے۔ ترمذی میں ہے کہ واختار اصحاب الحدیث ان لا یقرأ الرجل اذا جہر الامام بالقراءۃ وقالوا یتتبع سکتات الامام۔ ان لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے: من صلّٰی صلوٰۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج غیر تمام۔ یعنی جس نے نماز میں الحمد نہ پڑھی اس کی نماز ناقص ناتمام ہوئی لیکن سرگروہ محدثین امام احمد نے اس حدیث کو حالت انفراد پر محمول کیا ہے۔ یعنی الحمد کا پڑھنا اُس شخص کے لئے ضروری ہے جو بغیر جماعت کے تنہا نماز

toobaafoundation.com

پڑھ رہا ہو اور اگر امام کے پیچھے ہو تو الحمد نہ پڑھنی چاہیئے

ترمذی میں ہے :۔ اما امام احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ واحتج بحدیث جابر بن عبد اللہ حیث قال من صلّٰی رکعۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام۔ واللہ اعلم عند اللہ۔

مقصودِ بیان قرآن کی تعظیم و احترام کا حکم۔ تلاوتِ کلام مجید کے وقت چپ رہنے اور کان لگا کر سننے کا وجوب، فرمانِ الٰہی کو سننے میں غرق ہو جانے کی تعلیم وغیرہ

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ

اور اللہ کو اپنے دل میں صبح و شام عاجزی سے اور آہستہ آواز سے نہ بلند آواز سے

بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝

یاد کرو اور غافل نہ ہو

تفسیر اوپر کی آیات میں تلاوتِ قرآن کے وقت بگوشِ دل سننے کا حکم دیا تھا جو یادِ الٰہی کی ایک خاص شکل اور تعمیلِ حکم کی ایک خاص صورت تھی۔ اب عمومی یاد کا حکم دیا جاتا ہے۔

ذکر عام ہے خواہ دل سے ہو یا زبان سے یا اعضائے جسمانی سے خواہ قرآن مجید کے پڑھنے سے ہو خواہ نماز میں خواہ دعا میں خواہ اللہ کے ننانوے ناموں کی شکل میں۔ یہ تمام ذکرِ الٰہی کی صورتیں ہیں اور ہر شخص کی حالت کے مناسب ذکر کی مختلف شکلیں ہیں۔

ذکر کے ساتھ یہاں چند قیود کو بیان کیا۔ اول تو یہ کہ دل میں یادِ الٰہی ہو۔ یعنی جو الفاظ زبان سے نکلیں اُن کے معانی سے واقف بھی ہو۔ دل سے خدا کی طرف متوجہ ہو، صرف زبانی روانی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ عجز و نیاز اور فروتنی کے ساتھ یادِ الٰہی ہو۔ اللہ کے جلال سے ڈرتا بھی ہو اور اس کے انعام کی امید بھی رکھتا ہو۔ تیسرے یہ کہ خوف کی حالت میں ہو یعنی کبھی اپنی عبادت کے ناقص ہونے کا اندیشہ لگا ہو۔ کبھی اللہ کی بے نیازی کا، کبھی عذابِ خداوندی کا، کبھی اپنی کمزوری اور شیطانی اغوا کا۔ چوتھے یہ کہ چلّا کر نہ ہو۔ یعنی نہ تو اللہ کی یاد کے وقت گدھوں کی طرح چلّائے کہ تخیل کی یکسوئی اور طمانیتِ روح غائب ہو جائے اور دل توجہ الی اللہ سے ہٹ جائے اور نہ اس قدر پست آواز سے لبوں ہی لبوں میں یادِ الٰہی کرے کہ خود بھی نہ سن سکے۔ بلکہ درمیانی طور پر ہو۔ حدیث سے بھی یہی ثابت ہے۔ چیخ چیخ کر تکبیر و تہلیل کرنے سے حضورؐ نے صحابہ کو منع فرمایا تھا اور ارشاد فرمایا تھا کہ تم کسی بہرے اور غائب خدا کو نہیں پکار رہے ہو (پھر اس قدر چلّانے کی کیا ضرورت) درمیانی آواز سے یادِ الٰہی کرنے سے خیالات کی یکسوئی باقی رہتی ہے۔ روح اور دل یادِ الٰہی میں لگے رہتے ہیں۔ پانچویں یہ کہ صبح و شام یعنی طلوعِ فجر سے طلوعِ آفتاب تک اور عصر کے بعد سے مغرب تک یادِ الٰہی کرو۔ چونکہ یہ دونوں وقت شب و روز کے تبادلے کے وقت ہیں اور لیل و نہار کے انقلاب سے انسان کی جسمانی و روحانی حالت میں بھی خاص انقلاب پیدا ہوتا ہے لہٰذا اس وقت ذکرِ الٰہی زیادہ ضروری ہے۔ فرشتوں کی توجہ بھی خاص طور پر اس وقت بندوں کی طرف ہوتی ہے اور نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتوں کا بھی ان اوقات میں تبادلہ ہوتا ہے۔

بعض مفسرین نے اس سے فجر، عصر اور مغرب کی نمازیں مراد لی ہیں۔ حاصل یہ کہ یادِ الٰہی فقط صبح و شام یا مخصوص اوقات میں ہی نہ ہو بلکہ ہر وقت ہو۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے اللہ کی طرف سے توجہ نہ ہٹنی چاہیئے۔ ہر کام خواہ دنیوی ہو یا دینی اُس کا اصل مقصد رضائے الٰہی کو سمجھنا چاہیئے۔ ایک دم یادِ مولا سے غفلت نہ کرنی چاہیئے۔ یہ خطاب اگرچہ بظاہر رسولِ پاکؐ کو ہو مگر تعلیم افرادِ اُمت مقصود ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

toobaafoundation.com

سے غفلت کا صدور ہوتا ناممکن تھا۔

مقصود بیان ذکرِ قلبی کا حکم۔ یادِ الٰہی کے وقت چلانے پکارنے کی ضمنی ممانعت، یادِ الٰہی کے وقت عاجزی و فروتنی کرنے کی تعلیم اور خائف رہنے کی شرط یا چپکے چپکے یاد کرنے کا امر۔

اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ یُسَبِّحُوْنَهٗ وَ لَهٗ یَسْجُدُوْنَ ﴿السجدۃ﴾

بیشک وہ (فرشتے) جو تیرے رب کے پاس ہیں وہ اللہ کی عبادت سے سرکشی نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں

تفسیر کفار کہ اللہ کو سجدہ کرنے سے سرکشی کرتے تھے اور کہتے تھے جس کو محمد سجدہ کرتا ہے کیا ہم بھی اسی کو سجدہ کرنے لگیں۔ اس پر یہ آیت اتری۔ چونکہ اوپر کی آیت میں حکم دیا تھا کہ ہر وقت یادِ الٰہی کرنی چاہیئے۔ کسی وقت اس کی طرف سے توجہ نہ ہٹانی چاہیئے۔ اس لئے اب فرماتا ہے کہ یہ حکم تمہارے ہی لئے فقط نہیں ہے بلکہ ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں کا بھی یہی حال ہے۔ وہ بھی اللہ کی عبادت سے سرکشی نہیں کرسکتے بلکہ اعضائے جسمانی اور دل سے اُس کی یاد کرتے ہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں۔

تفسیر سراج میں ہے کہ اعمال دو طرح کے ہوتے ہیں۔ دل سے تعلق رکھنے والے اور دیگر اعضائے جسم سے تعلق رکھنے والے۔ قلبی اعمال تو یہ ہیں کہ اللہ کو ہر عیب و برائی سے پاک سمجھے۔ اس کی طرف اشارہ لفظ یُسَبِّحُوْنَ سے کر دیا اور اعضاء کے اعمال میں سب سے بڑھ کر سجدہ ہے اس کو وَ لَهٗ یَسْجُدُوْنَ میں بیان کر دیا۔ حاصل یہ نکلا کہ مسلمانوں کو اپنے عقائد پاک رکھنے چاہئیں اور اللہ کی عبادت کرنی چاہیئے تاکہ ملائکہ کے ساتھ مشابہت و موافقت ہو جائے۔

مقصود بیان صبح و شام کے وقت خصوصیت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنے کی ہدایت، اس امر کی تصریح کہ کسی وقت یادِ الٰہی سے غافل نہ رہنا چاہیئے۔ اگر زبانی یاد ممکن نہ ہو تو دل کو کم از کم اسی کی طرف لگائے رکھنا چاہیئے۔ اس بات کی وضاحت کہ آدمی تو کیا چیز ہیں فرشتے بھی ہر وقت اللہ سے لو لگائے اور اس کی عبادت میں غرق رہتے ہیں۔ اتنی پاک اور مقدس مخلوق بھی اللہ سے سرکشی نہیں کرسکتی۔ پھر گندے بندے کی کیا مجال کہ اللہ کے سامنے عاجزی کرنے کو باعثِ عار سمجھے۔ وغیرہ

تنبیہ خاص قرآن پاک میں یہ پہلا سجدہ ہے۔ اس کو پڑھنے یا سننے کے وقت سجدہ کرنا واجب ہے۔ احادیث و آثار میں سجدۂ تلاوت کی بہت تاکید آئی ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نماز کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کی سورت پڑھتے اور سجدہ کرتے اور ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے یہاں تک کہ ہم میں سے بعض آدمیوں کو پیشانی رکھنے کو جگہ نہیں ملتی تھی۔ وفی الباب احادیث۔

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِیَّةٌ وَّهِیَ خَمْسٌ وَّ سَبْعُوْنَ اٰیَةً وَّ عَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ انفال مدینہ میں نازل ہوئی اس میں پچھتر آیتیں ہیں اور دس رکوع ہیں

حسن بصری، عکرمہ، جابر بن زید، عطاء، عبداللہ بن زبیر اور زید بن ثابت وغیرہ کے قول کے مطابق یہ سورت مدنی ہے۔ کل مدینہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس نے اس کا نام سورۂ بدر بھی بتایا ہے۔ ابن عباس کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ سورت علاوہ سات آیتوں کے مدنی ہے سات آیتیں مکی ہیں یعنی وَ اِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سے آخر رکوع تک مکی ہیں باقی مدنی۔

اس سورت میں ۷۵ یا ۷۶ یا ۷۷ آیات۔ ۱۷۵ کلمات اور ۵۰۸۰ حروف ہیں۔

نماز مغرب میں کبھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پڑھتے تھے (رواہ الطبری)

toobaafoundation.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

(اے نبی) تم سے مالِ غنیمت کا حکم پوچھتے ہیں کہہ دو کہ اموالِ غنیمت اللہ اور رسول کے ہیں پس اللہ سے ڈرو

وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۖ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

اور اپنے آپس میں صلح رکھو اور اللہ کا اور اُس کے رسول کا کہنا مانو اگر تم ایماندار ہو

تفسیر حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب بدر میں گئے۔ کافروں اور مسلمانوں کے لشکر کا مقابلہ ہوا۔ کافروں کو اللہ نے شکستِ فاش دی۔ مسلمانوں کے تین گروہ ہوگئے۔ ایک گروہ نے کافروں کا تعاقب کیا اور ان کو قتل و قید کرنا شروع کردیا۔ دوسرا گروہ مالِ غنیمت جمع کرنے لگا۔ تیسرا گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرداگرد حلقہ کیے رہا تاکہ کوئی دشمن مکر سے حضورؐ کو ضرر نہ پہنچا سکے۔ جب رات ہوئی اور سب لوگ جمع ہوئے تو مالِ غنیمت کے استحقاق میں باہم اختلاف ہوگیا۔ جنھوں نے مالِ غنیمت جمع کیا تھا انھوں نے کہا اس میں کسی اور کا حق نہیں ہے ہم نے جمع کیا ہے۔ دشمن کا تعاقب کرنے والوں نے کہا ہم تم سے زیادہ حقدار ہیں ہم نے دشمن کو شکست دی اور بھگایا۔ تیسرے گروہ نے کہا ہم نے دشمن کے فریب کے اندیشے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حلقہ میں لے لیا اور حضورؐ کی حفاظت کی ہم حقدار ہیں۔ اُس وقت ان آیات کا نزول ہوا اور حضورؐ نے مالِ غنیمت سب مسلمانوں کو تقسیم کردیا (رواہ احمد والترمذی وحسنہ وابن ماجہ وابن حبان والحاکم)۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ بدر کے دن میرا بھائی عمیر شہید ہوگیا اس کے عوض میں نے سعید بن عاص کو قتل کردیا اور اُس کی تلوار جس کا نام ذوالکنیفہ تھا لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ یہ تلوار مجھے دیدیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا جاؤ اس کو مالِ غنیمت میں رکھ دو۔ میں بہت مغموم ہوا اُس پر آیت انفال نازل ہوئی۔ حضورؐ نے فرمایا اب وہ تلوار لے لو میں تم کو دیتا ہوں۔ (رواہ احمد وابوداؤد والنسائی والترمذی وقال حسن صحیح) اس کے بعد فرمایا مالِ غنیمت کے پانچ حصے ہوں، چار حصے مجاہدین کو تقسیم ہوں جس میں مقاتل اور معین سب برابر کے شریک ہوں اگرچہ قتال میں شریک نہ ہوئے ہوں دوسری خدمت پر مامور ہوں اور پانچواں حصہ بیت المال میں محفوظ رہے وہ اپنے موقع پر خرچ کیا جائے۔

مسئلہ خاص حصۂ غنیمت اور انعامِ موعود سے زیادہ اگر امام کسی کو دینا چاہے تو وہ بھی اسی پانچویں حصہ میں سے دیا جائے گا۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ یہ مسلمان آپ سے مالِ غنیمت اور اس کی تقسیم کا حکم دریافت کرتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ مالِ غنیمت کا اختیار اللہ اور اس کے رسول کو ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں تقسیم کریں۔ تم اگر کامل ایمان رکھتے ہو تو آپس کے جھگڑوں کو دور کردو۔ ایک دوسرے سے سلوک رکھو۔ مالِ غنیمت میں جھگڑا نہ کرو۔ ہر بات میں اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔

ہدایت خاص قطع خصومت اور باہم سلوک رکھنے کا حکم احادیث میں بڑی تاکید کے ساتھ آیا ہے۔ باہم ریس مت کرو بغض مت رکھو، حسد مت کرو۔ سب اللہ کے بندے بھائی بھائی بنے رہو۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے جس نے موقع کے مناسب باتوں سے دو مسلمانوں میں صلح کرادی وہ جھوٹ نہیں بولا۔

مقصودِ بیان حرصِ مال کی ضمنی ممانعت، آپس کا اختلاف دور کرنے اور ایک دوسرے سے سلوک رکھنے کی ہدایت، اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہر حکم کو ماننے کی تعلیم، اس طرف در پردہ اشارہ کہ مسلمانوں کو باہم مل جل کر بغیر بغض و عداوت

toobaafoundation.com

کے رہنا چاہیئے کوئی کسی سے دشمنی نہ رکھے۔ ہر مسلمان دوسرے کا دوست بنا رہے۔ وغیرہ

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ

مومن بس وہی لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اُس کی آیتیں اُن کے سامنے

آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ

پڑھی جاتی ہیں تو اُن کا یقین بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں (اور) وہ ٹھیک ٹھیک نماز

الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا

پڑھتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں سے کچھ راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں یہی لوگ سچے مومن ہیں

لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝

اُن کے لئے اُن کے رب کے ہاں بڑے مرتبے اور مغفرت اور باعزت روزی ہے

تفسیر اوپر کی آیت میں اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کا حکم بالاجمال دیا تھا۔ اب مومنین کاملین کے خصوصی اوصاف بیان فرماتا ہے۔ ان میں بعض کا تعلق قوتِ نظریہ سے ہے، بعض کا تعلق قوتِ عملیہ سے۔ قوتِ عملیہ سے تعلق رکھنے والے اوصاف بھی دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق صرف اپنے جسم اور اپنے فائدے سے ہے۔ دوسرے وہ جس کا تعلق دوسروں سے اور عام غریب مسلمانوں کے فائدے سے بھی ہے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ کامل مومن بس وہی لوگ ہیں جن میں یہ پانچ اوصاف ہوں۔ اللہ کی عظمت و جلال کی ہیبت اور اُس کی محبت سے اُن کے دل کانپ جاتے ہوں۔ آیاتِ الٰہی کو سُن کر اُن کے ایمان میں مزید استحکام ہو جاتا ہو۔ اور اطمینان کا درجہ حاصل ہوتا ہو۔ محض خدا پر اُن کا بھروسہ ہو۔ ہر کام میں وہ امدادِ الٰہی پر بھروسہ رکھتے ہوں۔ کافروں کی کثرت و شوکت اور اپنی قلتِ تعداد و ناداری سے خوف زدہ نہ ہوں۔ نماز کو پابندی کے ساتھ ٹھیک ٹھیک پنجگانہ اوقات میں ادا کرتے ہوں۔ اپنے مال میں سے کچھ حصہ غریبوں اور مسکینوں کو دیتے ہوں۔ ایسے ہی مسلمان درحقیقت سچے مسلمان ہیں۔

تحقیقِ الفاظ وَجِلَ کہتے ہیں محبت آمیز ہیبت کو۔ بجائے خوف یا خشیت وغیرہ کے اس لفظ کو اختیار کرنے میں خاص حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ عذاب سے ڈرنا تو معمولی اہلِ ایمان کا درجہ ہے۔ مومنین کاملین کو وعید عذاب کی نوبت ہی نہیں پہنچتی بلکہ اللہ کی عظمت و جلال کی محبت آمیز ہیبت اُن کے دل لرزا دینے کے لئے کافی ہوتی ہے۔

پھر ذُكِرَ اور تُلِيَتْ دونوں مجہول کے صیغے بولنے سے یہ مقصد ہے کہ اُن کے دل کانپنے اور اطمینانِ ایمان پیدا کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ خود ذکرِ الٰہی یا تلاوتِ آیات کریں بلکہ کوئی بھی کرے اُن پر اثر بدستور ہوتا ہے خواہ نبی کی زبان سے سُنیں یا کسی اور کی، خواہ خود ذکر و تلاوت کریں۔

رَزَقْنٰهُمْ کا صیغہ بولنے سے مسلمانوں کو خیرات و صدقات دینے کی ترغیب دینی مقصود ہے کہ تمہارے پاس جو مال ہے وہ سب خداداد ہے تم کہیں سے نہیں لائے، نہ تم نے پیدا کیا۔ پھر خدا کے دیئے ہوئے مال میں سے اگر خوشنودیٔ خدا حاصل کرنے کے لئے بندگانِ خدا کو دو گے تو کچھ بعید نہیں۔

toobaafoundation.com

مقصودِ بیان یادِ الٰہی کرنے اور یادِ الٰہی کے وقت، دل میں ہیبتِ الٰہی اور رقت پیدا کرنے کی ترغیب، تلاوتِ آیات کرنے کی تلقین اور تلاوت کے وقت استحکام ایمان حاصل کرنے کی طرف ایماء۔ اللہ ہی پہ بھروسہ رکھنے کا ضمنی حکم یعنی غیر اللہ سے اندیشہ نہ کرنے کی تعلیم۔ بدنی اور مالی عبادات ادا کرنے کی طرف لطیف اشارہ۔ اس بات کی صراحت کہ اوصافِ مذکورہ رکھنے والے ہی کامل مومن ہیں اور انہی کو مومن کہنا سزاوار ہے اور انہی کو خدا کے ہاں مراتب حاصل ہوں گے اور وہی خدا کے انعام سے سرفراز ہوں گے۔

نوٹ :۔ ایمان میں کمی بیشی نہ ہونے کا مسئلہ اور اُس کا پورا اختلاف سورۃ بقر میں گزر گیا۔ ہم یہاں اس کا اعادہ کرنا نہیں چاہتے۔ البتہ یہ جان لینا ضروری ہے کہ آیت میں زیادتی ایمان سے مراد استحکام وایمان ہے۔ واللہ اعلم۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

(اے نبی) جس طرح تمہارے رب نے تم کو تمہارے گھر سے سچے کام پر نکالا حالاں کہ مسلمانوں کا ایک گروہ

لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى

ناخوش تھا ظاہر ہونے کے بعد بھی تم سے حق بات میں جھگڑا کر رہے تھے معلوم ہوتا تھا کہ اُن کی آنکھوں دیکھتے

الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ

اُن کو موت کی طرف ہانکا جارہا ہے اور جب تم سے اللہ دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ فرمارہا تھا

اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ

کہ وہ تمہارے ہاتھ لگے گی اور تم چاہتے تھے کہ جس میں کانٹا نہ لگے وہ تم کو مل جائے اور اللہ چاہتا تھا کہ

اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ

سچ کو اپنے کلام سے سچ کر دکھلائے اور کافروں کی جڑ کاٹ ڈالے تاکہ حق کو حق اور

يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ ع

باطل کو باطل کر دے اگرچہ مجرم ناخوش ہوں

تفسیر شروع آیت کی تشبیہ اور تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ہم وہی اختیار کرتے ہیں جو فخرالدین رازی جیسے ائمہ نے پسند کیا ہے۔ شروع کی آیت میں مالِ غنیمت تقسیم کرنے کا ذکر تھا اور مسلمانوں کو خدا و رسول کے احکام ماننے کی ہدایت تھی لیکن لوگوں میں مالِ غنیمت کی تقسیم کے متعلق اختلاف ہو چکا تھا اور تقسیم پر عام لوگ راضی نہ تھے۔ اس ناخوشی اور عدم رضا کو جنگ بدر پر ناخوشی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یعنی مالِ غنیمت کی موجودہ تقسیم بھی مسلمانوں کو ایسی ہی ناگوار ہے جیسا جنگ بدر کے لئے بحکمِ الٰہی آپ کا گھر سے نکلنا ناگوار تھا لیکن جس طرح وہاں اُن کی ناخوشی کا اظہار نہیں کیا گیا ویسا ہی یہاں بھی لحاظ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ کے مصالح اور انجام کار پر ان کی نظریں نہیں پہنچتی ہیں۔ انسان موجودہ سہولت اور فوری فائدے کا خواستگار ہوتا ہے۔ جنگِ بدر کے لئے گھر سے نکلنا اگرچہ بظاہر نظر سببِ ہلاکت معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ دشمنوں کی تعداد بہت تھی اور

toobaafoundation.com

ان کے پاس اسبابِ جنگ بھی تھے اور مسلمان کم تھے اور نہتے بھی تھے مگر مسلمانوں کی اس ہمت اور ہمت کے بعد جنگ نے کافروں کی کمر توڑ دی اور ہمیشہ کے لیے اچھا نکلا۔ اسی طرح مالِ غنیمت میں شرعی تقسیم کا قائم کرنا آئندہ لشکرکشی اور ہمتِ مجاہدین کے لیے بہت مفید ہے اگرچہ بالفعل ان لوگوں کو ناگوار ہے۔ ان آیات میں جنگِ بدر کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جس کی تفصیل تفسیر معالم وسراج وغیرہ سے ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

ہجرت کے دوسرے سال آغازِ رمضان میں بذریعہ وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قریش کا تجارتی قافلہ ملک شام سے آ رہا ہے اور اس میں بکثرت مال واسباب ہے۔ حضورؐ نے عام مسلمانوں کو اس کی اطلاع دی۔ مسلمانوں کا مشورہ ہوا کہ قافلہ میں زیادہ نہ ہوں گے اور ہم کو مال کی سخت ضرورت ہے لہٰذا چل کر لوٹ لینا چاہیئے اور واقعی قافلہ کے ساتھ عمرو بن عاص، مخرمہ بن نوفل وغیرہ چالیس آدمی تھے۔ ابوسفیان سپہ سالار تھا جب مشورہ تین سو مسلمان جمع ہو کر چل دیئے۔ اہلِ قافلہ کو بھی مسلمانوں کی روانگی کی خبر مل گئی۔ ابوسفیان نے فوراً ضمضم بن عمرو غفاری کو مکہ کی طرف روانہ کیا تاکہ قریش کو مسلمانوں کے ارادے کی اطلاع کر دے اور سب کو مسلمانوں کے مقابلہ پر اکٹھا کر لائے۔ ضمضم پہنچنے سے قبل مکہ میں ایک عجیب واقعہ ہو گیا۔ عاتکہ بنت عبدالمطلب ہمشیرۂ عباس بن عبدالمطلب نے خواب دیکھا کہ ایک شتر سوار اونچے ٹیلے پر کھڑا چلا رہا ہے۔ اے آلِ غالب! جاؤ اپنے مقتل کی طرف چلو۔ تمام لوگ اُس سوار کے پاس جمع ہو گئے۔ پھر آسمان سے ایک فرشتہ اُترا اور پہاڑ سے اُس نے ایک پتھر اُٹھا کر اوپر کو پھینکا۔ پتھر ریزہ ریزہ ہو گیا اور مکہ کے ہر گھر میں اس کا کوئی نہ کوئی ریزہ پہنچ گیا۔ عاتکہ نے یہ خواب عباس سے بیان کیا۔ عباس نے اظہار کرنے سے منع کر دیا۔ مگر خود جا کر اپنے دوست ولید بن عتبہ سے کہہ دیا اور پوشیدہ رکھنے کی تاکید کر دی۔ ولید نے اپنے باپ سے بیان کر دیا اور اس طرح خواب فاش ہو گیا۔ دوسرے دن عباس طواف کر رہے تھے۔ ابوجہل ایک جماعت کو لے کر آیا اور کہنے لگا عباس اِدھر آؤ۔ عباس اُس کے پاس گئے۔ بولا اے اولادِ عبدالمطلب! کیا تمہارے لئے یہ کافی نہ تھا کہ تم میں کے مرد نبوت کا دعویٰ کریں کہ اب تمہاری عورتیں بھی دعویٰ کرنے لگیں۔ ہم تین روز تک منتظر ہیں۔ اگر معاملہ سچا نکلا تو خیر ورنہ تین روز کے بعد ہم بذریعۂ تحریر اعلان کر دیں گے کہ عرب میں تمہارا خاندان بڑا جھوٹا ہے۔ عباس نے عاتکہ کے خواب سے انکار کیا۔ شام ہوئی تو خاندانِ عبدالمطلب کی تمام عورتیں عباس کے پاس جمع ہوئیں اور کہنے لگیں کہ تم نے اس خبیث کو اپنے مردوں کو بُرا بھلا کہنے دیا یہاں تک کہ اُس نے اب عورتوں کی بھی بدگوئی کرنی شروع کر دی اور تم سنتے رہے کوئی جواب نہ دیا کیا تم میں غیرت کا مادہ نہیں رہا۔ تیسرے روز صبح کو میں اُس کے پاس گیا مگر وہ بھاگا جا رہا تھا۔ کیونکہ اُس وقت ضمضم بن عمرو وسط وادی میں کھڑا چلا رہا تھا۔ اُس نے گریبان پھاڑ ڈالا تھا اور پکار رہا تھا اے خاندانِ غالب! اے قریش والو! جلد دوڑو محمدؐ اور اُس کے ساتھیوں نے تمہارے سامانِ تجارت کو گھیر لیا ہے۔ اتنے میں ابوجہل بھی پہنچ گیا اور اس نے تمام قریش کو ندا کی۔ فوراً تقریباً ایک ہزار جوان مسلح جمع ہو گئے اور ابوسفیان کی مدد کے لئے ابوجہل کی معیت میں چل دیئے۔ راستہ میں خبر ملی کہ ابوسفیان قافلہ کو لے کر ساحلی راستہ سے صحیح سلامت چلا آیا۔ لوگوں نے کہا اب ہم کو بھی آگے بڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن ابوجہل نہ مانا اور کہنے لگا ہم بدر پر پہنچ کر ٹھہریں گے وہاں دَور ہوگا، ناچ رنگ ہوگا، اس سے مسلمانوں کو ذلت ہوگی۔ چند روز کے بعد واپس آئیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تمام لشکرِ کفار بدر پر جا کر ٹھہرا اور بدر کے پانی پر قبضہ کر لیا۔

مسلمانوں کی طرف کا قصہ عروہ بن زبیر کے سلسلۂ روایت سے اخذ کر کے محمد بن اسحاق نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادیٔ ذفران میں پہنچے تو حضورؐ کو اطلاع ملی کہ قریش جمع ہو کر اپنے قافلے کی حمایت کے لئے آ رہے ہیں۔ آپ نے مسلمانوں سے مشورہ طلب کیا۔ بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ ہم تو قافلہ کے لئے نکلے تھے۔ قریش کے لشکر سے لڑنے کی ہم میں طاقت نہیں۔ دوبارہ مشورہ کیا تب بھی یہی مشورہ ملا۔ یہ مشورہ سُن کر حضورؐ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ مسلمان بھی اس کو تاڑ گئے۔ فوراً صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! ہم حضورؐ کے ساتھ ہیں جو حکم ہوگا بجان و دل اُس کی تعمیل کریں گے۔ مقداد بن عمرو بولے یا رسول اللہ! آپ کو جو حکم الٰہی ہو اُسی پر آپ چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ قسم ہے اللہ کی ہم آپ سے وہ قول نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ٥ بلکہ ہم کہیں گے إِنَّا مَعَكُمَا مُقَاتِلُونَ قسم ہے اُس پروردگار کی جس نے آپؐ کو رسولِ برحق بنا کر بھیجا ہے اگر ہم کو برک انعماد لے جائیں تب بھی وہاں جائیں گے۔ اُس سے ورے نہ ٹھہریں گے۔ حضورِ اقدسؐ چونکہ خواستگار تھے

toobaafoundation.com

کہ کافروں کا زور ٹوٹ جائے اور زور ٹوٹنے کی صرف یہ شکل تھی کہ اُن کی پُرقوت جمعیت سے مقابلہ کیا جائے۔ قافلہ کے لُٹنے سے اگرچہ مسلمانوں کو قوت ضرور حاصل ہو جاتی مگر کافروں کا زور نہ ٹوٹتا اس لئے آپؐ مقداد کا جواب سُن کر خوش ہوئے اور اُن کو دعائے خیر دی۔ پھر فرمایا۔ لوگو! مجھے مشورہ دو۔ آپ کی مراد یہ تھی کہ انصار رضامندی ظاہر کریں کیونکہ بڑا گروہ انصار ہی کا تھا اور بیعت عقبہ کے وقت انصار نے حضورؐ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر آپ ہجرت کر کے مدینہ آجائیں گے تو مدینہ کے اندر ہم آپ کی حفاظت اپنی اولاد کی طرح کریں گے یہ وعدہ نہ کیا تھا کہ اگر مدینہ کے باہر کوئی دشمن آپ پر حملہ کرے گا یا آپ کسی دشمن کی مدافعت کریں گے تب بھی ہم آپ کی مدد کریں گے۔ حضورؐ کا مکرر فرمان سُن کر سردار انصار حضرت معاذ رضؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! شاید حضورؐ کا روئے سخن ہماری طرف ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ سعد نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ہم آپ پر ایمان لائے، آپ کو سچا جانا اور شہادت دی کہ جو کچھ آپ لائے سب برحق ہے پھر اس پر ہم نے عہد و میثاق بھی کیا کہ جو کچھ آپ حکم دیں گے اُسے بسر و چشم قبول کریں گے، اُس پر چلیں گے۔ لہٰذا اب جو کچھ آپ کو خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہو آپ اُس پر چلیں۔ قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو رسولِ برحق بنا کر بھیجا ہے اگر آپ ہم کو اس سمندر میں گھس جانے کا حکم دیں گے تو ہم ہرگز ناپسند نہیں کریں گے۔ ہم بوقت جنگ بالکل ثابت قدم اور راسخ دم رہیں گے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے ایسی باتیں دکھا دے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ پس آپ اللہ کی برکت پر ہم کو لے چلیں۔ سعد بن معاذؓ کی تقریر سُن کر حضورؐ بہت خوش ہوئے اور فرمایا لوگو! اللہ کی برکت پر چلو تم کو بشارت ہو کہ اللہ نے مجھ سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے۔ قافلہ یا جمعیت کفار پر فتح۔ قسم ہے خدا کی گویا میں اس وقت اُن لوگوں کی قتل گاہوں کو دیکھ رہا ہوں۔ ابن کثیر نے بروایت عوفی ابن عباسؓ کا قول اسی طرح نقل کیا ہے۔ سدی، قتادہ، ابن اسحٰق اور دیگر علماء سے بھی یہی مروی ہے۔

آیات کا مطلب یہ ہے کہ مالِ غنیمت کی تقسیم پر مسلمانوں کی ناخوشگواری ایسے ہی ناعاقبت اندیشی پر مبنی ہے جس طرح جنگ بدر کو جانے کے وقت تھی کہ بعض (اُن مسلمانوں نے جن کے پاس لڑائی کا ساز و سامان نہ تھا اور اُن کے پیشِ نظر اپنی تعداد کی قلت بھی تھی) جنگ پر جانے اور کافروں کی جمعیت سے مقابلہ کرنے کو مناسب نہ سمجھا تھا۔ اگرچہ اُن پر ظاہر ہو گیا تھا کہ ہر چیز اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے بظاہری ساز و سامان حقیقی مؤثر نہیں اور کوئی نفع نقصان بغیر قضائے الٰہی کے نہیں پہنچ سکتا مگر پھر بھی (بمقتضائے بشریت) وہ تمہاری رائے سے اختلاف کر رہے تھے ان کو (اپنے ساز و سامان اور تعداد کی قلت کی وجہ سے) اپنی موت آنکھوں سے دیکھ رہی تھی اور وہ سمجھ رہے تھے کہ گویا ہم کو موت کی طرف لے جایا جا رہا ہے اور اللہ نے وعدہ کیا تھا کہ ایک گروہ پر تمہارا دسترس ہو گا یا قافلہ کی گرفتاری یا جماعت کفار پر فتح۔ مگر مسلمانو! تم چاہتے تھے کہ وہ چیز تم کو مل جائے جس میں کانٹا نہ لگے یعنی قافلے کو لوٹ لو۔ لیکن خدا چاہتا تھا کہ حق و باطل کا فیصلہ کر دے، حق کو ظاہر کر دے اور باطل کو مٹا دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔ اگرچہ کافروں کو اپنی بیخ کنی کتنی ہی ناگوار ہو۔

مقصودِ بیان اس امر پر تنبیہ کہ احکامِ الٰہی میں چون و چرا نہ کرنا چاہیئے۔ فوراً بلا سوچے سمجھے تعمیلِ حکم کرنا چاہیئے۔ کیونکہ آدمی نتیجہ سے ناواقف ہوتا ہے، ظاہری سہولت کو پسند کرتا ہے اور وہ کام کرنا چاہتا ہے جس میں تکلیف و مشقت نہ اُٹھانی پڑے مگر ہر حکم کی حکمت و مصلحت سے واقف خدا ہی ہے اس لئے تعمیلِ حکم میں پس و پیش مناسب نہیں۔ آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ظاہری ساز و سامان اور اسباب بے حقیقت چیز ہے۔ کامیابی کی ضروری شرائط میں سے نہیں مؤثر حقیقی خدا ہے البتہ ثابت قدم رہنا اور نیت صحیح رکھنا اور حق کی حمایت کرنا لازم ہے۔

یہ امر بھی آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی صحابہ سے مشورہ لیا کرتے تھے اور جب تک اکثریت کا فیصلہ نہ ہو جاتا کسی کام کی طرف پیش قدمی نہیں کرتے تھے۔ اگر آدمی ثابت قدم اور راسخ العقیدہ رہے تو اللہ تعالیٰ حق کو غالب اور باطل کو مغلوب ضرور کر دیتا ہے۔ وغیرہ

toobaafoundation.com

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ

جب تم اپنے رب سے فریاد کرنے لگے اور اللہ نے تمہاری سن لی (اور فرمایا کہ) لگاتار ایک ہزار فرشتوں سے میں تمہاری

مُرْدِفِينَ ○ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا

مدد کروں گا اور یہ تو اللہ نے صرف خوش خبری دینے اور تمہارے دلوں کے مطمئن ہونے کے لئے کیا تھا ورنہ

النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○ ع إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ

فتح تو اللہ ہی کی طرف سے ہے بلاشبہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے جبکہ اللہ اپنی طرف سے چین دینے کے

أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ

لئے تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی نازل کر رہا تھا تاکہ اس کے ذریعہ سے تم کو پاک کردے اور تم سے شیطانی

عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ○

نجاست کو دور کردے اور تمہارے دلوں کو مستقیم کردے اور تمہارے قدم جمائے رکھے

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي

جب تمہارا رب فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں تم مسلمانوں کو جمائے رکھو عنقریب

فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا

کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا پس تم گردنیں مارو اور ان کا

مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ○ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ

پور پور کاٹو یہ اس کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ کا اور

اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ○ ذَٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ

اس کے رسول کا مخالف ہوگا تو اللہ کی مار بڑی سخت ہے یہ تو چکھ لو اور (جانے رہو کہ)

لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ○

کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے

toobaafoundation.com

تفسیر اِن آیات میں جنگِ بدر کے تین واقعات بیان کئے ہیں (۱) مسلمانوں کا اللہ سے استغاثہ کرنا اور اللہ کا اُن کی دعا کو قبول کرکے ایک ہزار فرشتوں کو امداد کے لئے بھیجنا (۲) مسلمانوں کو جنگ کے دوران میں اُونگھ آجانا (۳) جنگ کے موقع پر بارش نہ ہونا۔ ہم ہر واقعہ کو احادیث و آثار سے نقل کرکے قرآنی آیات کے مطابق کسی قدر تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔

(۱) اس میں اختلاف ہے کہ استغاثہ اور دعا کس نے کی تھی ؟ عام مسلمانوں نے یا فقط رسول اللہؐ نے۔ تفسیر معالم وغیرہ میں ہے کہ جب مسلمانوں نے یقین کرلیا کہ لڑائی ضرور ہوگی اور ہماری تعداد کم ہے کافروں کی زائد ہے۔ علاوہ ازیں ہم اکثر نہتے ہیں وہ مسلح ہیں تو انھوں نے اللہ سے دعا کی کہ الٰہی ہم کو کافروں پر فتح عنایت کر، ہماری فریاد رسی فرما۔ لیکن عام مفسرین کی رائے یہ ہے کہ صرف حضور اقدسؐ نے دعا کی تھی۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ بدر کے دن جب حضورؐ والا نے ملاحظہ فرمایا کہ مسلمانوں کی تعداد کچھ اوپر تین سو ہے اور کافروں کی تعداد ہزار سے اوپر تو قبلہ کی طرف مُنھ کرکے کھڑے ہوئے۔ اُس وقت حضور تہبند باندھے اور چادر اوڑھے ہوئے تھے اور دعا مانگنی شروع کی۔ الٰہی جو تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے وہ پورا کر۔ الٰہی اگر اہلِ اسلام میں سے یہ ٹکڑا مارا گیا تو زمین پر تیری عبادت کی امید نہیں۔ اسی طرح برابر اپنے پروردگار سے استغاثہ کرتے اور دعا مانگتے یہاں تک کہ دوش مبارک سے چادر سرک گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے چادر اٹھاکر پھر اُڑھادی اور ایک طرف سے حضورؐ کو دبوچ لیا اور عرض کیا یارسول اللہ! بس آپ کی دعا کافی ہوچکی۔ اللہ عنقریب اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ اس وقت اللہ نے نازل فرمایا۔ اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ الخ الی آخر الحدیث (رواہ الترمذی وصححہ ومسلم وابن جریر وابن مردویہ وابن المدینی)

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مقداد بن اسود کے ساتھ میں ایک موقع پر تھا اور ان کو اس وقت جو بات حاصل ہوئی وہ مجھے دنیا ومافیہا سے بہتر معلوم ہوتی ہے۔ حضورؐ اقدس مشرکوں پر فتح یاب ہونے کی دعا کر رہے تھے کہ مقداد نے آکر عرض کیا یارسول اللہ! ہم آپ سے وہ قول نہیں کہیں گے جو موسیٰؑ سے بنی اسرائیل نے کہا تھا کہ اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا الخ بلکہ ہم آپؐ کے دائیں بائیں آگے پیچھے اپنی جانیں قربان کردیں گے۔ یہ سن کر چہرۂ مبارک کھل گیا (رواہ البخاری)

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ بدر کے روز حضورؐ اس طرح دعا مانگ رہے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَعْدَكَ اَللّٰهُمَّ اِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ یہ سُن کر حضرت ابوبکرؓ نے دستِ مبارک پکڑلیا اور عرض کیا یارسول اللہ بس۔ اس کے بعد حضورؐ والا ہماری طرف بڑھتے ہوئے نکلے سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ یعنی عنقریب کافروں کو شکست ہوگی اور پشت پھیر کر بھاگیں گے (رواہ البخاری)

ان تمام آثار و احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دعا و استغاثہ صرف حضورؐ نے کیا تھا اور چونکہ حضورؐ کی دعا درحقیقت کل مسلمانوں کی طرف سے تھی اس لئے خدا تعالےٰ نے استغاثہ کرنے والا تمام مسلمانوں کو قرار دیا۔ بہرحال حضورؐ نے دعا کی اور خدا نے قبول فرمائی اور فرشتوں کو امداد کے لئے بھیجا۔ فرشتے کتنے تھے ؟ کس طور پر نازل ہوئے تھے ؟ کس غرض سے آئے تھے ؟ انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر کافروں سے جنگ کی تھی یا نہ کی تھی ؟ ہم ہر بحث کو مختصر لکھتے ہیں :۔

یہاں آیت میں فرشتوں کی تعداد ایک ہزار بتائی گئی ہے۔ لیکن سورۂ آل عمران میں زائد تعداد کا ذکر ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ جبرئیلؑ ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ حضورؐ اقدس کے میمنہ میں اُترے اس روز میمنہ میں حضرت ابوبکرؓ تھے اور میکائیل ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ میسرہ میں اُترے اور میں میسرہ میں تھا (رواہ ابن جریر) اس اثر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کی تعداد کم تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شروع میں فرشتے ایک ہزار تھے پھر دو ہزار کا اضافہ ہوا پھر دو ہزار اور بڑھائے گئے۔ کل پانچ ہزار ہوگئے۔ کذا قال قتادہ۔ فرشتے جوان آدمیوں کی شکل میں سفید لباس پہنے اور سفید عمامہ باندھے ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان کے آنے کی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں کو امدادِ الٰہی کی بشارت ہو اور اپنی فتح کی طرف سے اطمینان ہوجائے۔

فرشتوں کے جنگ کرنے کے متعلق منفی اور مثبت قول ہیں۔ جو لوگ نفی کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر قتال مقصود ہوتا تو ایک فرشتہ تمام دنیا کو ہلاک کرنے کے لئے کافی تھا۔ چنانچہ قومِ لوط کی آبادی کو فقط جبرئیلؑ نے تہ و بالا کر ڈالا تھا۔ اس قدر کثیر مسلمانوں کی جماعت کو بیش از بیش دکھانا مقصود تھا۔ مگر یہ قول ضعیف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ فرشتوں نے مسلمانوں کی طرف سے جنگ کی اور کافروں کو قتل کیا۔ رہی یہ بات کہ اگر ہلاک کرنا مقصود

toobaafoundation.com

ہوتا تو ایک فرشتہ بھی کافی تھا بالکل صحیح ہے، لیکن یہاں فقط یہ مقصود نہ تھا بلکہ دشمنوں کو انسانوں کی طرح قتل کرنا، مسلمانوں کے دلوں میں اطمینان پیدا کرنا اور اہلِ اسلام کو امدادِ الٰہی کی بشارت دینا یہ تمام مقاصد تھے۔ جنگِ ملائکہ کے ثبوت کے چند دلائل ہیں۔ اول تو خود آئندہ آیت میں فرشتوں کو مخاطب کر کے خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ کافروں کی گردنوں پر بلکہ پور پور پر مارو۔ دوسرے جنگِ ملائکہ کے ثبوت میں بکثرت احادیث و آثارِ صحیحہ وارد ہیں۔ رفاعہ بن رافع کی روایت ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ اپنی جماعت میں اہلِ بدر کو کیا سمجھتے ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا مسلمانوں میں سب سے افضل۔ حضرت جبرئیل نے فرمایا وہ ملائکہ جو بدر میں حاضر ہوئے تھے وہ بھی ایسے ہی ہیں۔ (رواہ البخاری) ابن عباسؓ نے فرمایا (جنگِ بدر کے موقع پر) ایک مسلمان نے ایک کافر کا پیچھا کیا۔ اچانک اوپر سے کوڑا مارنے کی آواز سنی اور کسی نے کہا۔ اَقْدِمْ حَيْزُوْمُ اتنے میں مشرک کو دیکھا کہ گدی کے بل زمین پر پڑا ہے اور کوڑے کی ضرب سے اس کا چہرہ پھٹ گیا ہے۔ ایک انصاری نے حاضر ہو کر یہ واقعہ حضورؐ سے عرض کیا۔ فرمایا تو نے سچ کہا وہ تیسرے آسمان کی مدد والوں میں سے تھا (ابن کثیر) جس وقت ابوجہل زخمی پڑا ہوا تھا تو ابن مسعودؓ سے بولا وہ آواز کہاں سے آتی تھی جو ہم کو بدحواس بنا رہی تھی باوجودیکہ آواز دینے والا کوئی نظر نہ آتا تھا؟ ابن مسعودؓ نے جواب دیا وہ ملائکہ کی آواز تھی۔ ابوجہل بولا پھر تو وہ ہم پر غالب ہوئے تم غالب نہیں ہوئے۔ ابو داؤد مازنی کہتے ہیں کہ بدر کے دن میں نے ایک مشرک کا پیچھا کیا لیکن میری تلوار پڑنے سے پہلے اس کا سر میرے سامنے آگرا۔ سہل بن حنیف کہتے ہیں کہ بدر کے روز ہم میں سے بعض آدمی اپنی تلوار لے کر حملہ کرنے کے لئے ہم پر اٹھاتے مگر تلوار پہنچنے سے قبل کافر کا سر گر پڑتا۔ اسی مضمون کے اور بہت آثار ہیں۔

(۲) دوسرا واقعہ مسلمانوں کو اونگھ آجانے کا ہے۔ صحیحین میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع صدیق اکبرؓ کے سائبان کے اندر تھے اور دونوں دعا مانگ رہے تھے۔ اتنے میں حضورؐ پر اونگھ کی طرح ایک خفیف نیند طاری ہوئی۔ تھوڑی دیر میں ہی حضورؐ مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے اور فرمایا ابوبکرؓ! بشارت ہو یہ جبرئیل آگئے۔ اُن کے اگلے دانتوں پر غبار پڑا ہے۔ اس کے بعد سائبان کے دروازے سے یہ کہتے ہوئے باہر نکلے (سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ) مسلمان چونکہ لڑائی میں تھک گئے تھے اور بہت مضطرب الحال تھے اس لئے خدا نے اُن پر ایک اونگھ طاری کر دی تھی جو تھوڑی دیر میں ہی زائل ہو گئی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کل ماندگی دفع ہو گئی۔ اضطرابِ قلب دور ہو گیا اور حالتِ اصلی پر آ گئے۔ دورانِ جنگ میں اونگھ آجانا یہ خود ایک معجزہ اور رحمتِ خداوندی تھی۔

(۳) تیسرا واقعہ بارش کا ہے۔ علی بن طلحہ اور عوفی نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا کہ بدر میں جو پانی کی جھیل تھی اُس پر مشرکین قابض ہو گئے تھے اور مسلمانوں کو پانی نہ ملنے سے سخت تکلیف ہوئی تو خدا تعالیٰ نے خوب پانی برسایا جس سے ساری تکلیف رفع ہو گئی۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش خوب زور کی ہوئی تھی۔ لیکن شعبی و زہری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش خفیف ہوئی تھی۔ ابن اسحٰق نے عروہ بن زبیر کی روایت بیان کی ہے کہ میدان نہایت نرم ریت کا تھا جس میں پاؤں دھنستے تھے پھر اللہ کے حکم سے پانی برسا مسلمانوں کی طرف تو صرف اتنا برسا کہ زمین جم گئی اور ریت دب گئی اور قریش کی طرف دلدل ہو گئی اور ان کا چلنا دشوار ہو گیا۔

ابن جریر نے حضرت علیؓ کا قول بیان کیا ہے کہ جنگِ بدر کی شب میں خفیف بارش ہوئی، ہم لوگ درخت کے سائے میں اور ڈھالوں کے نیچے چھپ گئے اور حضورؐ نے ساری رات لڑائی پر آمادہ کرنے میں گزاری۔

مغازی میں ابن اسحٰق وغیرہ سے ثابت ہے کہ بارش کی شدت اور دلدل کے سبب مشرکین کوچ کرنے سے عاجز رہے اور مسلمانوں نے بڑھ کر تالاب پر قبضہ کر لیا۔ بارش کا پانی مسلمانوں کی طرف صرف اتنا پڑا کہ ریت جم گئی اور چلنے پر قادر ہو گئے اور قدم جمنے لگے۔

آیات کا مطلب یہ ہے کہ: مسلمانو! جب گرمی کی شدت اور پیاس کی تکلیف سے تم نے بارگاہِ الٰہی میں استغاثہ کیا اور فتحیابی کی دعا کی تو اللہ نے تمہاری دعا قبول کی اور ایک ہزار فرشتوں کی جماعت پے در پے ایک دوسرے کے پیچھے تمہاری مدد کے لئے بھیجی تاکہ تم کو فتحیابی کی بشارت اور اطمینانِ قلب حاصل ہو۔ مگر یہ صرف تمہاری تسلی کے لئے تھا ورنہ مدد تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، فرشتوں کو بھیجنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ غرض خدا نے فرشتے بھیجے اور ان کو حکم دیا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت قدم رکھو، ان کے شریکِ حال رہو۔

toobaafoundation.com

یا یہ مطلب ہے کہ تم مسلمانوں کے دلوں میں بہادری کا القا کرو۔ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا تم اُن کے تمام اعضا کے رکیسا اور ہاتھوں پاؤں یہاں تک کہ پور پور پر مارو کیونکہ وہ اللہ اور رسول کے مخالف ہیں۔ مسلمانو! دوسرا احسان خدا نے تم پر یہ کیا کہ تمہارا خوف و اضطراب دور کرنے کے لئے اُونگھ کو تم پر مسلط کر دیا۔ تیسرا احسان یہ کیا کہ تم پر بارش برسائی جس کے ذریعہ سے تم نہا دھو کر پاک صاف ہو گئے پیاس بھی دور ہو گئی روح اور دل کو بھی تسکین ہو گئی۔ یہ شیطانی وسوسہ بھی دور ہو گیا کہ بغیر پانی کے فتح مشکل ہے۔ دلوں میں بھی قوت پیدا ہو گئی۔ پاؤں بھی ریت پر جمنے لگے۔

مقصود بیان

مصیبت اور سختی کے وقت خدا سے استغاثہ کرنے کی تلقین۔ اللہ کی غیبی طاقت کا اظہار اس بات کی صراحت کہ اللہ کو اگرچہ ظاہری اسباب کی ضرورت نہیں وہ ہر طرح کام کر سکتا ہے مگر انسانوں کے اطمینانِ قلب کے لئے وہ ظاہری سامان مہیا کرتا ہے۔ استقلالِ قلب، ثباتِ قدم، خطرۂ شکست کا عدم جنگ میں نہایت ضروری چیزیں ہیں۔ فرشتوں کو اہلِ ایمان کے دلوں میں الہام اور القائے خیر کی طاقت خدا تعالیٰ نے دی ہے۔ جہاد کے وقت کافروں کے جوڑ جوڑ پر ضرب لگانی چاہیئے۔ عضوِ اعلیٰ ہو یا اسفل کسی کی تخصیص نہیں۔ فرشتے انسانی کی شکل میں ہو کر آدمیوں میں انسان کی طرح لڑ سکتے ہیں۔ یعنی اگرچہ وہ خود نورانی اور غیر مادی ہیں مگر مادی افعال کی تکمیل کر سکتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول سے ضد کرنے کی دنیوی سزا قتل اور جنگ ہے اور آخرت کی سزا دوزخ۔ پورے قصہ میں مسلمانوں کو ایک خاص ہدایت کرنی مقصود ہے کہ تم مالِ غنیمت کی تقسیم کی مخالفت نہ کرو۔ تم اس کی حکمت سے ناواقف ہو جس طرح جنگ بدر کی مصالحت سے ناواقف تھے اور قافلہ کو گرفتار کرنے پر اڑے ہوئے تھے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا نتیجہ بُرا ہے۔ وغیرہ

(ع) يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا لَقِيتُمُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ ٱلْأَدْبَارَ ۝

مسلمانو! جب کافروں کے انبوہ سے تمہاری مُٹھ بھیڑ ہو تو اُن کو پیٹھ نہ دکھاؤ

وَمَن يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُۥٓ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ

جو شخص اُن کو اُس روز پیٹھ دے گا بغیر اس کے کہ لڑائی کا ہُنر کرتا ہو یا فوج میں شامل ہوتا ہو

فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَمَأْوَىٰهُ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ ٱلْمَصِيرُ ۝

تو وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے گا اور اُس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے

تفسیر

آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے پہلے ہم آیت کی تفسیری شرح کرتے ہیں پھر اختلاف بیان کریں گے۔

مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! جس وقت تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو تو پشت نہ دو۔ ہاں دو صورتوں میں بھاگ سکتے ہو۔ ایک تو یہ کہ پیٹھ پھیرنے سے غرض یہ ہو کہ اپنے گروہ میں (یا اپنے امام کے پاس) چلے جاؤ۔ دوسرے یہ کہ لڑائی سے رُخ پھیرنے کا مقصود کنی کاٹنا اور دشمن کو دھوکا دینا ہو تا کہ جب وہ زد پر آجائے اُس وقت اُس پر حملہ آور ہو۔ ان دو صورتوں کے علاوہ جو شخص جہاد سے مُنہ پھیرے گا وہ غضبِ خدا میں مبتلا ہوگا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔

یہ جان لینا ضروری ہے کہ یہ حکم اُس وقت ہے کہ کافروں کی تعداد زائد سے زائد مسلمانوں سے دو گنی ہو اور اگر دو گنی سے زائد ہو تو بموجب حکم آیت تخفیف جنگ سے رُخ پھیرنا اور اپنی جان بچانا جائز ہے۔

یہاں تین قول اور بھی ہیں:۔

ایک یہ کہ مذکورہ حکم فقط صحابہ کے لئے تھا کیونکہ اُن پر جہاد فرضِ عین تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حکم انصار کے لئے تھا۔ مگر یہ دونوں قول ضعیف ہیں،

toobaafoundation.com

کیونکہ حدیث میں عام جہاد سے فرار کرنے کو بشرطیکہ بغیر شرعی عذر کے ہو مہلکات سبعہ میں شمار کیا گیا ہے اور مہلکات سبعہ کا حکم عام ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ اس آیت سے مراد خاص اہل بدر ہیں۔ سیاق قرآن اسی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس کے قبل بھی بدر ہی کا بیان ہے اور اس کے بعد والی آیات میں اسی قصہ کا تذکرہ ہے۔ یہ قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی، ابو ہریرہؓ، ابو سعید خدری رضی، ابو نضرہ، نافع، سعید بن جبیر، حسن بصری، عکرمہ، قتادہ، ضحاک وغیرہم کا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ اس مسلک پر یَوْمَىِٕذٍ سے مراد یوم بدر ہوگا۔ چونکہ بدر کے دن مسلمانوں کی پوری طاقت اور تعداد معرکہ میں موجود تھی۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے۔ مدینہ میں کچھ یونہی مسلمان رہ گئے تھے جو گنتی میں آنے کے قابل نہ تھے اس لئے جو شخص میدان سے رُخ پھیرتا تو اس کی صرف تین وجوہ ہوسکتی تھیں۔ اپنی جماعت میں آکر مل جانا اور اُن کی مدد سے دوبارہ حملہ کرنا یا میدان سے جان بچانے کے لئے بزدلی کے ساتھ بھاگ جانا۔ تیسری صورت قطعاً حرام ہے اور اول دونوں صورتیں جائز۔ لیکن بدر کے بعد دیگر جہادوں میں ایسا نہیں ہوا۔ لہٰذا جنگ سے رُخ پھیرنا خواہ اس لئے کہ خلیفۂ وقت یا حاکم وقت کے پاس اس کے شہر میں چلا جائے یا کسی اور شرعی عذر کی وجہ سے ہو جائز ہے۔ اس مضمون کی تائید مختلف آثار و احادیث سے ہوتی ہے۔

عبد اللہ بن مبارک نے باسنادِ صحیح حسن بصری سے روایت کی ہے کہ آیت وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗٓ الخ روز بدر کے واسطے حکم تھا اب تو اگر مسلمانوں کی جماعت یا اسلامی شہر کی طرف بھاگ آئے کچھ مضائقہ نہیں۔ نافع نے عبد اللہ بن عمرؓ سے پوچھا ہم لوگ دشمنوں سے قتال کرنے کے وقت ثابت قدم نہیں رہتے۔ ہم کو نہیں معلوم کہ ہمارا (شرعی) فئہ (یعنی ملجا و ماویٰ جس کی طرف بھاگ کر آنا جائز ہے) ہمارا امام ہے یا ہمارا لشکر۔ ابن عمرؓ نے فرمایا فئہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نافع نے کہا اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے:۔

اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ۔ ابن عمرؓ نے فرمایا یہ آیت تو بدر کے دن اُتری۔ نہ اس سے پہلے کے لئے ہے نہ اس کے بعد کے لئے (رواہ ابن ابی حاتم) لیکن بغیر شرعی عذر کے جہاد سے دشمن کے مقابلے کے وقت بھاگنا گناہِ کبیرہ ہے خواہ کوئی جہاد ہو کسی زمانہ میں ہو۔ مومنوں پر کفار کے مقابلہ میں ثبات لازم ہے۔ ابن کثیر کا یہی قول ہے۔

مقصودِ بیان جہاد سے روگردانی کے بغیر عذرِ شرعی کے ممانعت جہاد سے روگردانی کرنے کے شرعی عذر کی تفصیل۔ اس امر کی طرف اشارہ کہ مسلمانوں کی جماعت اور اسلام کی مجموعی طاقت کی حمایت فرض ہے۔ اگر کوئی شخص اسلامی طاقت کی حمایت نہ کرے (اگرچہ وہ شخص فرائض یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ ادا کرتا ہو) مگر جہنمی ہے۔ اس سے آج کل کے علماء کو درسِ بصیرت کی ضرورت ہے جو کفر کے فتوے دے کر اسلامی طاقت کو فنا کر رہے ہیں اور عملی طور پر جمعیتِ اسلامیہ کو تباہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جہاد سے روگردانی صرف اس لئے حرام ہے کہ اس سے مسلمانوں کو ضعف پہنچتا ہے۔ پھر کس طرح ایسے فتنہ انگیز فتوے جائز ہوسکتے ہیں جو اسلام کی جڑ کو کھوکھلا کر رہے ہیں وغیرہ۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
سو تم نے اُن کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اُن کو قتل کیا اور اے محمدؐ نہ تم نے اُن پر خاک پھینکی تھی جبکہ تم نے پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی
رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَاۗءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝
تھی اور (اس کی وجہ یہ تھی کہ) مسلمانوں کو اللہ اپنی بارگاہ سے اچھا انعام عطا فرمائے بلاشبہ اللہ سُنتا جانتا ہے
ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ۝
یہ تو ہوچکا اور یقیناً اللہ کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنے والا ہے

toobaafoundation.com

تفسیر ابن عباس، سدی، ابومعشر، محمد بن قیس، محمد بن کعب، عبدالرحمٰن بن زید، عروہ، مجاہد، عکرمہ، قتادہ اور بہت سے ائمہ تابعین کا قول ہے کہ اس آیت میں جنگ بدر کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ جس وقت بدر کی لڑائی جوش پر آگئی اور حضور اقدسؐ سائبان میں دعا کرنے کے لئے مشغول ہوئے اور کافروں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ مسلمانوں کو زندہ گرفتار کر لیں تو حضورؐ نے میدانِ جنگ کی ایک مٹھی خاک حضرت علیؓ سے منگوائی اور وہ مٹی شَاهَتِ الْوُجُوْهُ کہہ کر کافروں کی طرف پھینک دی جس سے ہر کافر تھوڑی دیر کے لئے اندھا ہو گیا۔ کوئی شخص ایسا نہ بچا جس کی آنکھوں میں اس مٹی کا کچھ حصّہ نہ پڑا ہو۔ بالآخر شکست کھا کر سرپٹ بھاگے۔ ستر گرفتار ہوئے اور ستر مارے گئے۔ اسی واقعہ کی طرف خدا تعالیٰ نے اشارہ فرمایا۔ جمہور مفسرین کا یہی مذہب ہے مگر عبدالرحمٰن بن جبیر سے مروی ہے کہ یہ خیبر کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس میں حضورؐ نے تیر پھینکا تھا اور وہ تیر ابوالحقیق کے جا کر لگا تھا باوجودیکہ ابوالحقیق بستر پر لیٹا ہوا تھا۔

ابن جریر اور حاکم نے باسنادِ صحیح سعید بن مسیب اور زہری کی روایت بیان کی ہے کہ جنگِ احد میں جو حضورؐ نے ابی بن خلف کی ہنسلی کے نیچے ضرب لگائی تھی اور وہ جہنم رسید ہو گیا تھا۔ اگرچہ ضرب بظاہر کاری نہ تھی۔ آیت میں اُسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ان حضرات کو اشتباہ ہو گیا۔ اگرچہ یہ تمام واقعات بجائے خود صحیح ہیں لیکن آیت میں تو جنگ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ سیاق و سباق بھی پر دلالت کر رہا ہے۔ ابتداءِ سورت سے بدر کے ہی واقعات بیان کئے جا رہے ہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آیت میں تو بدر کا واقعہ بیان کیا گیا ہو لیکن بر قول رازی لفظ میں چونکہ عموم ہے اس لئے اس میں اس قسم کے تمام واقعات داخل ہوں۔

جنگ بدر کے بعد ہر مسلمان اپنے کارناموں کا مدعی تھا۔ کوئی کہتا تھا کہ میں نے جنگ میں ایسی بہادری اور جفاکشی کی۔ کوئی کہتا تھا میں نے مجھ سے زیادہ جانفشانی کی فلاں کافر کو قتل کیا۔ چونکہ اس سے اپنی جسمانی طاقت اور ذاتی شجاعت پر بھروسہ ثابت ہوتا تھا اور اپنی قوت و قدرت پر غرور ظاہر ہو رہا تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے فرما دیا کہ تم میں سے کسی نے قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے کافروں کو قتل کیا۔ مسبّب وہی ہے اگرچہ اس نے سبب تم کو بنا دیا اور تم نے کیا نبی نے جو مٹھی بھر کر خاک اُن پر پھینکی تھی وہ بھی درحقیقت نبی کا فعل نہ تھا بلکہ خدا کا تھا۔ غرض یہ کہ تم اپنے کو فاعلِ حقیقی قادرِ مطلق اور فاتح مؤثر نہ سمجھو۔ کوئی شخص کتنا ہی بڑا ہو خواہ نبی ہو درحقیقت خود مختار نہیں بلکہ مؤثر حقیقی خدا تعالیٰ ہے۔

تمہاری فتح اور کافروں کی شکست سے غرض یہ تھی کہ کافر ذلیل ہو جائیں اور مسلمانوں کو خدا تعالیٰ نعمتِ کاملہ اور احسانِ عظیم عطا فرمائے اور مسلمانوں کی اچھی طرح آزمائش بھی ہو جائے (کہ کون اپنی طاقت و شجاعت کو فتح کا اصلی سبب قرار دیتا ہے اور کون نصرت و امدادِ الٰہی پر بھروسہ رکھتا ہے) اب کافروں کے کئے سے کچھ نہیں پڑے گی وہ کچھ بھی تدبیریں اور چالاکیاں کریں اللہ اُن کی کسی تدبیر کو چلنے نہ دے گا۔

مقصودِ بیان اس بات کی تعلیم کہ بندوں کے افعال کو پیدا کرنے والا خدا تعالیٰ ہے۔ بندہ خود اپنے افعال کا مطلق العنان مختار اور مؤثر حقیقی نہیں ہے۔ ذاتی شجاعت اور اپنی طاقت پر بھروسہ نہ کرنا چاہیئے بلکہ جو فتح و کامیابی ہو اس کو محض امدادِ الٰہی سمجھنا چاہیئے۔

اللہ اپنے نبی کے ہاتھ سے کبھی کبھی معجزہ کا اظہار کرا دیتا ہے بظاہر وہ نبی کا فعل معلوم ہوتا ہے مگر درحقیقت وہ خدا کا فعل ہوتا ہے۔ اس سے ایک بات یہ بھی مستنبط ہوتی ہے کہ اگر بطور کرامت و اعجاز کسی سے کوئی خارق عادت فعل سرزد ہو جائے تو اس کا انکار نہ کرنا چاہیئے بلکہ بجائے اس کے کہ اُس کو آدمی کا فعل سمجھا جائے قدرتِ الٰہی پر عمل کرنا چاہیئے۔ آخری آیت سے یہ بات بھی نمایاں ہوتی ہے کہ اہلِ حق ہمیشہ غالب رہیں گے۔ جو لوگ دین پر ثابت قدم رہیں گے اُن کو باطل پرستوں کی کوئی شیطانی تدبیر ضرر نہ پہنچا سکے گی لیکن یہ بات بھی ضرور مترشح ہوتی ہے کہ اہلِ کفر و الحاد دنیا سے بالکل مٹنے والے نہیں ہیں۔ کچھ کافر باقی ضرور رہیں گے۔

إِن تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ وَإِن تَنتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ

اگر تم	فتح چاہتے	تو فتح آموجود	ہوتی	اور اگر	باز آجاؤ	تو تمہارے	حق میں	بہتر ہے

toobaafoundation.com

وَإِن تَعُودُوا نَعُدْ ۚ وَلَن تُغْنِيَ عَنكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ

اور اگر پھر کروگے تو ہم بھی پھر کریں گے اور تمہارا جتھا اگرچہ بہت ہو مگر تمہارے کام نہ آئے گا

وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ ع ۹ ۱۶

اور بلاشبہ اللہ مسلمانوں کا حامی ہے

تفسیر جمہور کے نزدیک آیت میں روئے خطاب کفار مکہ کی طرف ہے۔ کیونکہ امام احمد نے بطریق زہری عبداللہ بن ثعلبہ کی روایت بیان کی ہے کہ ابوجہل نے کہا تھا کہ پروردگار! ہمارے دونوں گروہوں میں سے جو گروہ بھی برادری کے سلوک کو قطع کرنے والا اور ایسی چیز لانے والا ہو جس کو ہم نہیں پہچانتے یعنی قاطعِ رحم ہو اور حق کے خلاف باطل کو پیش کرنے والا ہو اُس کو کل کے روز ہلاک کردے۔ پس ابوجہل ہی استفتاح کرنے والا تھا۔
وقد رواہ النسائی والحاکم وکذا روی عن ابن عباس و مجاہد و ضحاک و قتادہ و یزید بن رومان وغیرہم۔
سدی کا قول ہے کہ مشرکین مکہ نے مکہ سے نکلتے وقت خانہ کعبہ کا پردہ پکڑ کر کہا تھا کہ پروردگار! ہمارے دونوں لشکروں میں سے اعلیٰ کو اور دونوں گروہوں میں سے بزرگ کو اور دونوں میں سے بہتر کو فتح عنایت فرما۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس صورت میں کلام کی بنا تہکم و استہزاء پر ہوگی اور حاصلِ ارشاد یہ ہوگا کہ اے کفارِ مکہ! تم پہلے فتح کی دعا مانگا کرتے تھے تو اب تم نے دیکھ لیا تم کو کیسی فتح حاصل ہوئی (گرفتار ہوئے قید ہوئے اور شکست کھاکر بھاگے) اب بھی تم اگر اسلام کی مخالفت کروگے تو ہم بھی پھر اہلِ اسلام کی مدد کریں گے۔ تمہارا جتھا کتنا ہی کیوں نہ ہو جب ہم مسلمانوں کے ساتھ ہیں تو کچھ بھی تمہارے کام نہ آئے گا۔
آیت میں درپردہ ایک پیشین گوئی ہے کہ آئندہ مشرکین بڑی جماعت بناکر مسلمانوں پر چڑھائی کریں گے مگر کچھ فائدہ نہ اُٹھائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا غزوۂ خندق اور غزوۂ احزاب میں قریش نے بڑی لشکر بندی کی تھی مگر ذلیل وخوار ہوکر واپس ہوئے۔
بعض مفسرین کا قول ہے کہ آیت میں رُوئے سخن مسلمانوں کی طرف ہے۔ جب مسلمانوں نے جنگِ بدر کے موقع پر اللہ سے دعائے فتح اور استغاثہ کیا تو اللہ نے ان کو فتح عنایت کی اور یہ آیت نازل ہوئی۔ قاضی عیاض نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ اس تقریر پر کلام حقیقت پر محمول ہوگا اور حاصلِ ارشاد یہ ہوگا کہ مسلمانو! تم نے ہم سے فتح کی دعا مانگی تھی ہم نے تم کو فتح عنایت کی لیکن تم نے فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دیا تھا اس کا نتیجہ اٹھایا۔ اب آئندہ ایسا نہ کرنا ورنہ ہم پھر بُرا نتیجہ دیں گے اور کبھی یہ نہ سمجھنا کہ فتح کا مدار کثرتِ افراد پر ہے۔ کتنی ہی بڑی جماعت ہو اگر ایمان کامل نہ ہوگا اور اللہ کے حکم کی تعمیل نہ کروگے تو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ کی مدد تو مومنین کاملین کے ساتھ ہے۔ تھوڑے ہوں یا بہت۔ لیکن صحیح تفسیر وہی ہے جو جمہور نے بیان کی ہے۔

مقصودِ بیان جب تک عقائد کی صلاح اور اعمال کی درستگی نہ کی جائے صرف دعا کرنا کافی نہیں ہے۔
اللہ تعالیٰ ہمیشہ مومنین کاملین کی مدد کرتا ہے۔ اہلِ باطل کی جماعت خواہ کتنی ہی بڑی اور شاندار ہو اہلِ حق کے مقابلے میں ہرگز غالب نہیں آسکتی۔ وغیرہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنتُمْ

مسلمانو! اللہ کا اور اس کے رسول کا حکم مانو اور اُس سے نہ پھرو حالاں کہ تم

toobaafoundation.com

تَسْمَعُوْنَ ○ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ○ صلے غ

جانتے ہو اور اُن لوگوں کی طرح نہ بنو جنھوں نے کہا ہم نے سُن لیا حالانکہ وہ سُنتے نہیں ہیں

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ○

بیشک تمام جانوروں میں سب سے بُرے اللہ کے نزدیک وہی بہرے گونگے ہیں جو نہیں سمجھتے ہیں

تفسیر اوپر کی آیت میں تھا کہ خدا تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ہے اس لئے کفار کوئی تدبیر کریں مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس آیت میں بتانا چاہتا ہے کہ خدا کا مسلمانوں کے ساتھ ہونا کچھ مسلمان نام ہونے کی وجہ سے نہیں ہے اور نہ تمہارا صرف مسلمان کہلانا کافی ہے بلکہ دو شرطوں کی تکمیل لازم ہے۔ اول یہ کہ اگر مومن ہونے کے مدعی ہو تو حقیقتِ ایمان اپنے اندر پیدا کرو، اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو مانو اور اُس پر چلو۔ دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سننے کے بعد روگردانی نہ کرو۔ رسولِ خدا کے کلام سے لاپروائی نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ فرمانِ رسول سننے کے بعد سُنی اَن سُنی برابر کر دو اور تعمیل نہ کرو۔ اُن منافق یہودیوں اور مشرکوں کی طرح نہ بن جاؤ جو زبان سے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے حکم سُن لیا اور واقع میں سُنتے سُناتے خاک نہیں کیونکہ اُس کی طرف توجہ اور اُس پر عمل نہیں کرتے۔ قضاء و قدر نے درحقیقت اُن میں حق کے سُننے اور ماننے کی قابلیت و استعداد ہی نہیں دی۔ پس یہ لوگ مویشیوں کی طرح ہیں بلکہ اللہ کے نزدیک تمام چوپایوں اور حیوانوں سے بدتر ہیں کیونکہ اُن کی زبانیں ہیں مگر حق کی گویا نہیں۔ اس لئے یہ گونگے ہیں۔ اُن کے کان ہیں مگر صداقت کو نہیں سنتے اس لئے یہ بہرے ہیں۔ ان کے پاس ہوش حواس اور عقل ہے مگر حق کو سمجھنے والی اور ہدایت و بصیرت کو سوچنے والی نہیں اس لئے یہ بے عقل ہیں۔ تو جو لوگ زبان، کان اور عقل ہوتے ہوئے گونگے بہرے اور بے عقل ہوں وہ یقیناً تمام حیوانات سے بدتر ہیں۔

مقصودِ بیان نام کا مسلمان کہلانا کافی نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی تعمیل ضروری ہے۔ زبان سے اقرار اور دل سے انکار علامتِ نفاق ہے اور زبان سے اقرار عمل سے انکار بھی کچھ سودمند نہیں۔ اس سے حقیقتِ ایمان نہیں پیدا ہوتی۔ جو لوگ کلامِ حق سے گونگے، صداقت کی طرف سے بہرے، ہدایت و بصیرت کے سمجھنے سے کورے ہیں وہ جانور ہیں بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ وغیرہ

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○

اگر اللہ اُن میں کچھ بھلائی جانتا تو اُن کو سُناتا اور اگر اُن کو اب سُنا دے تو یقیناً بے رُخی کرتے ہوئے اعراض کریں گے

تفسیر ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ خاندان عبدالدار کے چند آدمیوں نے حضور اقدسؐ سے عرض کیا کہ آپ قُصی بن کلاب (قریش کا مورث اعلیٰ) کو زندہ کر دیجئے وہ عرب کا بزرگ تھا اگر وہ زندہ ہو کر آپ کی نبوت کی گواہی دے گا تو ہم سب آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اُن کا رد کر دیا کہ اگر اللہ قُصی کو زندہ کر کے اُس کا کلام اُن کو سنوا دے تب بھی وہ سحر و جادو کہہ کر کافر کے کافر بنے رہیں گے (ابن کثیر)

حاصل یہ کہ ان میں ایمان کی قابلیت و استعداد ہی نہیں۔ اگر اللہ مُردوں کو زندہ کر دے اور وہ رسولؐ کی صداقت پر شہادت دے دیں تب بھی یہ مسلمان نہ ہوں گے اور چونکہ ان میں ایمان کی قابلیت ہی نہیں اس لئے خدا مُردوں کو زندہ کر کے اُن کی شہادت اُن کو نہیں سُنواتا۔ اگر ان میں قابلیت ہوتی تو خدا ایسا بھی کر دیتا۔

وضاحت:۔ اللہ ہی کفر و ہدایت کا خالق ہے وہی موفق و ہادی ہے، جو لوگ ایمان کی اہلیت رکھتے ہیں اُن کی ہدایت کے لئے ایک آیت

toobaafoundation.com

کافی ہے اور جب ایک آیت کیا بکثرت آیات بھی کسی کے لئے کافی نہ ہوں اور وہ مزید معجزات کا طالب ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ معجزات کو مؤثر حقیقی اللہ ہادی سمجھتا ہے اور یہ خود عقیدۂ کفر ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں ایمان کی صلاحیت ہی نہیں کہ اگر ہدایت کی طلب کرتا ہے تو وہ کا فرانہ طور پر باطل عقیدہ کے ساتھ۔

مقصودِ بیان معجزات مؤثر حقیقی اور ہادی نہیں۔ کفر و ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے۔ جس کے دل میں مادۂ ہدایت نہ ہو وہ کبھی مومن نہیں ہو سکتا۔ یہ کچھ ضروری نہیں کہ رسول اللہ سے فرمائشی معجزات ہمیشہ ظاہر ہوں۔ وغیرہ

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ

مسلمانو! اللہ کا اور اس کے رسول کا حکم بجا لاؤ جبکہ وہ تم کو ایسے کام کی طرف بلائے جس میں تمہاری زندگی ہے

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ○

اور جان کہ آدمی کے اور اس کے دل کے درمیان اللہ آڑ بن جاتا ہے اور بلاشبہ اس کے پاس تم جمع ہو گے

تفسیر یہ کلام سابق کی تائید ہے یعنی اے وہ لوگو! جو مدعیِ ایمان ہو اللہ کا اور اس کے رسول کا حکم مانو جبکہ وہ تم کو ان امور کی طرف بلا رہے ہیں جن میں تمہاری ابدی زندگی ہے۔ وہ کون امور ہیں جو ابدی زندگی کا باعث ہیں؟ بعض کا قول ہے کہ اس سے مراد علومِ شرعیہ ہیں۔ جمہور کے نزدیک قرآن و حدیث کے اوامر و نواہی مراد ہیں۔ محمد بن اسحٰق کا قول ہے کہ اس سے مراد علومِ شرعیہ ہیں۔ جمہور کے نزدیک قرآن و حدیث کے اوامر و نواہی مراد ہیں۔ محمد بن اسحٰق کا قول ہے کہ اس سے مراد جہاد ہے۔ سدّی کے نزدیک ایمان مراد ہے۔ ابن کثیر نے عام دینِ اسلام مراد لیا ہے اور کہا ہے کہ گزشتہ تمام تفاسیر بطورِ مثال کے ہیں۔ تخصیصی معنی مراد نہیں ہیں۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ نے فرمایا خوب سمجھ لو کہ آدمی (کے ارادہ) کے اور اس کے دل کے درمیان خدا حائل ہوتا ہے۔ ان لفظوں کی تفسیر میں اختلاف ہے ابن جریر وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ اخبار و اطلاع ہے۔ بدر کے روز مسلمانوں کو کثرتِ کفار سے اندیشہ تھا خدا تعالیٰ نے فرما دیا کہ قلوب کی حالت خدا کے قبضہ میں ہے۔ کثرت سے کثیر تعداد کے قلوب خوف زدہ ہو سکتے ہیں جس طرح بدر کے دن کفار کے ہوئے اور قلیل تعداد کے قلوب کو ثبات ہو سکتا ہے، جس طرح مسلمانوں کے دلوں کو ہوا۔

ابن عباسؓ نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ مومن اور معاصی کے درمیان نیز کافر اور ایمان کے درمیان خدا حائل ہو جاتا ہے (یعنی مشیّتِ خدا حائل ہو جاتی ہے اس کی مشیت کی وجہ سے مومن کا اتّصال کفر و معاصی سے نہیں ہوتا اور کافر کا اتصال ایمان و طاعت سے نہیں ہونے پاتا) سعید بن جبیر، ضحاک، عکرمہ، مجاہد اور ابو صالح وغیرہ کا یہی قول ہے۔ سدی کا قول بھی اسی کے قریب قریب ہے۔ یہی صحیح بھی ہے کیونکہ قلب کا فعل یا تو اعتقاد ہے یا جذبہ و ارادہ اور دونوں کا فاعلِ حقیقی خدا ہے۔ وہی ہر اعتقاد و ارادہ دل میں پیدا کرتا ہے اور وہی ہر عقیدہ و ارادہ سے دل کو روکتا ہے۔ رہی یہ بات کہ خدا جسم نہیں جسمانی نہیں پھر وہ کس طرح حائل ہوتا ہے؟ تو ظاہر ہے کہ کلام حقیقت پر محمول نہیں بلکہ مجازی معنی مراد ہیں یعنی مشیّتِ الٰہی حائل ہو جاتی ہے (سدی) علمِ الٰہی حائل ہو جاتا ہے (ربیع بن انس) اللہ دلوں کے قریب ہے (حسن بصری)

اولیٰ یہ ہے کہ کسی معنی کی تعیین نہ کی جائے۔ احادیث میں آتا ہے کہ ہر دل اللہ کی انگلیوں کے درمیان ہے۔ جب چاہا اس کو ٹھیک رکھا جب چاہا موڑ دیا۔ اس کے معنی بھی مجازی مراد ہیں۔

مقصودِ بیان قرآنِ پاک اور احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واجب العمل ہونے کی صراحت (اس سے فرقۂ قرآنیہ کا رد نکلتا ہے جو احادیث کو نہیں مانتے) اللہ کے قادر و مختار ہونے کی تصریح اور اس بات کی طرف اشارہ کہ ہدایت و ضلالت خدا کے

toobaafoundation.com

اختیار میں ہے۔ اِس امر پر تنبیہ کہ انسان کو توبہ واستغفار اور نیک عمل میں جہاں تک ممکن ہو جلدی کرنی چاہیئے۔ خدا جانے کچھ دیر کے بعد نیکی کا ارادہ قائم رہے یا نہ رہے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا

اور تم اُس بلا سے ڈرو جو تم میں سے صرف ظالموں ہی پر چُن کر پڑے گی اور جانے رہو

اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

کہ اللہ کی مار بڑی سخت ہے

تفسیر فتنہ سے مراد ہر وہ امر ہے جس سے دل قائم نہیں رہتا۔ مثلاً قحط سالی، گرانی، افلاس، ظالموں کا غلبہ، بدکاروں کا تسلط، فاجروں کی.... گناہگاری اور نیکوں کا اس کو نہ روکنا وغیرہ۔ ان تمام امور سے دل متزلزل ہو جاتا ہے یا باوجود ثباتِ قلب کے انسان مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ حسن بصری کے قول کے مطابق یہ آیت چار صحابیوں کے حق میں نازل ہوئی، علی، عمار، طلحہ، زبیر۔ مطلب یہ ہے کہ خصوصیت کے ساتھ اس آیت کا مصداق آئندہ زمانے میں یہ چار صحابہ ہوئے ورنہ دوسرے صحابی بھی اس آیت کے مفہوم کے مصداق بنے۔ پھر آیت میں صحابی اور غیر صحابی کی کوئی تخصیص بھی نہیں ہے بلکہ عمومی حکم ہے۔

سدی کہتے ہیں کہ یہ آیت اہلِ بدر کے حق میں نازل ہوئی۔ چنانچہ جنگِ جمل میں اہلِ مصر کے فتنہ کی وجہ سے وہ لوگ آپس میں لڑے مرے اور مصیبت میں مبتلا ہوئے اور بروایت علی بن طلحہ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ یہ آیت سب کے حق میں ہے۔ مجاہد، ضحاک، یزید بن ابی حبیب کا بھی یہی قول ہے۔

ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو مبتلائے فتنہ نہ ہو کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ پس جو کوئی فتنہ سے پناہ مانگے اس کو چاہیئے کہ گمراہی میں ڈالنے والے فتنوں سے پناہ مانگے (رواہ ابن جریر)

ہم پہلے آیت کا توضیحی مطلب لکھتے ہیں۔ پھر چند احادیث لکھیں گے جن میں فتنہ کی حالت کا بیان ہے۔ یہ اصل ارشاد ہے کہ اُس فتنہ سے اہلِ ایمان کو پرہیز چاہیئے جس کا وبال فقط ظالموں اور اصل مجرموں پر ہی نہیں پڑے گا بلکہ اُن کی شامتِ اعمال سے سب پر پڑے گا۔ نیک لوگ بھی آئی کے مضر پر آجائیں گے کیونکہ جب دلیر لوگ لڑائی میں سستی کرنے لگیں اور اس وجہ سے بزدل بھاگ جائیں تو شکست کا خمیازہ سب ہی کو بھگتنا پڑتا ہے۔ اسی طرح دین میں مداہنت کرنے اور گناہگاروں کو گناہ سے نہ روکنے کے باعث، عذابِ الٰہی جب نازل ہوتا ہے تو سب پر عام ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جانوروں تک کو اس کا بھگتان بھگتنا پڑتا ہے۔

عدی بن عمیرؓ کی روایت ہے حضورؐ نے فرمایا خاص بندوں کی بدفعلی کی وجہ سے عام بندوں کو خدا تعالیٰ اُس وقت تک مبتلائے عذاب نہیں کرتا، جب تک کہ وہ لوگ اپنے سامنے بدکاری ہوتے دیکھ کر منع کرنے سے باز نہ رہیں۔ درآنحالیکہ منع کرنے پر قادر بھی ہوں۔ پس اگر انھوں نے منع نہ کیا تو اللہ تعالیٰ بدنام کرنے والوں اور نہ کرنے والوں سب کو مبتلائے عذاب فرما دیتا ہے۔ (رواہ احمد)

حذیفہ بن یمانؓ سے مروی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ضرور تم ایسی باتوں کا حکم دو گے جو شرع میں اچھی ہیں اور ایسی باتوں سے منع کرو گے جو شرع میں بُری ہیں ورنہ اللہ تم پر ایک قوم کو مسلط کر دے گا جس سے بچنے کی تم دعائیں کرو گے مگر قبول نہیں ہوں گی۔ (رواہ احمد)

نعمان بن بشیر کی روایت بخاری نے لکھی ہے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے جہاز میں نیچے کے درجہ والے اگر پانی لینے اور اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے جہاز میں چھید کر دیں اور اوپر والے منع نہ کریں تو سب کے سب غرق ہو جائیں گے۔

toobaafoundation.com

حضرت جریر کہتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو قوم بدکاری کرے اور اُن میں کوئی باعزت شخص ہو جو روک سکتا ہو مگر نہ روکے تو اللہ سب کو عذاب میں مبتلا کردے گا (رواہ احمد ابوداؤد)

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا جب زمین میں بدکاریاں پھیلیں گی تو اللہ اُن پر عذاب نازل فرمائے گا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ اُن میں اللہ تعالےٰ کے فرماں بردار بندے بھی ہوں گے؟ فرمایا ہاں ہوں گے لیکن (مرنے کے بعد) وہ اللہ کی رحمت و رضوان میں چلے جائیں گے (رواہ احمد) یعنی وہ عذاب اُن کے لئے عذاب نہ ہوگا بلکہ مرنے کے بعد رحمتِ الٰہی اُن کو حاصل ہوگی اگرچہ بظاہر عذاب کی شکل میں ہوگا۔

رہی یہ بات کہ عمومی بدکاری کے وبال سے بچنے کے لئے اہلِ حق کو کیا کرنا چاہیئے؟ تو اس کا بیان خود حدیث میں آگیا ہے کہ اگر ہاتھ سے روک سکتا ہو تو روکے ورنہ زبان سے ہی منع کرے اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو کم از کم دل سے ہی اُس کو بُرا جانے۔ اُس کے نیچے رائی کے برابر ایمان نہیں ہے۔

مقصودِ بیان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پُرزور تاکید۔ اس بات کی صراحت کہ عمومی گناہوں کے وبال سے خواص بھی محفوظ نہیں رہ سکتے۔ اس امر کی طرف تنبیہ کہ آئندہ جب بدکاری عام ہوجائے گی تو اس کا وبال ضرور بھگتنا ہوگا اور پھر اس وبال سے نیک لوگوں کی بھی جان نہ چھوٹے گی۔ آیت سے یہ بات بھی ضمنی طور پر مترشح ہوتی ہے کہ اکثریت کا فعل قابلِ اعتبار ہوتا ہے نیکی تو اکثریت کی قابلِ اعتبار ہے ہی، بدی بھی اکثریت ہی کی معتبر ہے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ

اور یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے اور ملک میں کمزور سمجھے جاتے تھے تم ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو

يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ

اُچک لے جائیں گے پس اللہ نے تم کو جگہ دی اور تم کو اپنی مدد سے قوت دی اور تمہیں پاکیزہ چیزیں عنایت کیں

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

تاکہ تم شکر کرو

تفسیر اِن آیات میں روئے خطاب صحابۂ مہاجرین کی طرف ہے۔ واقعہ بدر کے بعد اِن آیات کا نزول ہوا۔

الارض سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک سرزمین مکہ ہے مگر حکم ہر صورت عام ہے اسی لئے قتادہ بن دعامہ سدوسی نے فرمایا کہ یہ گروہ عرب سب لوگوں سے زیادہ ذلیل اور سب سے بڑھ کر ننگا بھوکا تھا۔ جیتا تھا تو بدبختی کی حالت میں اور مرا تو جہنمی۔ واللہ میں نہیں جانتا کہ اس وقت روئے زمین پر کوئی اُن سے زیادہ بدحال ہو۔ یہاں تک کہ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اسلام کو بھیجا اور عرب کو شرف فرما کر دنیا کے ممالک میں اُن کو شوکت و قوت دے کر اُن کے قدم بادشاہوں کی گردنوں پر رکھے۔ تم جو کچھ یہ دیکھ رہے ہو اسی اسلام کی بدولت ہے۔ الخ آیات کا مطلب ظاہر ہے۔

مقصودِ بیان اسلام شروع میں کمزور حالت میں تھا لیکن مسلمانوں نے چونکہ احکامِ اسلام کی تعلیم کی اس لئے خدا تعالیٰ نے اُن کی مدد کی اور شوکت و قوت حاصل ہوئی۔ اس نعمت کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے۔ آیت میں ضمنی طور پر تعمیلِ احکامِ اسلامیہ کی ترغیب ہے۔ وغیرہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ

مسلمانو! اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو اور جان بوجھ کر اپنی باہمی امانتوں میں

toobaafoundation.com

تَعْلَمُوْنَ ○ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ

خیانت　نہ کرو　اور جان لو　کہ تمہارے　مال　اور تمہاری اولاد　تمہاری آزمائش ہے　اور اللہ کے

اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ؏

ہاں　بڑا　ثواب　ہے

ع ۱۷

تفسیر اس آیت کے سببِ نزول میں اہلِ تفسیر کے چند اقوال ہیں:- (۱) یہ آیت ابولبابہ بن عبد المنذر کے قصہ کے متعلق نازل ہوئی۔ بنی قریظہ یہودیوں کا ایک خاندان تھا جو مدینہ کے قریب رہتا تھا۔ انھوں نے باوجود معاہدہ جنگ احزاب میں جبکہ مشرکوں نے آکر مدینہ کا محاصرہ کیا تھا مشرکوں کی مدد کی اور معاہدہ کی سخت خلاف ورزی کی جس سے مسلمانوں کو ضرر پہنچا۔ جنگِ احزاب ختم ہوگئی اور مشرکین واپس بھاگ گئے تو حضور اقدسؐ نے بنی قریظہ کا محاصرہ کیا اور تین روز یا ایک ہفتہ یا اکیس روز محاصرہ قائم رہا۔ یہودی تنگ ہوئے تو صلح و امان کے خواستگار ہوئے۔ ابولبابہ ایک انصاری تھے۔ ان کے بال بچے اور کل مال بنی قریظہ کی گڑھی کے اندر تھا اور یہودیوں سے ان کا میل جول بھی تھا۔ حضورؐ نے ابولبابہ کو بھیجا کہ یہودیوں سے جاکر کہہ دو ہم کوئی شرط مقرر نہیں کرتے البتہ سعد بن معاذ جو فیصلہ کردیں اس پر ہم راضی ہیں بشرطیکہ تم بھی راضی ہو۔ ابولبابہ نے جاکر پیغام پہنچا دیا۔ یہودیوں نے ابولبابہ سے مشورہ کیا کہ تمہاری رائے میں ہم کو سعد کے فیصلہ پر راضی ہوجانا چاہیے یا نہیں؟ ابولبابہ نے انگلی سے حلق کی طرف اشارہ کیا۔ مطلب یہ تھا کہ سعد تو تمہارے قتل کا فیصلہ دیں گے۔ اس کے بعد ابولبابہ بہت پچھتائے اور حضورؐ کے پاس واپس نہ آئے بلکہ باہر ہی باہر آکر مسجد کے ستون سے اپنے آپ کو مضبوط بندھوا دیا اور قسم کھائی کہ جب تک میری توبہ قبول نہ ہوگی اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا اسی طرح مر جاؤں گا۔ تین دن اسی طرح گزرے تو بے ہوش ہوگئے۔ حضورؐ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا اگر میرے پاس آتا تو میں اس کے لئے استغفار کرتا۔ اب چونکہ حق تعالیٰ نے بلاواسطہ رجوع کیا ہے اس لئے اب اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی حکم فرمائے۔ اسی حال میں قریب ایک ہفتہ کے گزر گیا اور یہ آیت مع آئندہ آیت کے نازل ہوئی۔ لوگ خوش ہوکر بشارت دینے کے لئے ان کے پاس گئے اور کھولنا چاہا۔ ابولبابہ نے قسم دی کہ مجھے نہ کھولو جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود دستِ مبارک سے نہ کھولیں۔ بالآخر حضورؐ نے تشریف لے جاکر کھولا (کذا قال ابن ابی قتادہ والزہری)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک سے رہ جانے کی وجہ سے ابولبابہ نے ایسا کیا تھا۔ ابن عبدالبر نے استیعاب میں اسی کو ترجیح دی ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حاطب بن ابی بلتعہ کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی جب فتح مکہ کے لئے لشکر کشی کا ارادہ مسلمانوں نے کیا تو حاطب نے ایک خط اہلِ مکہ کو لکھا اور اس میں مسلمانوں کے ارادہ کی اطلاع دی۔ کیونکہ حاطب کے بچے اور مال قریش کی حفاظت میں تھا۔ ان کو اپنے اہل و عیال اور مال کے تلف کا اندیشہ ہوا۔ حضورؐ کو یہ واقعہ وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوگیا۔ آپ نے علیؓ اور زبیر بن عوام کو بھیج کر وہ خط راستہ میں پکڑوا لیا اور بالآخر حاطب کی توبہ قبول ہوئی۔

سدی کہتے ہیں اس میں منافقوں اور بعض سادہ لوح مسلمانوں کی طرف اشارہ ہے جو حضورؐ کی راز کی باتیں اور مسلمانوں کی باہمی تجویزیں پھیلا دیتے تھے اور اس طرح دشمنوں کو مسلمانوں کے راز کی اطلاع ہوجاتی تھی۔ اولیٰ یہ ہے کہ سببِ نزول اگرچہ خاص ہو مگر حکم عمومی ہے۔ اس میں ہر قسم کی خیانت داخل ہے خواہ مال کی ہو خواہ غنیمت کی، خواہ آبرو کی، خواہ کسی راز کی اور تجویز کی۔ بلکہ ہر فرض و سنت کا ترک اور ممنوع و حرام کا ارتکاب بھی چونکہ اللہ اور رسول کی خیانت ہے اس لئے یہ بھی اس حکم میں داخل ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانو! فرائضِ الٰہی اور سنتِ رسولؐ کو ترک مت کرو، نہ رسول اللہؐ کے اندرونی راز کا افشا کرو۔ نہ آپس میں ایک دوسرے کے مال، عزت، عہد اور امانت کی خیانت کرو اور یہ خیال نہ کرو کہ اس طرح سے تمہارے بال بچے اور مال کی حفاظت ہوجائے گی۔ یہ چیزیں تو خدا

toobaafoundation.com

کی طرف سے تمہاری آزمائش ہیں۔ احکام اسلامی کے مقابل میں ان کا لحاظ نہ کرو۔ اگر احکام اسلامیہ کی خلاف ورزی نہ کروگے تو اللہ تعالیٰ تم کو اجرِ عظیم عطا کرے گا۔ پس تم مال اولاد کی طمع میں اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کرکے اجرِ عظیم کو ضائع نہ کرو۔

مقصودِ بیان

ہر قسم کے فرض اور سنت کی بجاآوری کی تاکید آپس میں ایک دوسرے کی خیانت کرنے کی ممانعت۔ خیانت کی کوئی شکل ہو۔ اِس امر کی صراحت کہ مال واولاد ہی درحقیقت انسان کو کج راہ بناتے ہیں۔ انہی کی محبت سے آدمی اسلام کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ مگر یہ ایک آزمائش ہے ایسا نہ کرنا چاہیئے وغیرہ۔ بعض حضرات جو قرآن کے علاوہ سنتِ رسول اللہ پر عمل کرنے کو ہیچ سمجھتے ہیں۔ اُن کے لئے آیت میں ذخیرۂ عبرت پوشیدہ ہے۔ سنتِ رسول کو ماننا اور اُس پر چلنا بھی بحکم آیت ضروری ہے لیکن جس حد تک وہ منقول ہو اُسی حد تک اُس پر چلنا چاہیئے۔ اگر سنت سے اُس کا وجوب ثابت ہو تو بطور وجوب اُس کو ادا کرنا چاہیئے۔ اگر بطور سنتِ مؤکدہ ثابت ہو تو سنتِ مؤکدہ کے طور پر کرنا چاہیئے۔ اور اگر حضورؐ نے کبھی اس کو ترک بھی کیا ہے تو کبھی اُس کو ترک بھی کرنا چاہیئے۔ وغیرہ

یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّیُكَفِّرْ عَنْكُمْ

مسلمانو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہوگے تو وہ تمہارے لئے امتیاز کردے گا اور تمہارے گناہ تم سے

سَیِّاٰتِكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝

دور کردے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بڑی مہربانی والا ہے

تفسیر

فُرقان سے مراد ابن عباس، مجاہد، سدی، عکرمہ، ضحاک وغیرہ کے نزدیک نجات ہے۔ ابن عباسؓ کی دوسری روایت میں ہے کہ فتحیابی مراد ہے۔ محمد بن اسحٰق کا قول ہے کہ فرقان سے مراد ہے حق و باطل میں امتیاز۔ میری رائے میں عموم مفہوم اولیٰ ہے۔ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔ آیت میں تقویٰ کے تین نتائج بیان کئے ہیں۔ مغفرت، برائیوں کی معافی، فرقان وامتیاز خواہ دین میں ہو یا دنیا میں۔ دینی فرقان تو ظاہر کہ اہل تقویٰ کے خاص علامات اور امتیازات ہوں گے اور دنیوی فرقان کی مختلف صورتیں ہیں۔ حکومت شوکت، فتح ونصرت غلبہ مکارمِ اخلاق وغیرہ۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ مسلمانو! اگر تم شرک اور معاصی سے اجتناب رکھوگے تو ہم آخرت میں تمہاری مغفرت کریں گے، تمہارے گناہ معاف فرمائیں گے، تم کو نجاتِ ابدی دیں گے، تم کو خاص امتیازات عطا کریں گے اور دنیا میں بھی تمہاری امتیازی شان رکھیں گے۔ ہماری مخصوص عنایات تمہارے شاملِ حال ہوں گی۔

مقصودِ بیان

تقویٰ کی ترغیب۔ اس امر سے ضمنی ترشح کہ بغیر خاص تقویٰ کے بھی مومن ہو سکتا ہے۔ اگرچہ کمالِ ایمان کا درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ یعنی اگر فقط شرک سے اجتناب کیا تو مومن کا اطلاق اس پر صحیح ہے اگرچہ معاصی سے پرہیز نہ کیا ہو۔ لیکن اگر معاصی کو بھی ترک کردیا تو اس سے کامل مومن ہو جائے گا۔

اس امر کی صراحت کہ تقویٰ سے علاوہ مغفرت اور عفو وقصود کے دین و دنیا میں خصوصی امتیاز بھی حاصل ہوتا ہے۔ گویا ہر دینی اور دنیوی امتیاز مدار تقویٰ پہ ہے۔

وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ ؕ

(اے محمدؐ) یاد کرو جب کافر تم پر داؤ چلانا چاہتے تھے تاکہ تم کو قید کردیں یا قتل کردیں یا جلاوطن کردیں

toobaafoundation.com

وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ○

وہ بھی تدبیر کر رہے تھے اور اللہ بھی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے

تفسیر محمد بن اسحاق، قتادہ، مقسم وغیرہ نے متعدد طرق سے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب کفار مکہ نے دیکھا کہ اسلام کے خلاف کوئی تدبیر نہیں چلتی تو دار الندوہ میں جمع ہوئے۔ اہل ندوہ میں قریش کے بڑے بڑے سردار تھے۔ شیبہ، ابوجہل، طعیمہ بن عدی، نضر بن حارث، امیہ بن خلف، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام اور ابوالبختری وغیرہ موجود تھے۔ ہر ایک نے اپنی تجویز پیش کرنی شروع کر دی۔ ایک خبیث شیطان بھی نجدی شیخ کی صورت میں شریک تھا اور اپنی رائے دینے آیا تھا۔ ابوالبختری بولا میری رائے تو یہ ہے کہ ایک بند مکان میں قید کر دو۔ اس صورت میں نہ کوئی ان کے پاس آنے پائے گا نہ یہ اُس کو بے راہ کر سکیں گے۔ صرف دانہ پانی پہنچانے کو اس جیل خانے میں ایک روشندان یا کھڑکی رکھو۔ بالآخر جس طرح دوسرے شاعر زہیر، نابغہ وغیرہ مر گئے اسی طرح محمدؐ بھی مر جائیں گے۔ نجدی بولا یہ ٹھیک نہیں اُس کے ہمراہی تم سے لڑیں گے اور اُس کو چھڑا لے جائیں گے۔ کوئی اور تجویز سوچو۔ ہشام بن عمر نے کہا میری رائے میں محمد کو شہر بدر کر دو۔ اس صورت میں نہ یہ ہمارے سامنے ہوں گے، نہ اپنی تدبیروں سے ہم کو یا ہمارے اہل وطن کو اپنا بنا سکیں گے۔ نجدی بولا یہ بھی ٹھیک نہیں ان کی میٹھی میٹھی باتیں دوسروں کے دل لبھاتی ہیں۔ وہ اپنا ایک بڑا جتھا کر کے تم سے لڑیں گے اور انجام کار تم کو نیچا دیکھنا پڑے گا۔ اور کچھ سوچو۔ ابوجہل بولا اچھا ہر قبیلہ سے ایک ایک جوان لے لو اور وہ سب مل کر بلوے کے طور پر محمدؐ کو قتل کر ڈالیں۔ جب محمد مارے گئے تو ہر طرح اطمینان ہو جائے گا۔ اس کا نتیجہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ محمدؐ کے اقارب قتل کرنے والوں پر قصاص کا دعویٰ کریں گے اس لئے ہم تمام سردار یعنی امرائے مکہ مدعیان قصاص کو خونبہا دیدیں گے۔ کیونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ بنی ہاشم جب تمام قریش سے لڑنے کی طاقت اپنے اندر نہ دیکھیں گے تو مجبور ہو کر دیت ہی قبول کریں گے۔ آخر اس رائے پر سب کی مہر ہو گئی اور یہ لوگ یہاں سے اُٹھ کر اپنی تدبیر میں مشغول ہوئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرئیل آئے اور بخیریت کی کل خبر دے کر کہا آپ یہاں رات نہ گزاریں۔ حسب وحی حضورؐ والا شب کو اپنی جگہ حضرت علیؓ کو لٹا کر اپنی چادر اُڑھا کر حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر کوہ ثور کے غار میں جا چھپے۔ کافر آکر تمام رات گھر کو گھیرے پڑے رہے۔ صبح جب حضورؐ کو نہ پایا تو جستجو میں چاروں طرف پھیل گئے۔ جس غار میں حضور تشریف رکھتے تھے وہاں تک بعض تلاش کرنے والوں کو نشان قدم دیکھ کر قیافہ شناسوں نے لا کر کھڑا کر دیا مگر اللہ نے ان کو لاعلم رکھا اور حضور اقدسؐ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تین شب اسی غار میں رہ کر معمولی راستہ کو ترک کر کے بخیر و عافیت مدینہ منورہ جا پہنچے۔ اسی قصہ کی طرف آیت میں اشارہ ہے۔

يُثْبِتُوْكَ یعنی تجھے بیڑیوں میں جکڑ دیں (قتادہ، ابن عباس، مجاہد) یا تجھے قید خانہ میں بند کر دیں (عطاء بن زید) سدی نے دونوں معنوں کا مجموعہ بیان کیا ہے۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اے نبی! اللہ کے اس احسان عظیم کو یاد کرو کہ کفار نے باہم خفیہ تدبیریں کی تھیں کہ تم کو گرفتار کر کے جکڑ بند کر کے قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا شہر بدر کر دیں مگر اللہ بھی اپنی تدبیر میں لگا ہوا تھا اور بالآخر اللہ ہی کی تدبیر غالب آئی۔ کفار کی تدبیریں بے سود ہو گئیں۔

مقصود بیان انعام خصوصی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد دہانی اس بات کی وضاحت کہ تدبیر الٰہی ہمیشہ غالب آتی ہے اور اللہ کی تدبیر کا نتیجہ اچھا ہی نکلتا ہے بُرا کبھی نہیں نکلتا۔ یعنی کفار کی مکاری کا انجام اچھا نہیں نکلتا۔ اس بات کی طرف ضمنی ایماء کہ اللہ تعالیٰ کی امداد ظاہری اسباب کی محتاج نہیں، وہ بغیر مادی اسباب کے اپنے خاص بندوں کی امداد فرماتا ہے۔ وغیرہ

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاۗءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ

اور جب اُن کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں ہم نے سن لیا اگر ہم چاہتے تو ہم بھی ایسا کہہ سکتے تھے

toobaafoundation.com

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ○

یہ تو صرف اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں

تفسیر نضر بن حارث بن کلاہ ایک بڑا تاجر تھا۔ تجارت کی غرض سے ایران، حیرہ، عراق، شام وغیرہ کا سفر کرتا تھا اور ایران میں اسفندیار کے قصے سُن کر اُس نے یاد کر لئے تھے اور وہاں سے آکر رات کو قریش کو وہی جھوٹے قصے سُناتا اور کہتا تھا دیکھو میرے بیان کئے ہوئے قصے بہتر ہیں یا محمد کے۔ اسی شخص نے کہا تھا کہ ہم بس سُن چکے۔ ہم خود اگر چاہیں تو ایسے قصے کہہ سکتے ہیں یہ پارینہ قصے ہیں، اِن میں رکھا ہی کیا ہے۔ کمبخت قرآن کی مثل فصیح بلیغ عبارت اور ہدایت آمیز، صداقت انگیز معانی پیش کرنے سے تو قاصر تھا اس لئے اِس بات کا تو دعویٰ نہیں کیا کہ میں بھی ایسا بلیغ کلام کہہ سکتا ہوں بلکہ دعویٰ کیا تو یہ کیا کہ میں بھی ایسے قصے کہہ سکتا ہوں۔

مقصودِ بیان قریش کے بیہودہ اقوال کا اظہار، آیاتِ الٰہی اور پیامِ ہدایت کو پارینہ قصص کہنے کی صراحت۔ اس بات کی طرف ضمنی اشارہ کہ ازلی گمراہوں کو واضح پیامِ حق بھی سود مند نہیں ہوتا وہ اس کو قصۂ پارینہ ہی سمجھتے ہیں۔

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا

(وہ وقت بھی یاد کرو) جبکہ انھوں نے کہا کہ یا اللہ! اگر یہی تیری طرف سے حق دین ہے تو ہم پر آسمان سے

حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ

پتھر برسا یا کوئی دردناک عذاب ہم پر بھیج دے حالانکہ جب تم اُن میں موجود ہو تو

وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○ وَمَا

اللہ اُن کو عذاب نہیں دے گا اور جب تک وہ استغفار کرتے ہیں اللہ اُن کو عذاب دینے والا نہیں انھیں

لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا

اس بات کا کیا اطمینان ہے کہ اللہ اُن کو عذاب نہیں دے گا حالانکہ یہ کعبہ سے لوگوں کو روکتے ہیں باوجودیکہ

كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

اس کے مختار نہیں ہیں درحقیقت اس کے متولی تو پرہیزگار لوگ ہیں لیکن ان میں سے بہتیروں کو واقفیت

يَعْلَمُوْنَ ○ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ۭ

نہیں ہے خانہ کعبہ کے پاس سوائے سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے ان کی نماز ہی کیا تھی

toobaafoundation.com

فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ

لہٰذا اپنے کفر کے عوض عذاب کا مزہ چکھو

تفسیر حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ اِس قول کا قائل ابوجہل تھا (بخاری) ابن عباسؓ کہتے ہیں یہ بھی نضر بن حارث نے کہا تھا۔عطا کہتے ہیں اس سے زائد قرآنی آیات میں نضر بن حارث کی شقاوت ظاہر کی گئی ہے۔ مجاہد وغیرہ تابعین نے بھی اس کو نضر کا قول قرار دیا ہے۔ابن مردویہ نے بروایت بریدہ بیان کیا ہے کہ میں نے خود دیکھا عمرو بن عاص (کفر کی حالت میں) گھوڑے پرسوار احد کے روز کہہ رہا تھا کہ اے اللہ! اگر یہی حق ہے جو محمد کہتے ہیں تو مجھے گھوڑے سمیت زمین میں دھنسا دے۔اولیٰ یہ ہے کہ کفار قریش میں کسی کی تخصیص نہ کی جائے بلکہ یہ قول عام طور پر کفار قریش کا قرار دیا جائے کیونکہ بعض لوگ قائل تھے اور باقی اس قول پر راضی تھے۔لہٰذا کل قائل قرار پائے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ کفار کہتے ہیں الٰہی! اگر یہ تعلیم محمد اور قرآن تیرے پاس سے واقعی ہو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا کر ہم کو ہلاک کردے۔
خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ (باوجود اس ہٹ اور اصرار کے) ہم نے ان پر عذاب نازل نہیں کیا۔اس کی دو وجوہ ہیں۔(۱) اے نبی! تم ان میں موجود تھے یعنی جس قوم میں نبی موجود ہو تو جب تک وہ اُن میں موجود رہے گا ان سے الگ نہ ہوگا، عذاب نازل نہ ہوگا۔(۲) وہ استغفار کرتے ہیں یعنی اپنے قول کی معافی مانگتے ہیں۔اس لئے اُن پر عذاب نازل نہیں ہوگا۔

ابن جریر نے بروایت یزید بن رومان و محمد بن قیس بیان کیا ہے کہ اہلِ مکہ نے کہنے کو تو یہ بات کہہ دی مگر جب شام ہوئی تو نادم ہو کر اللہ سے معافی مانگی۔ابن ابی حاتم نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ استغفار سے حالتِ طواف میں استغفار کرنا مراد ہے کیونکہ قریش دورانِ طواف میں استغفار کرتے تھے۔

ابن عباس رضؓ کی روایت میں ہے کہ معافی مانگنے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جن کے لئے ازل میں ایمان مقرر ہو چکا تھا اور وہ آئندہ ایمان لانے والے تھے۔مجاہد، عطیہ، عکرمہ، سدی اور سعید بن جبیر سے بھی یہی مروی ہے۔

ضحاک اور ابو مالک کے نزدیک وہ مومن مراد ہیں جو مکہ میں موجود تھے اور کفار مکہ نے ان کو قید کر رکھا تھا۔

اس سے آگے خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔(انہی دونوں وجوہ سے اُن پر عذاب نازل نہ ہوا ورنہ) ان کو کوئی ذاتی استحقاق نہ تھا کہ عذاب اُن پر نازل نہ ہوتا۔

اس کے بعد فرماتا ہے:۔اُن پر عذاب نازل نہ کرنے کی (اور کوئی وجہ نہیں بلکہ عذاب کی مقتضی دو وجوہ موجود ہیں۔(۱) ایک تو یہ کہ خانہ کعبہ کا طواف کرنے سے یہ لوگ مومنوں کو روکتے ہیں حالانکہ کعبہ کے متولی ہونے کا ان کو استحقاق نہیں۔کعبہ کی تولیت کے حقدار تو بس وہی لوگ ہیں جو اہلِ تقویٰ (رسول اللہ صحابہ مومنین) ہیں۔(۲) دوسرے یہ کہ بجائے نماز پڑھنے کے یہ لوگ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے ہیں۔نہ خود نماز پڑھتے ہیں نہ مسلمانوں کو اطمینان کے ساتھ پڑھنے دیتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ان پر عذاب ضرور آئے گا۔عذاب کے دواعی موجود ہیں مگر بالفعل چونکہ دواعی کے ساتھ موانع بھی موجود ہیں اس لئے رُکا ہوا ہے جب یہ موانع نہ رہیں گے تو عذاب ضرور آئے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔جب حضورؐ مکہ سے ہجرت کر گئے اور مکہ والوں نے استغفار بھی چھوڑ دیا اور جو کمزور بے طاقت اہلِ ایمان اُن کے پنجہ میں گرفتار تھے وہ بھی کسی تدبیر سے نکل آئے تو جنگِ بدر کی شکل میں اُن پر عذاب نازل ہوا۔شکستوں پر شکستیں نصیب ہوئیں۔ہزاروں مارے گئے۔بالآخر مکہ بھی فتح ہوگیا اور دوامی عذاب میں ماخوذ ہوئے۔

toobaafoundation.com

مقصودِ بیان عذاب نہ نازل کرنے کے وجوہ کا بیان اس بات کی صراحت کہ وجودِ نبیؐ ان پر عذاب نازل ہونے سے مانع تھا۔
اس امر کی طرف لطیف ایما کہ خاص حضورؐ کی برکتیں اور ان کی موجودگی اور ان کا توبہ استغفار اور دعا عذاب نازل نہ ہونے کا سبب ہوتی ہے۔ اگرچہ دوامی واسباب موجود ہوں، نزولِ عذاب کے تمام مقتضیات فراہم ہوں۔ اہلِ حق پر ظلم ہو، لوگ عام طور پر شرک و معاصی میں مبتلا ہوں مگر خاص بندوں کے وجود کی برکت اور اُن کی دعا سے نزولِ عذاب موقوف ہوجاتا ہے۔
اس بات کی صراحت کہ کعبہ کی تولیت اُنہی لوگوں کا حق ہے جو عبادت گزار، پرہیزگار، اطاعت شعار ہوں۔ کفار چونکہ کعبہ کا احترام نہیں کرتے اس کے پاس کھڑے ہوکر تالیاں اور سیٹیاں بجاتے ہیں اور نماز بھی نہیں پڑھتے اس لئے ان کو متولی ہونے کا کوئی حق نہیں۔ اس امر کی نص کہ جنگِ بدر میں کافروں کا قتل ان کے کفر و شرک کا نتیجہ تھا۔ وغیرہ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ

جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ کی راہ روکنے کے لئے اپنے مال خرچ کرتے ہیں تو وہ اب تو خرچ

فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

کرتے رہیں گے لیکن انجام کار اُن کو پشیمانی ہوگی اور بالآخر وہ مغلوب ہوں گے اور جو لوگ کافر ہیں

إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ۙ لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ

وہ جہنم کی طرف کھینچے جائیں گے تاکہ اللہ ناپاک کو پاک سے جدا کردے اور ناپاک

الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ

کو ایک دوسرے پر رکھے اور سب کا ڈھیر بنا کر ڈھیر کو جہنم میں ڈال دے

أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ع

یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں

ع ۱۸/۱۹

تفسیر يُنفِقُونَ اور سَيُنفِقُونَهَا سے کونسا خرچ مراد ہے؟ اس میں اہلِ تفسیر کا اختلاف ہے۔ محمد بن اسحاق نے بروایت زہری و محمد بن یحیٰی بن حبان و بن عاصم بن عمر بن قتادہ و حصین بن عبدالرحمٰن بیان کیا ہے کہ بدر کے روز جب قتل و قید ہوئے اور پھر قید سے چھوٹ کر مکہ پہنچے اور ابوسفیان بھی بھاگ کر قافلہ لے کر مکہ پہنچا تو عبداللہ بن ابی ربیعہ، عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ نے تمام قبائلِ قریش میں گشت لگائی اور ابوسفیان کو سرغنہ کرکے یہ تجویز قرار دی کہ تجارتی قافلہ کے کل مال کو فراہمی لشکر میں صرف کیا جائے اور پھر اس لشکر سے چڑھائی کرکے اپنے مقتولوں کا انتقام لیا جائے۔ چنانچہ سبھوں نے ایسا ہی کیا۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آیت إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ الخ۔ انہی کے حق میں نازل ہوئی۔ اس تقدیر پر اموال سے وہ اموال مراد ہوں گے جو کفار نے جنگِ بدر میں خرچ کئے تھے۔ سعید بن جبیر، مجاہد، قتادہ، سدی۔ ابن ابزیٰ اور حکم بن عتیبہ سے بھی یہی مروی ہے۔
بیضاوی اور معالم میں ہے کہ ابوسفیان نے چالیس اوقیہ (ہر اوقیہ بیالیس مثقال) سونا خرچ کرکے علاوہ جماعت ہائے قریش کے دو ہزار عرب کی فوج جنگِ احد کی تیاری کے لئے فراہم کی تھی۔ بظاہر اس قول سے بھی جنگِ احد کے لئے اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ضحاک کہتے ہیں کہ یہ آیت ان کافروں

toobaafoundation.com

کے حق میں نازل ہوئی جو بدر کے روز لڑنے آئے تھے۔ ان میں سے بارہ آدمی سب کو کھانا دیتے تھے۔ ابوجہل، عتبہ، شیبہ، منبیہ، نبیہ، ابوالبختری، نضر بن حارث، حکیم بن حزام، ابی بن خلف، ربیعہ بن اسود، حارث بن عامر اور عباس بن عبدالمطلب۔

ابن کثیر نے ان تمام روایات کا لحاظ کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ یُنْفِقُوْنَ سے جنگِ بدر کی تیاری پر خرچ کرنا مراد تھا اور فَسَیُنْفِقُوْنَ میں آئندہ جنگ (احد وغیرہ) میں صرف کرنے کی اطلاع ہو۔ میرے نزدیک یہی بہتر ہے۔

کفار کے استحقاقِ عذاب کی یہ تیسری وجہ بیان فرمائی ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے راستے سے روکنے کے لئے یہ اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ چنانچہ بدر کی جنگ میں خرچ کیا۔ پھر بطور پیشین گوئی کے فرماتا ہے کہ ابھی ابھی اور بھی خرچ کریں گے۔ چنانچہ جنگِ احد کی تیاری میں ابوسفیان وغیرہ نے کثیر مال خرچ کیا۔ اس کے بعد مآلِ کار بتاتا ہے کہ نتیجہ میں انھیں حسرت، مغلوبیت اور عذابِ جہنم حاصل ہوگا۔ یعنی کفر کی حالت میں مریں گے تو جہنم میں جائیں گے اور مسلمان ہوجائیں گے تو پچھلے خرچ کرنے پر افسوس کریں گے۔

کفار کے مال کو صرف کرنے کی ایک پوشیدہ اور اصلی وجہ بیان فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ دنیا میں خبیث و طیب یعنی کافر و مسلم میں امتیاز کرنا چاہتا ہے۔ جو لوگ خرچ کررہے ہیں وہ خبیث ہیں جو ان کے خلاف ہے وہ طیب ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ پاک و ناپاک مال میں امتیاز کرنا چاہتا ہے۔ جو اللہ کی راہ میں صرف ہو وہ پاک ہے اور جو اللہ کی راہ سے روکنے کے لئے صرف ہو وہ ناپاک ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ اس سب ناپاک مال کو اکٹھا کرکے اللہ دوزخ میں ڈال دے گا اور تجارت میں ان کو سخت خسارہ ہوگا۔ نفع کی بجائے نقصان اُٹھانا پڑے گا۔ نہ تو دنیا ہی میں غلبہ حاصل ہوگا نہ آخرت میں نجات۔

مقصود بیان مسلمانوں کے خلاف مالی امداد دینے کی مذمت۔ دو پیشین گوئیاں یعنی جنگِ اُحد وغیرہ میں مال صرف کرنے کی اور مآل میں شکست اور مغلوبیت کی۔ جو مال حق کی امداد میں صرف ہو وہ پاک ہے جو باطل کی طرفداری میں صرف ہو وہ ناپاک ہے۔ وغیرہ

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ

کافروں سے کہدو۔ کہ اگر باز آجاؤ گے تو جو کچھ ہو چکا وہ معاف کردیا جائے گا اور اگر پھر وہی کروگے تو گزشتہ لوگوں کی روش

الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ

تو پڑ ہی چکی (مسلمانو!) ان سے لڑتے رہو تاوقتیکہ کوئی فساد باقی نہ رہے اور بڑا اللہ کا دین رہ جائے پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ اُن

بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝

کے اعمال کو دیکھ رہا ہے اور اگر سرتابی کریں تو جان لو کہ اللہ تمہارا حمایتی ہے وہی اچھا حمایتی اور اچھا مددگار ہے

تفسیر خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اگر عام کافر اپنے کفر و شرک اور محاربہ مسلمین سے باز آجائیں گے اور مسلمان ہوجائیں گے تو ان کے گزشتہ گناہ معاف کردیئے جائیں گے اور اگر مسلمان ہونے اور محاربہ مسلمین سے باز رہنے کے بعد پھر اصلی حالت کی طرف رجوع کریں گے پھر کافر حربی ہوجائیں گے تو خدا نے جس طرح گزشتہ اقوام کو تباہ کردیا ان کو بھی تباہ کردے گا کیونکہ قانونِ قدرت یہی ہے کہ جو کوئی عدل و اسلام کی راہ میں روڑے اٹکاتا ہے وہ تباہ ہوجاتا ہے۔ تو اب اگر کفار اپنے معاہدے پر قائم نہ رہیں یا مسلمان ہونے کے بعد پھر مرتد ہوجائیں تو مسلمانو! تم اُن سے اُس وقت تک لڑو جب تک کہ کفر و شرک کی جڑ نہ کٹ جائے اور خالص دینِ اسلام باقی نہ رہ جائے۔ اس کے بعد اگر وہ پھر توبہ کرلیں اور کفر و محاربہ سے باز آجائیں اور کلمہ توحید کے قائل ہوجائیں تو اُن کو چھوڑ دو اندرونی عقائد کی تفتیش نہ کرو۔ کیونکہ ان کے اعمال کو اللہ دیکھ رہا ہے۔ یہ کام اللہ کا ہے اور اگر وہ اپنے معاہدہ سے پھر جائیں اور اسلام سے روگردانی کرکے کفر کی طرف مائل ہوجائیں اور کفر میں بڑھتے چلے جائیں یا ظاہر کے خلاف دل میں نفاق رکھیں تو تم اُن سے کوئی اندیشہ نہ کرو، نہ دل میں ہراس لاؤ، وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے

toobaafoundation.com

اللہ تمہارا حامی ہے اور وہ بہترین حامی و مددگار ہے۔

تحقیقِ اجزاء اور چند مسائل

اِنْ یَّنْتَهُوْا سے بیضاوی وغیرہ کے نزدیک یہ مراد ہے کہ اگر کفار اپنے کفر اور محاربۂ مسلمین سے اس طور پر باز آجائیں کہ مسلمان ہو جائیں۔ یہی مطلب محققین اہلِ تفسیر نے پسند کیا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد گزشتہ معاصی و شرک معاف ہو جاتا ہے۔ عمرو بن عاص کہتے ہیں جب میرے دل میں خدا نے مسلمان ہونے کا خیال پیدا کیا تو میں مکہ سے چل کر مدینہ میں آیا اور خدمتِ گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یارسول اللہ ہاتھ پھیلائیے میں بیعت کروں گا۔ حضورؐ نے دایاں ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ حضورؐ نے فرمایا کیوں کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا میں کچھ شرطیں کرنی چاہتا ہوں فرمایا شرطیں کیا کرو گے۔ میں نے عرض کیا آپ مجھے معاف کر دیں یا میرے لئے استغفار کریں۔ فرمایا کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ اسلام گزشتہ گناہوں کو ڈھا دیتا ہے اور ہجرت بھی پہلے گناہوں کو ڈھا دیتی ہے اور حج بھی اگلے گناہوں کو ڈھا دیتا ہے۔ (رواہ احمد و مسلم)

صحاح سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ مسلمان ہونے سے پہلے جو نیکیاں کی ہیں مسلمان ہونے کے بعد ان کا بھی ثواب ملے گا۔ قال الزمخشری اس سے امام ابوحنیفہ نے یہ استدلال کیا کہ اسلام کے بعد کوئی مرتد ہو جائے اور قتل سے پہلے پھر مسلمان ہو جائے تو حالتِ ارتداد میں جو عبادتیں اس سے چھوٹ گئی ہوں ان کی قضا واجب نہیں۔ خفاجی نے احکام القرآن میں امام مالک کا بھی قول نقل کیا ہے لیکن شافعی کا قول ان دونوں کے خلاف ہے۔ چنانچہ قہستانی نے ذکر کیا ہے کہ اسلام لانے کے بعد نماز، زکوٰۃ، نذر، کفارہ وغیرہ کی قضا کرے۔ شمس الائمہ نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔

وَاِنْ تَعُوْدُوْا کے دو مطلب ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر کافر مسلمان ہو جائیں اور پھر مرتد ہو کر کفر و محاربۂ مسلمین کی طرف رجوع کریں تو ہلاک ہوں گے ہم نے خلاصۂ مطلب میں ثانی شق کو اختیار کیا ہے۔

اَلْاَوَّلِیْنَ سے مراد پہلی امتیں ہیں۔ مثلاً قوم فرعون، ثمود، عاد وغیرہ اس تقدیر پر آیت تین مضامین کو بالاحتمال حاوی ہوگی۔ وعید، تہدید اور تمثیل۔ سدی اور محمد بن اسحاق وغیرہ کا قول ہے کہ مقتولین بدر مراد ہیں۔ یعنی اگر کفار نہ مانیں گے تو ان کا حشر بھی ویسا ہی ہوگا جیسے مقتولینِ بدر کا یعنی جس طرح وہ ہلاک و برباد ہوئے ویسے ہی یہ ہونگے۔ والیہ اشار البیضاوی۔

حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ میں ابن عباسؓ و دیگر علمائے تابعین کے نزدیک فتنہ سے مراد شرک ہے لیکن عروہ کے نزدیک ہر وہ فتنہ مراد ہے جس سے مسلمان راہِ دین سے خطرے میں پڑ جائیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حکم خاص طور پر کفارِ عرب کا تھا یعنی اُن سے لڑنا ضروری تھا۔ جزیہ وغیرہ اُن سے لینا جائز نہ تھا۔ آیت میں بھی کفارِ عرب کا ہی حکم بیان کرنا مقصود ہے۔ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ کا یہ مطلب ہے کہ تم اُن کے دلوں کی حالت نہ تلاش کرو۔ زبان سے اگر اقرارِ توحید و رسالت کر لیں تو مان لو دلوں کی حالت جاننے والا خدا ہے۔ صحیحین میں ایک حدیث آئی ہے جس کے آخر میں حضور نے فرمایا ہے۔ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ یعنی ان کی دلی حالت اللہ جانتا ہے۔ وہی اس کا محاسبہ کرے گا اور بدلہ دے گا۔

مقصودِ بیان

مسلمان ہونے سے گزشتہ گناہ خواہ کتنے ہی بڑے ہوں معاف ہو جاتے ہیں۔ آیت میں کفار کو وعید و تہدید ہے اور گزشتہ اقوام یا مقتولینِ بدر کی طرح ان کا انجام ہونے کی دھمکی دی ہے۔ آیت سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ قانونِ فطرت اور ضابطۂ قدرت بدل نہیں سکتا۔ جو قوم قانونِ فطرت کی خلاف ورزی کرے گی وہ تباہ ہو جائے گی۔ شرک اور کفر عظیم الشان فتنہ ہے۔ اس سے امنِ عالم برباد ہو جاتا ہے۔ شرک کو دور کرنے کے لئے ہر قسم کا جہاد یہاں تک (بشرطیکہ اس کے شرائط موجود ہوں اور موانع معدوم ہوں) واجب ہے۔

مرتد کی توبہ مقبول ہے۔ کفر و اسلام کا حکم ظاہری حالت کو دیکھ کر لگایا جاتا ہے باطنی حالت کو تلاش کرنا نہ چاہیئے اس کا علم خدا کو ہے۔ گویا منافق بھی مسلمانوں کے حکم میں داخل ہیں۔ جب تک کہ واضح علامات سے ان کا نفاق کھل نہ جائے۔

آیت بتا رہی ہے کہ اگر مسلمان صداقت و حق پر قائم رہے تو منافقوں کے نفاق سے اُن کو کچھ ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ ان کا اللہ حامی ہے وہی اُن کی مدد کرے گا۔ وغیرہ

درسی غیر درسی اور ہر قسم کی کتابیں حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ وسیم فائن آرٹ پرنٹنگ پریس کو یاد رکھیئے!

toobaafoundation.com